سورۂ انفال

خلاصہ مندرجہ ذیل تفاسیر مع حوالہ جات و اقتباسات؛

(۱) تفسیر ابن کثیر (۲) تفسیر حقانی (۳) تفسیر المنار (۴) تفسیر المراغی،

(۵) تفسیر فی ظلال القرآن (۶) تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی (۷) تفہیم القرآن مودودی

از

میاں منظور احمد ایم اے عربی (گولڈ میڈلسٹ)

ایم اے اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ)

پروفیسر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

علمی کتاب خانہ اردو بازار۔ لاہور

62833

Marfat.com

DATA ENTERED

Marfat.com

ایم ۔ اے ۔ علوم اسلامیہ

تفسیر

سورۃ الانفال

جس کی تالیف میں تفسیر ابن کثیر، تفسیر حقانی، تفسیر المنار، تفسیر المراغی
فی ظلال القرآن اور فوائد القرآن (از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی)
سے بھرپور مدد لی گئی ہے اور بعض مقامات پر تفہیم القرآن اور ترجمان القرآن
سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

مؤلفہ
پروفیسر میاں منظور احمد ایم ۔ اے علوم اسلامیہ گولڈ میڈلسٹ
ایم ۔ عربی گولڈ میڈلسٹ ۔ لیکچرار اسلامیہ کالج ریلوے روڈ ۔ لاہور

علمی کتاب خانہ ○ اردو بازار ○ لاہور
ہدیہ : ٦٠ روپے

Marfat.com

بنام جہاندارِ جاں آفریں!

احقر العباد: میاں منظور احمد

Marfat.com

۲۹۷۶۱۶۲
۳۲۷ ان
~~۱۵۵۷۵~~
66075

فہرست آیات

مضمون	صفحہ	آیت	صفحہ
پیرایۂ آغاز	د	آیت ۲۷، ۲۸	۱۴۳
للتراجم والسوانح	و	آیت ۲۹	۱۵۵
مقدمہ	۱	آیت ۳۰، ۳۱	۱۶۰
آیت ۱، ۴	۳۶	آیت ۳۲، ۳۵	۱۷۷
آیت ۵، ۸	۵۷	آیت ۳۶، ۳۷	۱۹۰
آیت ۹، ۱۴	۷۰	آیت ۳۸، ۴۰	۲۰۰
آیت ۱۵، ۱۹	۹۱	آیت ۴۱، ۴۴	۲۱۲
آیت ۲۰، ۲۳	۱۱۷	آیت ۴۵، ۴۶	۲۳۷
آیت ۲۴، ۲۶	۱۲۴	آیت ۵۰، ۵۴	۲۶۲

Marfat.com

آیت	صفحہ
آیت ۵۵، ۵۹	۲۸۴
آیت ۶۰، ۳۶	۳۰۲
آیت ۶۴، ۶۶	۳۲۰
آیت ۶۷، ۶۹	۳۴۲
آیت ۷۰، ۷۱	۳۶۲
آیت ۷۲، ۷۵	۳۶۹ تا ۴۱۰

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیرائیہ آغاز

الحمد للہ کہ مجھ جیسے ہیچمدان کو محض خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن مجید کی تفسیر کا یہ سلسلہ تالیف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کتاب پاک کی تفسیر لکھنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے جس میں دَور صحابہؓ کے بعد بڑے بڑے ائمہ دین، علمائے لغت، محدثین و فقہاء، اور ہر دَور کے مشہور اعاظم رجال کے نام آتے ہیں۔

تفسیر قرآن مجید کے لئے جس تبحر علمی اور طہارت عملی کی ضرورت ہے ان دونوں سے دامن خالی ہونے کے باعث قلم اٹھاتے ہوئے نہ صرف خوف بلکہ شرم و ندامت کا خیال بھی دامنگیر رہا۔ لیکن اس احساس نے ہمت بندھائی کہ جو کام نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے لئے جب کوئی مناسب شخص آگے نہیں بڑھا تو بہرحال مجھے تو کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔

پنجاب یونیورسٹی نے ایم اے علوم اسلامیہ کے لئے سورہ المائدہ سے سورۂ توبہ تک پانچ سورتوں کا تفسیری مطالعہ بطور نصاب مقرر کر رکھا ہے۔ اس کے لئے جو کتابیں تجویز کی گئی ہیں وہ ہمارے ہاں بہت کم ملتی ہیں۔ حاجی سردار محمد صاحب مالک علمی کتاب خانہ لاہور جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا عظیم فضل و کرم فرمایا ہے، وہ عموماً ایسے مواقع کے منتظر رہتے ہیں کہ طلبا اور عام لوگوں کی کوئی علمی ضرورت پوری کریں، یا کوئی اور علمی خدمت سرانجام دیں۔ انہوں نے بہت ہمت افزائی سے مجھے اس کام پر آمادہ کیا کہ میں فی الحال ان پانچ سورتوں کی آسان اور معتدل قسم کی تفسیر لکھوں۔

میں نے اس تفسیر میں اس امر کا التزام کیا ہے کہ وہ کتابیں جو یونیورسٹی نے طلبہ کے مطالعہ کے لئے تجویز کی ہیں ہر آیت کی تفسیر کے ضمن میں ان کے

Marfat.com

اقتباسات ایک مناسب ترتیب سے درج کر دئیے۔ ان کے علاوہ ہمارے دور کے عظیم مفسر و محدث شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے بے نظیر حاشیہ قرآن میں علوم و معارف کے جو موتی بکھیرے ہیں انہیں تو میں نے تقریباً بتمام و کمال ہی لے لیا ہے اور ہر آیت کی تفسیر انہی سے شروع کی ہے۔ اپنی طرف سے میں نے بہت کم لکھا ہے صرف ان بزرگوں کے علوم و معارف کو ایک ترتیب سے جمع کر دیا ہے۔ تفسیر المنار کے اقتباسات کے لئے میں نے بالعموم تفسیر المراغی پر اعتماد کیا ہے کیونکہ المراغی کی حیثیت المنار کے ایک بہترین خلاصے کے علاوہ ایک مختصر اور مفید تفسیر کی بھی ہے۔ بعض مقامات پر آپ کو صرف المنار ہی کا حوالہ نظر آئے گا۔ ان مقامات کو یا تو المراغی نے لیا نہیں یا بہت اختصار سے بیان کیا ہے۔

فی ظلال القرآن کا آخری (تیسرا) ایڈیشن میرے زیر مطالعہ رہا ہے، اس میں پہلے ایڈیشنوں کی نسبت بہت سی ترامیم اور اضافے پائے جاتے ہیں۔ سید قطبؒ کی نگارشات کو میں نے ہر موقع پہ آخر میں بطور حرفِ آخر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ جو یونیورسٹی کی تجویز کردہ ہیں میں نے دیگر مواد سے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً تفہیم القرآن اور ترجمان القرآن۔ اس لئے کتاب اب صرف ایم اے کے طلبہ کے لئے نہیں بلکہ دیگر قارئین کے لئے بھی انشاءاللہ تعالیٰ یکساں مفید ثابت ہو گی۔ اللہ کرے میری یہ کوشش مفید ثابت ہو۔

میاں منظور احمد

Marfat.com

التراجم والسوانح

تفسیر ابن کثیر امام حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیلؒ دمشقی کی عجیب و غریب تصنیف ہے۔ محققین اہل علم کے نزدیک یہ تفسیر بہت سے فوائد و خصوصیات کی حامل ہے جن سے دوسری تفاسیر بالعموم مجموعی حیثیت سے خالی ہوتی ہیں۔ یہ کتاب نہ زیادہ مجمل ہے نہ مفصل، بلکہ بالکل حدِ اعتدال میں ہے علامہ ابن کثیرؒ عموماً قرآن کی تفسیر پہلے خود قرآن سے کرتے ہیں، پھر احادیث مع سند و حوالہ بیان کرتے ہیں اور ان پہ کلام کرتے ہیں۔ اسرائیلی روایات کی نشاندہی اور ردّ بھی کرتے جاتے ہیں۔ پھر اقوالِ صحابہؓ و تابعینؒ بیان کرتے ہیں۔ کہیں کہیں صرفی و نحوی مسائل، علم قرأت، و تجوید اور بلاغت و معانی پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔

گزشتہ تقریباً ساڑھے چھ صدیوں سے عالم اسلام میں اس تفسیر کو قبولِ عام حاصل ہے۔ فقہی مسائل بہت کم بیان کرتے ہیں اور نقلِ مذاہب میں پوری پوری دیانتداری کا ثبوت دیتے ہیں۔ کلامی مسائل پہ بھی بعض جگہ مناسب گفتگو کر کے مسلکِ اہلِ سنّت کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر کی جلالتِ قدر کے بہت معترف تھے اور اپنے شاگردوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ احقر کے ایک خط کے جواب میں حضرت نے تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی کے مطالعہ کی تاکید فرمائی تھی۔ فوائد القرآن میں جابجا ابن کثیر کے حوالے ملتے ہیں۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ کی ولادت ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور قصبہ بصرای کے مضافات میں واقع تھا ان کا اصل نام اسمٰعیل کنیت ابوالفداء لقب عماد الدین اور عرف عام ابن کثیر ہے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے اور اپنے برادر بزرگ کے زیر سایہ پرورش و تعلیم کے مراحل طے کئے۔ علمِ حدیث میں ان کے اساتذہ میں امام

Marfat.com

حافظ ابن تیمیہؒ، علامہ حافظ ذہبیؒ، حافظ جمال الدین مزی، علامہ ابن الرضیؒ اور حماد ابن سویدیؒ کے نام زیادہ مشہور ہیں، حافظ جمال الدینؒ بن یوسف المزی کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہوا۔

علامہ ابن کثیرؒ تمام علوم متداولہ بالخصوص حدیث، فقہ، تفسیر، لغت وغیرہ اور علم تاریخ میں امام ہوئے۔ ان کے علم و فضل، حافظہ، فہم و فراست اور علمی دیانت کے سب علماء امت قائل ہیں۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ زاہد الکوثریؒ نے اس کا کھلا اعتراف کیا ہے۔

ان کا سن وفات ۷۷۴ھ ہے۔ دمشق میں اپنے نامور استاد حافظ ابن تیمیہؒ کے پہلو میں مقبرۂ صوفیہ میں دفن ہوئے۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر قرآن اور تاریخ و سیرت کی مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" کے علاوہ مختلف علوم و فنون میں کم و بیش ڈیڑھ درجن مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔

فوائد القرآن

سورۂ البقرہ والنساء از شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور البقیہ از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ حضرت شیخ الہندؒ نے شاہ عبدالقادرؒ کے مشہور ترجمہ پر نظر ثانی کرکے اسے ایک جدید اور مستقل حیثیت دیدی۔ پھر جزیرہ مالٹا میں قید فرنگ (۱۹۱۶ء تا ۱۹۲۰ء) میں اس ترجمہ کی تکمیل کے علاوہ سورۃ البقرہ اور النساء کے فوائد بھی لکھے۔ قضاء الٰہی سے مولانا موصوف رہائی کے بعد جلد ہی ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو مولائے حقیقی سے جا ملے۔ تو فوائد تفسیریہ کی تکمیل کے لئے قرعۂ فال حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مرحوم کے نام پڑا۔ انھوں نے اپنے مخصوص محققانہ، متکلمانہ اور ادیبانہ انداز میں یہ فوائد تحریر فرمائے مگر فرط ادب کے تقاضے سے اپنے استاد محترم کے حصۂ فوائد کو نہیں چھوا۔ بعد میں بھی تقاضے ہوئے، لیکن جتنا کام ہو چکا تھا حضرت نے اُسی پر اکتفا فرمایا۔

یہ فوائد اگر غور سے پڑھ لئے جائیں تو فہم قرآن کے لئے کافی ہیں۔ ان کی موجودگی بہت سی تفاسیر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی نگاہ تقریباً سبھی

Marfat.com

جدید مسائل اور تقاضوں پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے فوائد میں احقاقِ حق کے ساتھ ساتھ ابطالِ باطل کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبند کے ایک جید عالم اور ادیب مولانا فضل الرحمٰن کے فرزند تھے۔ سنہ پیدائش ۱۸۸۵ء ہے چھوٹی ہی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے۔ بالخصوص آپ کا شغف علمِ کلام تفسیر اور حدیث سے تھا۔ سیاسی مسلک کے لحاظ سے آپ نے مسلم لیگ کی ہمنوائی کی اور بیش بہا خدمات انجام دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ دستور ساز اسمبلی کے ممبر ہوئے۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو انہوں نے مشہور قرارداد مقاصد پاس کروائی۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بمقام بہاولپور رحلت بحق ہو گئے۔

تفسیر قرآن کے علاوہ مسلم کی مشہور شرح فتح الملہم لکھی اور نصف درجن کے قریب رسائل مختلف موضوعات پر سپردِ قلم کئے۔

پاکستان و ہند کے علاوہ دنیا بھر کے گوشے گوشے میں علامہ مرحوم کے شاگرد موجود ہیں جو ان سے حدیث و تفسیر میں استفادہ کر چکے ہیں۔ وہ مفسر، محدث اور متکلم و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شعلہ نوا خطیب اور آتش نفس مقرر بھی تھے۔ اس حیثیت سے بھی متحدہ ہندوستان میں ان کا ایک منفرد مقام تھا۔ صوبہ سرحد اور ضلع سلہٹ کے استصوابِ رائے میں عوام نے انہی کی تقاریر سے متاثر ہو کر بے پناہ اکثریت سے مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں رائے دی تھی۔

تفسیر حقانی کتاب کا اصل نام "فتح المنان بتفسیر القرآن" اور عرفِ عام میں تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس تفسیر میں خود بقول مؤلف روایت و درایت دونوں کو جمع کیا گیا ہے مطالبِ قرآنی کو اردو زبان میں واضح کرنے کے لئے آیات کا شانِ نزول، احکام کی آیات میں مجتہدین کے دلائل اور اختلافات، وجہ اعراب اور ترکیب نحوی، تاویل میں وجوہ ترجیح کا بیان، معانی و بلاغتِ قرآن کا بیان، احادیثِ صحیحہ میں حوالہ، تفسیر القرآن بالقرآن، ربطِ آیات

Marfat.com

مخالفینِ اسلام بالخصوص ملحدین و نصاریٰ کا کافی ردّ بیان کیا گیا ہے۔

اصل تفسیر سے پہلے ایک نہایت مبسوط مفید مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں اصولِ تفسیر، جمع و ترتیبِ قرآن، علم تفسیر پر اصولی بحث، کتبِ سابقہ پر نقد و تبصرہ اور ان کی تحریف و تبدیلی کے دلائل، محکم و متشابہ، احکامِ قرأت، سبب نزول، شرح غریب، حذف و ابدال، ناسخ و منسوخ، اعجاز القرآن، اسرارِ عبادات، مضامین و علوم قرآن، توحید و نبوت اور معاد جیسے اہم مسائل پر فاضلانہ تبصرہ کیا گیا ہے۔

مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی (وفات ۱۹۰۰ء) متحدہ ہندوستان کے علمائے متأخرین میں بلند پایہ عالم گزرے ہیں۔ ان کی کتاب کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت عامہ اور شہرت عطا فرمائی ہے۔ مصنف ایک متبحر اور ربّانی عالم ہیں۔

تفسیر المنار علامہ سید رشید رضا (ولادت ۲۷ جمادی الاول ۱۲۸۲ھ، ۱۹ ستمبر ۱۸۶۵ء وفات ۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ، ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء) نے اپنے استاد و مربی مفتی محمد عبدہ کے اس تفسیری مواد کو جو انہوں نے علامہ سید جمال الدین افغانی کے تعلیمی و تفسیری مباحث پر قلم بند کیا تھا، بڑی محنت اور جد و جہد سے بہت سے مفید اضافوں کے ساتھ اپنے رسالہ المنار میں شائع کیا۔ بعد میں یہ مستقل تفسیر کی حیثیت اختیار کر گیا۔ افسوس کہ یہ سلسلہ مکمل نہ ہو سکا اور غالباً بارہ پاروں کی تفسیر کے بعد منقطع ہو گیا۔

اس کتاب میں قدیم تفاسیر سے ہٹ کر قرآن پاک کو جدید زمانے کے تقاضوں اور جدید علوم و فنون کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے مستشرقینِ یورپ کے اٹھائے ہوئے فتنوں اور شکوک و شبہات کا مفصل و شافی رد کیا گیا۔ مسلمانوں کے احساسِ کہتری کو دور کرنے اور انہیں جھنجھوڑنے کی از حد کوشش کی گئی ہے اسرائیلی روایات کا خوب رد کیا گیا ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن والسنّہ کی پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ کلامی مسائل کے بیان سے حتی الوسع گریز کیا گیا ہے لیکن جہاں کہیں ایسے مسائل آئے ہیں انہیں محدثینِ سلف کے اصول پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر کچھ فقہی مسائل کا بیان بھی آ گیا ہے۔ ان کے بیان میں مصنف محدثین

Marfat.com

کے آزاد مسلک کے قائل ہیں۔

بلاغت و معانی اور صرف و نحو کے ضروری مسائل بھی موقع بہ موقع بیان کرتے ہیں۔ بالخصوص الفاظ و محاورات قرآنی کی تشریح و اشتقاق میں نہایت قیمتی اور تحقیقی مواد پیش کرتے ہیں۔

علامہ سید رشید رضا اُن علماء اسلام میں سے ہیں جنہوں نے ماضی قریب میں مسلمانوں کی سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی بیداری کیلئے اَن تھک کام کیا۔ وہ ایک واسطہ (مفتی محمد عبدہؒ مصری) سے علامہ جلیل سید جمال الدینؒ افغانی کے شاگرد ہیں اور ان کی تحریک نشاۃِ اسلام (اتحادِ اسلامی) کے پرجوش مبلغ ہیں۔

وہ قدیم و جدید علوم کا ایک حسین امتزاج ہیں۔ جدید فلسفہ و سائنس اور علم سیاسی پر ان کی نظر بہت گہری ہے۔ لبنان کے پہاڑی علاقے میں ان کا خاندان سیادت و نجابت میں عوامی عقیدت کا مرجع تھا۔ تکمیلِ علوم کے بعد انہیں سرکاری ملازمت کی پیشکش کی گئی لیکن وہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور ترک وطن کر کے قاہرہ میں پہنچ کر آزاد صحافت و تنقید کو اپنا پیشہ و شغل بنا لیا۔

علامہ سید رشید رضا تفسیر قرآن کے علاوہ ستولہ اور مفید کتابوں کے بھی مصنف ہیں۔ عالم اسلام کی بیداری میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے غیرت اسلامی اور شجاعت و حق گوئی ان کے خاص وصف تھے۔ عالم اسلام کی تمام اصلاحی و انقلابی تحریکیں ان سے بہت متاثر ہوئیں۔

تفسیر المراغی مؤلفہ علامہ احمد مصطفیٰ المراغی (پروفیسر علوم شرعیہ و لغت عربی دار العلوم کالج قاہرہ) اس تفسیر میں مولف نے ایجاز و اختصار کے ساتھ تفسیر القرآن بالقرآن، تشریح مفردات، اسباب نزول، مضامین آیات کا خلاصہ اور تفسیری روایات کی تنقید و تمحیص کا التزام کیا ہے۔ احادیث صرف وہ لاتے ہیں جو ان کے نزدیک درجۂ صحت کو پہنچ چکی ہوں۔ اسرائیلی روایات کو نہ صرف ترک کر دیتے ہیں بلکہ ان پر نقد و تبصرہ کر کے ان کا رد بھی کرتے ہیں۔

Marfat.com

تفسیر المنار کے شائع شدہ (۱۲) اجزاء سے علامہ المراغی نے خوب خوب استفادہ کیا ہے بلکہ تفسیر المراغی بالکل المنار کا اقتباس ہی معلوم ہوتی ہے۔ دیگر فوائد اس کے مستزاد ہیں۔ جز ۱۳ سے آخر قرآن تک المنار کے ماسوا دیگر مشہور و متداول اور معتبر تفاسیر ان کے پیش نظر رہی ہیں۔ شروع سے تصنیف و تالیف کی جو روش اختیار کر لی تھی آخر تک اس کی پابندی کی ہے۔

تفسیر المراغی کو پیش نظر رکھنے سے ہماری غرض ایک طرف تو یہ تھی کہ یہ تفسیر المنار کا تقریباً خلاصہ ہے اور دوسری طرف اس کے اختصار و جامعیت اور صحت نقل و اقتباس سے استفادہ پیش نظر تھا۔ چنانچہ آپ کو جا بجا اس کے حوالہ جات نظر آئیں گے۔

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی کے متعلق افسوس ہے کہ کوئی سوانحی مواد مہیا نہیں ہو سکا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس کی تلافی کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا لازم ہے کہ "علامہ مراغی" اور "شیخ مراغی" بہت سے علماء اور مشہور ادباء کہلاتے ہیں اکثر کا نام محمد بن مصطفیٰ المراغی یا محمد مصطفیٰ المراغی ہے۔ مثلاً الازہر کے سابق ریکٹر بھی علامہ المراغی تھے مگر وہ محمد بن مصطفیٰ المراغی تھے اور تفسیر المراغی کے مولف احمد مصطفیٰ المراغی ہیں۔

فی ظلال القرآن مصر کے مایہ ناز ادیب، شاعر، ماہر تعلیم اور صحافی سید قطب رحمۃ اللہ کی تصنیف ہے جسے مرحوم نے جیل کی تنہائیوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ اس تفسیر میں مرحوم نے پرانا تفسیری ڈھنگ کافی حد تک بدل ڈالا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ تفسیر نہیں۔ حقیقت میں فصاحت و بلاغت اور ادب و انشاء کا شہ پارہ اور اسلامی دعوت کا ایک ابلتا ہوا لاوا ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں تفسیری مباحث بھی بتمام و کمال موجود ہیں۔ سید مرحوم نے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے یہ تفسیر لکھ کر عالم اسلام پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔

اس کتاب میں جدید دور کی ضروریات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور وہ اجتماعی معاشی، سیاسی اور معاشرتی مسائل جو نئے ذہن کو پریشان کرتے ہیں سید مرحوم نے

Marfat.com

ان کو موقع بہ موقع بیان کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ بالخصوص یہودی و عیسائی مستشرقین اور اشتراکی مصنفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے مفصل اور شافی جواب دیئے گئے ہیں۔

میرا خیال ناقص یہ ہے کہ دنیا کی مشہور زبانوں میں اس کا ترجمہ کرنا اشد ضروری ہے اور یہ یقیناً ایک عظیم اسلامی خدمت ہوگی۔

کتاب کو پڑھ کر سید مرحوم کے حیرت انگیز تبحر علمی، عجیب و غریب حافظہ اور خداداد طرز ادا کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ جدید علوم کی شاید ہی کوئی شاخ ہوگی جس پر مرحوم کی نظر نہ ہو۔ وہ تفسیر کے صفحات میں سائنس کی مختلف شاخوں، فلسفۂ قدیمہ و جدیدہ، علم الحیات اور اس کی مختلف اقسام، ریاضی، تاریخ و جغرافیہ، علم السیاست، اقتصادیات، عمرانیات غرض علوم و فنون کی ہر شاخ سے استدلال کرتے اور علوم و معارف کے موتی بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔

ان کا طرز تحریر موجودہ عالم عرب کے ہر ادیب سے زیادہ مؤثر اور زوردار ہے۔ عربیت کا ذوق رکھنے والا کتاب کو دیکھ کر عش عش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سید قطب ۱۹۰۶ء میں مصر کے ضلع اسیوط کے موشا نامی گاؤں کے ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہیں والدین کی شدید آرزو کے مطابق قرآن مجید بچپن میں ہی حفظ کرا دیا گیا۔ انہوں نے ۱۹۳۳ء میں دار العلوم قاہرہ سے بی اے ایجوکیشن کی ڈگری حاصل کی اور اسی کالج میں پروفیسر ہو گئے۔ پھر انہیں انسپکٹر مدارس مقرر کیا گیا اور جدید طریقۂ تعلیم و تربیت کے مطالعہ کے لئے امریکہ بھیج دیا گیا۔ وہاں وہ کئی کالجوں میں کچھ عرصہ کام کرتے رہے۔ انہوں نے مغربی مادی تہذیب کا بالکل قریب سے مطالعہ کیا پھر وہ انگلستان، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ بھی گئے۔

۱۹۴۵ء میں وہ مصر کی مشہور اسلام پسند جماعت "الاخوان المسلمون" سے منسلک ہو گئے اور جماعت کے اہم ترین عہدوں پر فائز رہے۔ اب ان کی ساری ادیبانہ سرگرمیاں تحریک اسلامی کے لئے وقف ہو گئیں۔ ۱۹۵۴ء میں اخوان، خلاف قانون قرار دی گئی

Marfat.com

اور ہزارہا لوگوں کے ساتھ سید قطب بھی گرفتار ہو گئے۔ انہیں جیل میں انتہائی صبر آزما تکالیف پہنچائی گئیں مگر انہوں نے صبر و ثبات سے وہ سب برداشت کر لیں۔ ۱۹۶۴ء میں دس سال قید کاٹ کر وہ جیل سے رہا ہوئے۔ اسی قید میں انہوں نے "فی ظلال القرآن" کی تکمیل کی۔

ایک سال بعد ۱۹۶۵ء میں وہ پھر دوبارہ حکومت مصر کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ یہ گرفتاری غالباً کمیونسٹوں کے ایما پر مصر کی موجودہ "سوشلسٹ عرب" حکومت نے کی۔ جیل میں انہیں ناقابل بیان اور زہرہ گداز تکالیف دی گئیں۔ ان کا سارا خاندان مبتلائے تعذیب کیا گیا۔ حتیٰ کہ خواتین پر بھی تشدد کیا گیا۔ فوجی ٹربیونل کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا جس نے ۱۹۶۶ء میں انہیں دو اور ساتھیوں سمیت سزائے موت سنائی۔ اور سارے عالم اسلام بلکہ دنیا بھر کے احتجاج کے باوجود ۲۵ راگست ۱۹۶۶ء کو انہیں پھانسی دے دی گئی۔ آخر وقت تک انہوں نے جس صبر و ثبات اور جرأت و بسالت کا مظاہرہ کیا اس نے انہیں زندۂ جاوید کر دیا۔

"فی ظلال القرآن" کے علاوہ سید مرحوم کی تقریباً دو درجن کتب اور بھی ہیں جن میں العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام عالمگیر اور لازوال شہرت کی مالک ہے کئی زبانوں میں اس کے ترجمے چھپ چکے ہیں۔ اردو میں اسلام کا نظام عدل کے نام سے چھپی ہے۔

Marfat.com

(ایم۔ اے۔ علوم اسلامیہ)

تفسیر

سُورۃُ الاَنفَال

جس کی تالیف میں تفسیر ابن کثیر، تفسیر حقانی، تفسیر المنار، تفسیر المراغی
فی ظلال القرآن اور فوائد القرآن (از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی)
سے بھرپور مدد لی گئی ہے اور بعض مقامات پر تفہیم القرآن اور ترجمان القرآن
سے بھی استفادہ کیا گیا ہے

مؤلفہ

پروفیسر میاں منظور احمد ایم۔ اے علوم اسلامیہ گولڈ میڈلسٹ
ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ۔ لیکچرار اسلامیہ کالج ریلوے روڈ۔ لاہور

علمی کتاب خانہ
اُردو بازار۔ لاہور

Marfat.com

مطبوعہ : پنجاب پریس لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تسمیہ اس سورت کا نام "الانفال" اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے جس میں یہ لفظ الانفال دو جگہ آیا ہے: یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ج "(آپ) سے یہ لوگ اموالِ غنیمت کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ کہیئے کہ اموالِ غنیمت اللہ اور رسولؐ کے ہیں"۔ بعض صحیح روایات میں حبر الامت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا نام "سورۂ بدر" بھی منقول ہوا ہے درالصل ابن عباسؓ نے یہ نام اس کے مضامین و مباحث کی مناسبت سے رکھا ہے ورنہ مشہور نام اس کا "الانفال" ہی ہے۔

تعداد آیات کوفی قراء کے شمار کے مطابق الانفال کی ۷۵ آیات ہیں (جیسا کہ ہمارے ہاں کے مصاحف میں ہے!) حجازی قراء کے نزدیک یہ تعداد ۷۶ اور شامی قراء کے نزدیک ۷۷ ہے۔ عدد کے اس اختلاف سے کوئی غلط فہمی یا اضطراب پیدا نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن کی آیات کے شمار میں اختلاف دراصل فقرات و الفاظ کی کمی بیشی پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ محض وقف کا اختلاف ہوتا ہے۔ اسی اختلاف سے آیات کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی ہے بعض دفعہ کچھ لوگوں کے نزدیک ایک فقرہ ایک ہی آیت شمار ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وقف آیت وہاں صرف ایک ہوتا ہے، لیکن کچھ اور لوگوں کے نزدیک اس فقرے میں دو جگہ وقف آیت ہوتا ہے لہذا وہ اسے دو آیتیں شمار کرتے ہیں۔ عدد آیات کے اختلاف

Marfat.com

کو ہمارے ملک کے مصاحف میں عموماً "د" کی علامت سے ظاہر کرتے ہیں!

زمانۂ نزول

سورۂ الانفال پوری کی پوری مدنی ہے۔ عبداللہؓ بن زبیر، زیدؓ بن ثابت انصاری، عبداللہؓ بن عباس، حسنؒ بصری، عکرمہ، جابرؓ بن زید اور عطاءؒ سے یہی منقول ہے۔ بلکہ ابن عباسؓ نے تو اسے نام ہی "سورۂ بدر" کا دیا ہے کیونکہ اس کا نزول جنگِ بدر کے زمانے میں اسی جنگ کے اسباب و عواقب پر تبصرہ کرنے کے لئے ہوا ہے۔

بعض روایات میں عبداللہؓ بن عباس سے منقول ہے کہ آیت ۶۴: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے متعلق نازل ہوئی ہے (مسند البزار) اسی طرح مقاتل سے منقول ہے کہ آیت نمبر ۳۰: وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ مکی ہے کیونکہ اس میں ہجرت کے موقع پر کفارِ قریش کا حضورؐ کے خلاف مشورۂ قتل و حبس وغیرہ بیان ہوا ہے۔ لیکن مقاتل کا یہ استنباط محض آیت کے معنی سے ہے ورنہ ابن عباسؓ سے صحیح طور پر منقول ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔ کسی مدنی آیت میں ماضی کا واقعہ بیان ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ آیت ہی مکی ہوگئی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس بعض علماء تفسیر نے اس آیت کے بعد کی پانچ آیتوں کو نمبر ۳۵ تک مکی قرار دیا ہے۔ لیکن ان میں بھی وہی مضمون بیان ہوا ہے کہ مکہ میں کفارِ قریش کیسے اجرائی کیا کرتے تھے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان آیات کا نزول ہی مکہ میں ہوا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے بعد اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے کے حالات بعض مصالح کے لئے بتائے ہیں۔ اور تحقیقی قول یہی ہے کہ ہجرت کے بعد قرآن کا جس قدر بھی حصہ اترا ہے، خواہ بالفعل وہ کہیں اترا ہو وہ مدنی ہے اور اس سے قبل والا سارا حصہ مکی ہے۔

اس وقت سورتوں کے متعلق تو تحقیق سے کہا جاسکتا ہے کہ فلاں مکی ہے اور فلاں مدنی، لیکن آیات کے متعلق الگ الگ ان کا زمانۂ نزول متعین کرنا دشوار

Marfat.com

نہ یہ معلوم کرنا ممکن ہے نہ ضروری۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک سورتوں کی ترتیب اور سورتوں میں آیتوں کی ترتیب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم وارشاد کے مطابق ہوئی ہے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قرآن کے نازل شدہ حصے کی مدارست (دَور) رمضان میں جبرئیلؑ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کو آپ نے اسی مدارست کے مطابق آیات و سورکی ترتیب تلقین فرمائی تھی۔ حضورؐ کے آخری رمضان میں یہ دَور دو مرتبہ ہوا تھا جس سے آپؐ نے اپنے قربِ وفات پر استدلال فرمایا تھا۔

امام بیہقیؒ اور حافظ سیوطیؒ نے مسند احمد اور اصحابِ سُنن کی ایک روایت کے مطابق، جس میں عبداللہ بن عباسؓ اور جنابِ عثمانؓ ذی النورین کا ایک سوال و جواب مذکور ہے، یہ فیصلہ کیا ہے کہ سورۂ الانفال اور البرآءۃ کے علاوہ تمام سورتوں کی ترتیب حضورؐ نے خود فرمائی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان دو سورتوں کو آخر باقی قرآن میں کسی خاص ترتیب سے رکھ کر ضرور پڑھتے ہوں گے، بالخصوص اپنے آخری رمضان کے دَور میں! سو وہ ترتیب کونسی ہے؟ لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ صحابہؓ نے بوقتِ جمعِ قرآن جو ترتیب بامرِ نبیؐ رکھی تھی اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا تھا، وہی ترتیب حضورؐ سے ثابت شدہ ہوگی!

نیز امام ترمذیؒ نے اس روایت پر کلام کیا ہے کیونکہ اس میں ایک راوی یزید الفارسی مجہول ہے۔ امام جرح و تعدیل یحییٰؒ بن معین نے اسے غیر معروف (مجہول) ٹھہرایا ہے۔ پس ایسے اہم امر میں ایسے مجہول شخص کی روایت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

بعض روایات سے اُبیؓ بن کعب اور عبداللہؓ بن مسعود سے جو منقول ہے کہ انہوں نے اپنے مصاحف میں متفق علیہ ترتیب کے خلاف بعض سورتوں کو رکھا تھا، سو یہ ان کی ذاتی یادداشتیں تھیں جن سے ترتیبِ نزول وغیرہ یا کوئی اور تفسیری امر یاد رکھنا پیشِ نظر ہوگا، ورنہ قرآن کی عام ترتیب کے یہ حضرات

Marfat.com

بالکل خلاف نہیں نہ ان سے کوئی مخالفت منقول ہے۔

شانِ نزول سورۃ الانفال کا عددِ نزول کے اعتبار سے ۸۸واں ہے مدینہ منورہ میں الانفال کے نزول سے قبل سورۃ البقرہ کا ابتدائی حصہ کافی مقدار میں نازل ہو چکا تھا۔ راجح تر قول یہ ہے کہ ہجرت سے ۱۹ ماہ بعد غزوۂ بدر میں الانفال کا نزول ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کو "یوم الفرقان" فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اس معرکہ میں حق و باطل، اسلام و کفر، توحید و شرک اور مومنین و مشرکین کے درمیان ایک واضح امتیاز واقع ہو گیا تھا۔ یہ امتیاز صرف دنیا کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ آخرت کے احکام کے لحاظ سے بھی ہوا تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں آیا ہے کہ سورۃ الحج کی آیات ۱۹-۲۴ میں جن دو فریقوں کا ذکر ہے: هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ الخ یہ وہی فریق ہیں جو جنگ بدر میں آمنے سامنے ہوئے تھے: یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ۔ جنگِ بدر میں جو فرقان و امتیاز واقع ہوا تھا وہ ایک دائمی و ابدی امتیاز ہے جو اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اس نقطۂ نگاہ سے غزوہ بدر کا یوم الفرقان ہونا بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

غزوۂ بدر کی اہمیت کو سمجھنا اسلام کے مسئلہ جہاد کی اہمیت کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ صرف اسی صورت میں پتہ چل سکتا ہے کہ اس جنگ کو اسلامی تاریخ میں کیا مقام حاصل ہے۔ اور اسی ضمن میں سورۃ الانفال کے مضامین کی تفسیر سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا۔ ذیل میں حافظ امام ابن القیمؒ کی کتاب زاد المعاد سے اس مضمون پر ہم ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں[1]:

"ابتدائے نبوت میں سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۱۶۶-۱۶۷

Marfat.com

وہ یہ تھی: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ الخ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدا کا نام دل میں پڑھنے اور چپکے چپکے دہرانے کا حکم دیا اور دوسروں کو اس کی تبلیغ کا حکم نہ دیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ مطلب یہ ہوا کہ آپؐ کو نبوت تو اِقْرَاْ کی وحی سے ملی اور رسالت یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو انجام سے ڈرائیں۔ پھر آپؐ نے اپنی قوم قریش کو حکم خداوندی سے خوفِ آخرت دلایا۔ پھر ان کے اردگرد جو اہلِ عرب تھے انہیں تبلیغ فرمائی اور پھر سارے اہلِ عرب کو خوفِ خدا سے ڈرایا۔ اور پھر تبلیغ کا دائرہ وسیع تر ہو گیا تو آپؐ نے سارے اہلِ جہان کو اپنا مخاطب بنایا اور انہیں خوفِ الٰہی سے ڈرایا۔

نبوت کے بعد ۱۳ سال تک آپ صرف دعوت پیش کرتے رہے، اس عرصہ میں نہ قتال کا حکم ملا نہ جزیہ کا۔ بلکہ آپؐ کو حکم دیا جاتا رہا کہ کسی کی زیادتی کا جواب نہ دیں، صبر اور درگزر کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہجرت کا حکم دیا اور قتال کا حکم نازل فرمایا۔ پہلے پہل یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ آپؐ سے قتال کریں صرف انہی سے لڑا جائے اور جو لوگ الگ تھلگ رہیں اور آپؐ سے نہ لڑیں انہیں نہ چھیڑا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب مشرکوں سے قتال کرو جب تک کہ دینِ خدا قائم نہ ہو جائے۔

جہاد کا حکم جب آپؐ کو ملا تو کفّار کی تین قسمیں تھیں: ا۔ وہ لوگ جن سے صلح اور معاہدہ تھا۔ ب۔ وہ لوگ جو برسرِ جنگ تھے۔ ج۔ وہ لوگ جو "اہلِ ذمّہ" تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ صلح اور معاہدہ والوں کی صلح نبھائی جائے اور جب تک وہ لوگ عہد پر قائم رہیں، ان کے عہد کو باقی رکھا جائے۔ اور اگر ان کی طرف سے خیانت اور عہد شکنی کا خوف ہو تو ان کا عہد برسرِ عام ختم کیا جائے اور ان کے سامنے اعلانِ عام کر دیا جائے کہ اب تم لوگوں سے ہمارا کوئی عہد نہیں رہا۔ اور جو لوگ عہد شکن تھے اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

آپؐ کو حکم دیا کہ ان سے قتال کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب اقسام کے احکام "سورۂ براءۃ" میں نازل فرمائے۔ اور اہلِ کتاب میں سے جو لوگ خدا اور رسولؐ کے دشمن اور اسلام کے مخالف تھے، ان کے متعلق حکم دیا گیا کہ ان سے قتال کیا جائے اور جب تک جھک کر جزیہ ادا نہ کریں انہیں نہ چھوڑا جائے۔ یا پھر وہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کے حقوق بالکل مسلمانوں کے برابر ہو جائیں گے۔

سورۂ براءت میں اللہ نے آپؐ کو کفار و منافقین سے قتال کرنے اور ان پر شدت کرنے کا حکم دیا۔ پس آپؐ نے کفار سے تو نیزہ و تلوار کے ساتھ جہاد فرمایا اور منافقین سے دلیل و برہان اور زبان سے جہاد کیا۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عہد شکن کفار سے بری الذمہ ہو جانے اور ان کے معاہدوں کو ختم کر دینے کا بھی حکم دیا۔ اس معاملے میں جو لوگ معاہدہ والے تھے ان کی تین اقسام کی گئیں۔ ا۔ جو لوگ عہد شکن تھے ان کے ساتھ تو آپؐ کو قتال کا حکم دیا گیا۔ پس آپؐ نے ان سے لڑائی لی اور ان پر غالب آ گئے۔ ب۔ جو لوگ عہد شکن نہ تھے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی انہوں نے مدد کی تھی، مگر ان کے معاہدوں کی کوئی مدت مقرر تھی، پس حکم دیا گیا کہ ان کی مدتِ عہد تک معاہدہ کی پابندی کی جائے۔ ج۔ تیسری قسم کے لوگ وہ تھے کہ ان سے کوئی معاہدہ ہوا تھا نہ انہوں نے مسلمانوں سے جنگ و قتال کیا تھا۔ ان میں وہ لوگ بھی داخل تھے جن کے ساتھ غیر معیّن مدت تک معاہدہ تھا، بشرطیکہ وہ عہد شکن نہ ہوں۔ پس ان سب کے لئے چار ماہ کی مدت ٹھہرائی گئی۔ اس مدت کے بعد ان کا کوئی عہد نہ ہو گا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد شکن لوگوں کو تو قتال کیا اور جن سے عہد نہ تھا انہیں مہلت دے دی۔ اور آپؐ کو حکم دیا گیا کہ جو لوگ عہد شکن نہیں ان کے عہد کی مدت تک معاہدہ نبھایا جائے۔ پس یہ سب اقسام کے کافر اپنی اپنی مدت تک پہنچنے سے قبل ہی مسلمان ہو گئے۔ اور حضورؐ نے اہلِ ذمّہ پر جزیہ لگایا۔ پس سورۂ براءۃ کے نزول کے بعد کفار کی تین قسمیں ہو گئیں: (۱) برسرِ جنگ و جدال

Marfat.com

(۲) اہلِ معاہدہ (۳) اہلِ ذمّہ۔ پھر عہد و صلح کرنے والے سب مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد کافروں کی صرف دو قسمیں رہ گئیں۔ (ا) وہ جو برسرِ جنگ تھے (ب) اور جو اہلِ ذمّہ تھے۔ اور پہلی قسم والے یعنی محارب اس وقت آپؐ سے خائف تھے۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر دنیا بھر کے لوگ آپؐ کے ساتھ تین قسم کے تھے: (۱) مسلم مومن (۲) آپؐ سے صلح کر کے پُرامن ہو جانے والے (۳) آپؐ کے خلاف لڑنے والے جو آپؐ سے خائف بھی تھے۔ یہ تو تھا کفار و مشرکین اور اہلِ کتاب کا معاملہ، جہاں تک منافقین کا سوال ہے آپؐ کو حکم دیا گیا کہ ان کے ظاہر اور علانیہ کو قبول کر لیا جائے، ان پر اسلام کے احکام جاری کئے جائیں اور ان کے باطن کو خدا کے حوالے کر دیا جائے۔ ان کے ساتھ علم و حجت سے جہاد کیا جائے۔ جن لوگوں کا نفاق واضح ہو جائے ان سے اعراض کیا جائے اور ان پر معاملات میں شدّت اختیار کی جائے۔ اور ان سے ایسی بات کی جائے جو ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر ے۔ ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔ نہ ان کی قبر پر بوقتِ دفن یا دعائے مغفرت کے لئے کھڑے ہوں۔ کیونکہ ان کے حق میں بخشش کی دعاء بے فائدہ ہے۔[۱]

اس مختصر اقتباس سے پتہ چل جاتا ہے کہ دعوتِ اسلامی اور جہاد و قتال کے احکام پر کئی مرحلے گزرے ہیں۔ پس جہاد و قتال کے احکام کے سلسلہ میں یہ معلوم کرنا سخت ضروری ہے کہ یہ کس مرحلہ کا حکم ہے؟ کیونکہ اسلام کا نام نہاد دفاع کرنے والے ان احکام کے بارے میں خود یہ نہیں جانتے کہ یہ احکام کب اور کس مرحلہ پر اترے تھے۔

اسلام کے احکامِ جہاد

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اسلام کے احکامِ جہاد و قتال کی طرف کچھ اشارات کر دئے جائیں۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

---

[۱] فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۲۸-۶۷

(۱) اسلام ایک عملی تحریک کا نام ہے جو انسان کی عملی و واقعی زندگی سے متعلق ہے۔ انسانی زندگی میں جہاں جہاں اور جس قدر جاہلیت موجود ہے یہ دینِ حق اُس کا وہیں وہیں اور اسی قدر مقابلہ کرتا ہے۔ جاہلیت کا فلک بوس محل جن عقیدوں اور تصورات پر قائم ہے، اسلام اُن کا بھی مقابلہ کرتا ہے۔ پھر ان عقائد و تصورات پر جو عملی نظام واقعاتی دنیا میں قائم ہوتے ہیں اسلام ان کا بھی شدید مقابلہ کرتا ہے جو مادّی قوتیں شدّت و قوت سے ان نظاموں کو قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ اسلام ان سے تصادم کرتا اور انہیں پاش پاش کر ڈالتا ہے۔ وہ عقیدے کا مقابلہ دعوت و بیان سے کرتا ہے تاکہ عقائد و تصورات کی درستی کی جا سکے۔ اور جاہلی نظاموں، سلطنتوں، ممالک اور مادی قوتوں کا مقابلہ قوت و جہاد سے کرتا ہے کیونکہ یہ نظام اور جاہلی قوتیں اسلام کا راستہ روکتی ہیں اور اسے لوگوں تک پہنچنے دینے کی روادار نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ لوگوں کو جبر و قہر اور تذلیل سے غیر اللہ کے سامنے جھکاتی ہیں۔ پس لازم ہے کہ ان قوتوں کے سامنے محض دعوت و بیان پر اکتفا نہ کی جائے۔ بلکہ مادّی قوت کا مقابلہ مادی قوت سے، تنظیم کا تنظیم سے اور سلطنت کا سلطنت سے کیا جائے۔ وہ افراد کی ضمیروں کے لئے جبر و قہر کو استعمال نہیں کرتا لیکن جو مادی قوت اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچنے سے روکے اس قوت کو وہ قوّت سے توڑ دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی تحریک کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک خدا کی بندگی میں داخل کرے۔

(۲) اسلام جب ایک عملی تحریک کا نام ہے تو ضروری ہے کہ مقصد کے حصول کے لئے اس کے راستے میں کئی مراحل آئیں اور ہر مرحلے کے مناسب حال احکام موجود ہوں۔ ہر مرحلہ ایک دوسرے سے متصل ہو کہ جب ایک ختم ہو تو دوسرا شروع ہو جائے۔ اور ہر مرحلے کے حسبِ حال کافی وسائل موجود ہوں۔ کیونکہ وہ دنیا کی واقعاتی اور عملی حیات میں صرف نظریات لے کر ہی داخل نہیں ہوتا

Marfat.com

بلکہ نظریات وعقائد کے ساتھ ساتھ عملی وسائل بھی رکھتا ہے۔ اور یہ وسائل جامد نہیں ہوتے بلکہ زندہ وپائندہ اور رواں دواں ہوتے ہیں۔ پس ہر مرحلہ کے تقاضے اور احکام الگ الگ ہیں۔ اس حقیقت کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا لازم ہے۔ جو لوگ اس حقیقت کو جانے بغیر اسلامی جہاد پر گفتگو کرتے ہیں وہ خود بھی خبط اور گڑبڑ کا شکار رہتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی خلط ملط میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض شکست خوردہ اور روحانی مریض یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ اسلام کا جہاد صرف دفاع کے لئے ہے۔ حالانکہ ایسا کہنا اس دین کی کوئی خدمت نہیں جو ساری زمین کے طاغوتوں کو مٹانے اور غیر اللہ کی بندگی کے جھنڈے سرنگوں کرنے آیا ہے۔ تاکہ بندہ کسی بندے کی بندگی نہ کرے، عبادت وبندگی صرف ایک معبودِ برحق کی ہو۔ وہ کسی کو زبردستی اپنا عقیدہ ماننے پر مجبور نہیں کرتا لیکن اس عقیدہ کی راہ کی تمام رکاوٹیں ہٹا دینا اپنا فرض جانتا ہے۔ وہ تمام سیاسی حاکمانہ اور مادی تنظیمیں جو لوگوں اور اسلام کے عقیدۂ توحید میں حائل ہیں وہ انہیں ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اس عقیدہ کو نہ مانے تو اس کی مرضی، اُسے عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) اسلامی تحریک اپنے تمام مراحل میں صرف ایک مقصد وہدف کو پیشِ نظر رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ بندگی کو خدا کے لئے خالص کر دیا جائے اور بندوں کی بندگی سے نکل کر صرف خدا کی بندگی اختیار کی جائے۔ اس بنیادی مسئلہ میں کوئی صلح صفائی یا نرمی ومدافعت خارج از بحث ہے۔ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے متعدد مراحل میں سے گزرتا ہے اور ہر مرحلہ میں اس کے مناسب وسائل اختیار کرتا ہے۔

(۴) اسلامی جماعت اور غیر اسلامی معاشروں کے درمیان تعلقات کی اساس وبنیاد فقط "خدا کے سامنے گردن جھکانا" ہے۔ اگر کوئی شخص یا جماعت

Marfat.com

اسلام کو بالفعل قبول نہیں کرتی تو بھی اسے اس امر کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اس کی راہ روکے اور اس کے اور لوگوں کے درمیان کھڑا ہو جائے۔ جو بھی ایسا کرے گا اسلام اس سے قتال کرے گا حتی کہ اسے قتل کر کے ڈھا دے یا اسلام کے آگے جھکا دے کہ وہ اس کے راستے سے ہٹ جائے۔ اگر قبول نہ کرے تو کم از کم راستے سے ہٹ جائے!

اوپر مختصراً بیان ہونے والے احکام کے پیش نظر اسلام کا مسلمانوں سے یہ مطالبہ ہے کہ جب کوئی شخص یا جماعت ایسی اٹھ کھڑی ہو جو اپنی پوری کوشش اور سارے وسائل جاہلیت کے باطل نظام کو مٹانے اور اس کی جگہ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق عادلانہ اسلامی نظام قائم کرنے کو آمادہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ ہر غرض اور ہر خواہش سے بری ہو جائے۔ ہوائے نفس، لالچ، تعصب، کسی شخص یا قوم کی سربلندی یا کسی کو سرنگوں کرنا اس کے تذکرہ نہ ہو۔ بلکہ وہ اس راہ میں جو قربانی کرے محض "فی سبیل اللہ" کرے۔ یعنی عدل و قسط پر مبنی ایک معتدل اور متناسب خدائی نظام کو لوگوں پر قائم کرنا۔ پس وہ جماعت اس فانی دنیا میں کوئی بدلہ نہیں چاہ سکتی۔ نہ اس کے ذریعہ سے کوئی شخص جاہ و منزلت اور شرف و شہرت کا طالب ہو سکتا ہے۔ جہاد کا مقصد کسی شخص، خاندان، قبیلہ، قوم یا برادری کی حکومت قائم کرنا نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ مقصد تو "طاغوت" کا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ (النساء ۷۶)

اسلامی انقلابی دعوت کا لب لباب اور جوہر سورۃ البقرہ کی اس آیت میں بیان کر دیا گیا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥ (البقرہ ۲۱) اسلام کرۂ ارضی کے رہنے والوں کو مزدوروں، کسانوں، سرمایہ داروں، صنعت کاروں، کارخانہ داروں، زمین داروں وغیرہ کے نام سے نہیں بلاتا بلکہ وہ بلا کسی طبقاتی امتیاز کے سارے بنی آدم کو مخاطب

Marfat.com

بناتا ہے۔ اور انسان ہونے کے لحاظ سے انہیں بلا کر رب اور مالک و خالق کی بندگی کا انہیں حکم دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں امر و حکم صرف اللہ کا ہی چلنا چاہیئے جو اس سے اعراض کرے وہ متکبر و قاہر اور جبار و طاغوت ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ: تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (آل عمران ۶۴)

یہ ایک بھرپور عالمی انقلاب کی دعوت ہے جس میں کوئی غموض و ابہام نہیں وہ پکار کر کہتا ہے: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (یوسف ۴۰) اس دعوت کی رُو سے بنی آدم میں سے کسی کا یہ کام یا منصب نہیں کہ لوگوں پر بادشاہ بن کر مسلّط ہو جائے، آمرِ مطلق بن جائے کہ جو چاہے حکم دے اور جس امر سے چاہے روکے۔ یہ خدا کے حق میں دست درازی ہے اور ایسا کرنے والا جابر اور متکبّر ہے جو اپنے آپ کو خدائی کے مقام پر کھڑا کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ ایسے طاغوت کو بادشاہ، امیر یا صدر یا آمر مان لیں وہ مُشرک ہیں۔ اور شرک ہی دنیا میں سب سے بڑا فساد ہے۔ اسی سے شر و طغیان کے سارے چشمے پھوٹتے ہیں۔

اسلام کی دعوت توحید اور فقط خدا کی بندگی کوئی کلامی قضیّہ یا محض "لاہوتی عقیدہ" ہی نہیں۔ بلکہ دیگر ادیان و مذاہب کے برعکس یہ دعوت ایک اجتماعی انقلاب کی دعوت ہے اور اس کے پیش نظر اوّلین کام یہ ہے کہ خدائی کی چوٹیوں پر جا چڑھنے والوں کی جڑ کاٹ دی جائے۔ اور جو لوگ حیلے بہانے سے لوگوں کو غلام بناتے ہیں انہیں جڑ پیڑ سے مٹا دیا جائے۔ ان میں سے بعض تو مجاور اور کاہن بنے بیٹھے ہیں۔ اور بعض نے حکومت و امارت حاصل کر کے لوگوں کی گردنوں میں اپنی حکومت کا طوق ڈال رکھا ہے۔ بعض نے دولت و ثروت کے سرچشموں پر قبضہ جما رکھا ہے اور لوگوں کو اپنا محتاج بنا لیا ہے۔ پس اسلامی دعوت ان سب کی جڑ کاٹنا اور انہیں مٹا دینا چاہتی ہے۔ یہ لوگ

Marfat.com

کبھی کبھی علی الاعلان الوہیت کے مقام پر فائز ہو بیٹھتے ہیں اور اپنے گردو پیش کے لوگوں کو اپنے حکم کے سامنے جھکانا چاہتے ہیں اور اپنے جبروت کا مطیع بنانا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہم نے باپ دادا سے کچھ خدائی حقوق پائے ہیں۔ یا وہ طبقہ جس کی طرف ہم منسوب ہیں وہ یہ حقوق رکھتا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے ایک طاغی نے اعلان کیا تھا کہ: "میں نہیں جانتا کہ میرے سوا بھی تمہارا کوئی الٰہ ہوگا؟" اور کہنے لگا کہ: اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ۝ ایک دوسرا طاغی بولا کہ: اَنَا اُحْیِی وَ اُمِیْتُ اور ایک متکبّر طبقہ بولا کہ: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً ؟ اسی قسم کے متکبّرانہ دعوے اور خدائی کے اعلانات ہر زمانے میں بغاوت و عدوان سے کئے جاتے رہے ہیں۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چالاک اور ہوشیار لوگ عوام کی جہالت و حماقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مورتیاں، مجسّمے، تصویریں اور ہیکل وغیرہ بنا کر انہیں خدائی کا مقام دے دیتے ہیں پھر وہ عوام کو ان زیارت گاہوں اور معبودانِ باطلہ کی پوجا کے لئے بلاتے ہیں اور ان سے وہاں مراسمِ عبادت و عبودیت ادا کرواتے ہیں اور خود ان تماثیل و ہیاکل کے پیچھے چھپے رہتے ہیں۔ لوگوں کی عقلوں سے کھیلتے ہیں اور انہیں اپنی اغراض و شہوات کا غلام بنا کر لوٹتے ہیں۔ جدید جاہلیّت کے کاہنوں اور پروہتوں نے اصنام و تماثیل اور ہیکلوں کی ظاہری اشکال کو تبدیل کر کے لوگوں کو قومیت، وطنیّت، اشتراکیّت و اشتمالیّت کے نام کے معنوی بُت دے دیئے ہیں۔ بڑے بڑے سیاسی کہنت اور پروہت ان تازہ خداؤں کے مجاور ہیں۔ بیوقوف عوام سے ان بُتوں کے لئے عزّت و ناموس جان و مال، شرم و حیا، دین و مذہب وغیرہ کی قربانیاں طلب کی جاتی ہیں اور احمق خوشی خوشی سے یہ قربانیاں پیش کر کے ان معبودوں کے حضور سُرخرو ہوتے ہیں۔

اوپر کی تشریح کے مطابق اسلامی دعوت حکومتوں، ان کے کارندوں،

Marfat.com

جدید خداؤں کے پجاریوں وغیرہ سب کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب طبقے مل کر ہر زمانے میں خدا کے سچے پیغمبروں کی مخالفت میں پیش پیش رہے ہیں۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ انبیاء کی دعوت کی زد ہمارے کبر و غرور کے علاوہ ہماری شہوات و اغراض اور پیٹ پر بھی ہے۔ اسی طرح تمام وہ طبقے جنہیں کسی وجہ سے کوئی اقتدار حاصل ہو چکا ہوتا تھا، وہ بھی اس دعوت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اگر یہ دعوت ایک زندہ دعوت نہ ہوتی محض ایک لاہوتی مسئلہ، الہیاتی مسائل کی محض شرح اور ایک کلامی قضیئہ ہوتا تو یہ سارے لوگ اس کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے ہوتے؟ اور یہ سب اپنی گدیوں اور اقتدار کو کیوں خطرے میں جانتے؟

اسلام صرف ایک کلامی عقیدے اور چند عباداتی رسوم کے مجموعے کا نام ہی نہیں، جیسا کہ آج کل "دین" کا مفہوم یہی سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کامل نظام ہے جو دنیا میں جاری ہونے والے دوسرے تمام ظالم نظاموں کو ختم کر کے ایک صالح اور عادل نظام قائم کرنا چاہتا ہے جو انسانیت کے لئے ان سب نظاموں سے بہتر ہے۔ اور اس میں انسانوں کے لئے شر و طغیان کی سب بیماریوں سے نجات کا سامان موجود ہے اور دنیا و آخرت میں سعادت و فلاح پائی جاتی ہے۔

اس راہ میں اسلام کی دعوت اصلاح و تجدید اور ساری انسانیت کے لئے تعمیر کی دعوت ہے۔ اور یہ تعمیر پہلے سے قائم شدہ نظاموں کی اکھاڑ پچھاڑ چاہتی ہے یہ دعوت کسی خاص قوم و ملت اور ملک و وطن کے لئے نہیں بلکہ اس کے مخاطب سب بنی آدم ہیں۔ اس دعوت میں ان طبقات کے لئے خطرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح سے زمین کے سیاسی و معاشی دروبست پر قابض ہوں۔ یہ دعوت بادشاہوں اور امراء سے کہتی ہے کہ خدا کی زمین پر سرکشی مت کرو بلکہ خدا کی ٹھہرائی ہوئی حدود کے اندر رہنے پر قناعت کرو، جن چیزوں سے خدا نے روکا اور منع کیا ہے انہیں مت

Marfat.com

چھوڑ دو۔ اگر تم خدا کے نظام امن و برکت کے سامنے جھک جاؤ تو تمہیں امن و اطمینان اور سلامتی نصیب ہو گی۔ کیونکہ حق کسی شخص کے ساتھ دشمنی نہیں رکھتا۔ اس کی دشمنی تو ظلم و جود کے ساتھ ہے، فساد و بے حیائی کے ساتھ ہے، فطری حدود سے نکلنے والوں کے ساتھ ہے۔

پس جو شخص بھی اس دعوت پر ایمان لے آئے اور اسے نیک نیتی سے قبول کر لے وہ اسلامی معاشرے کا ایک جز و بن جاتا ہے۔ اور "حزب اسلامی" میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس معاملے میں کالے گورے، سرخ و زرد، غریب و امیر وغیرہ میں کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ سب لوگ کنگھی کے دندانوں کی مانند باہم برابر ہیں۔ کسی قوم کو دوسری قوم پر، کسی طبقے کو دوسرے طبقے پر کوئی فضیلت و امتیاز حاصل نہیں۔ اس طرح وہ عالمی جماعت وجود میں آتی ہے جسے وحی کی زبان نے "حزب اللہ" کے نام سے پکارا ہے۔

لیکن یہ عالمی جماعت صرف "جہاد فی سبیل اللہ" سے وجود میں آتی ہے۔ اس کی فطرت و نصب العین اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ غیر الٰہی نظاموں کو ختم کرے اور ان کی جگہ ایک عادل و صالح نظام قائم کرے جو بین الاقوامی بنیادوں پر استوار ہو۔ اس نظام کی سب سے بڑی بنیاد "کلمۃ اللہ" ہے۔ اگر یہ جماعت اپنے مقاصد کے لئے جد و جہد نہ کرے گی تو اس کے مقاصد کبھی بروئے کار نہیں آ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کا مقصد وجود اس آیت میں بیان فرمایا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ الخ (آل عمران: ۱۱۰)

پس یہ جماعت جو "حزب اللہ" کہلاتی ہے، محض واعظوں اور مبشروں کی جماعت نہیں جو لوگوں کو مسجدوں میں وعظ کہہ کر اور خطبوں اور مقالات سے محض زبانی دعوت دے کر خاموش ہو جائے۔ ہرگز نہیں! اس جماعت کو اس لئے برپا کیا گیا ہے کہ حق و عدل کا جھنڈا بلند کر کے انسانوں پر گواہ بنے۔ شر و طغیان

کے سر چشموں کو بند کرے۔ جور و ظلم اور ناجائز استحصال کو مٹائے۔ تمام جھوٹے معبودوں کی خدائی کو سر نگوں کر دے۔ غیر اللہ کی الوہیت و ربوبیت کا خاتمہ کرے اور ساری دنیا میں ایک نظامِ حق وعدل کو قائم کر دے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اسے واضح حکم دیا گیا ہے کہ: "اس وقت تک ان سے قتال کرو کہ فتنہ نہ رہے اور خدا کا دین قائم ہو جائے" (الانفال: ۳۸) "اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بہت بڑا فساد اٹھ کھڑا ہو گا!" "اللہ نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر اسی لئے بھیجا ہے کہ اسے سب ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرک اس بات کو ناپسند کریں"!

اس ساری بحث سے واضح ہو گیا کہ حزب اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ "زمامِ کار" کو اپنے ہاتھوں میں لے اور حکومت پر قبضہ کرے۔ کیونکہ فاسد عمرانی نظام صرف تعدّی اور فساد فی الارض کی بنیاد پر ہی قائم ہوتا ہے اس لئے جب نظامِ حق وعدل کو قائم کرنے کی جدوجہد کی جائے گی تو لازم ہو گا کہ باغیوں اور طاغیوں کے ہاتھوں سے زمامِ کار چھین کر صالحین کے ہاتھوں میں منتقل کی جائے علاوہ ازیں جب تک خدا کے باغیوں کے ہاتھوں میں زمامِ کار رہے گی خود اس عالمی جماعت یعنی حزب اللہ کا وجود خطرے میں رہے گا۔ لہٰذا اپنے وجود کی بقاء کے لئے بھی ناگزیر ہے کہ یہ جماعت نظامِ امر کو ان طاغوتوں کے ہاتھوں میں نہ رہنے دے۔ حزب اللہ اور جاہلی نظاموں کے علم بردار اپنے عقائد و مقاصد اور طریقِ کار غرض ہر چیز میں ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ جس طرح ایک اشتراکی مثلاً برطانیہ میں اپنے عقیدہ و طریقِ کار پر کاربند رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام نے جو طریقِ زندگی وضع کر رکھا ہے اس پر پوری طرح غالب و محیط ہو گا۔ اور وہ نظام اس پر اپنے پنجے گاڑے رکھے گا۔ اسی طرح ایک مسلم کسی غیر الٰہی جاہلی نظام میں مسلم ہونے کی حیثیت سے کبھی زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ غیر الٰہی نظام اس پر غالب و قاہر رہے گا

اور قدم قدم پر اُس سے مطالبہ کرے گا کہ اسلام پر نہیں بلکہ غیر اسلام پر عمل کرے غیر اسلامی نظام میں وہ کبھی اپنی روزمرہ کی زندگی میں اسلام کے احکام پر عمل نہ کر سکے گا، باطل قوانین، ناجائز اور ظالمانہ مالی مطالبات اور ٹیکس، غیر اسلامی فیصلے اُس پر چھائے رہیں گے۔ جن تنظیموں کو وہ شر و فساد اور بغاوت و طغیانی کا منبع جانتا ہے وہ اس پر ہر طرف سے محیط ہوں گی۔ نہ صرف وہ خود بلکہ اس کا خاندان، قبیلہ اور سارا ماحول غیر اسلامی نظام کے شکنجے میں کسا ہوا ہوگا۔ پس جو شخص کسی نظام پر ایمان رکھتا ہے، فطری طور پر اُسے قائم کرنے اور اس کے برخلاف دوسرے نظاموں کو ختم کر دینے کی جدّ و جہد پر مجبور ہوگا کیونکہ صرف یہی وہ طریقہ ہے جس سے وہ اپنے پسندیدہ اور قبول کردہ نظام کی حقانیت کو ثابت کر سکتا اور خود اُس پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کا دعوائے ایمان غلط ہے یا اس کا اس عقیدے اور نظام پر صرف زبانی ایمان ہے۔ سورۂ توبہ کی آیات ۴۳ - ۴۵ میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ جہاد کی پکار پر لبیک نہیں کہتے دراصل اُن کا خدا اور قیامت پر ایمان ہی نہیں ہے۔

اسلام ایک بین الاقوامی مسلم جماعت بنا کر اس کے ذریعہ سے ایک عالمی انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ صرف کسی ایک خطۂ زمین پر قناعت نہیں کر سکتا۔ ساری انسانیت اس کی مخاطب ہے اور ساری زمین پر وہ اپنے نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہی اس کی عالمی اور بین الاقوامی حیثیت کا فطری تقاضا ہے۔ جغرافیائی حد بندیاں اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں۔ وہ ان حد بندیوں کو مصنوعی اور جعلی سمجھتا ہے۔ گو وہ ابتداء کرنے کے لئے کسی ایک سرزمین کو منتخب کرے گا لیکن وہ صرف اسی علاقے پر قانع نہیں رہ سکتا کہ اس کی عالمی اور بین الاقوامی حیثیت مجروح ہوتی ہے۔ جہاں جہاں کفر و طغیان ہوگا وہاں اپنا پیغام حق لے کر جائے گا اور جب جاہلیت کی طرف سے

Marfat.com

مزاحمت ہوگئی تو وہ علم جہاد و قتال بلند کرے گا۔ جب تک کفر و شرک مٹ نہ جائے، یا بدرجۂ اقل اسلام کے سامنے گردن نہ جھکا دے، جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند رہے گا۔ جہاں کہیں فتنہ سر اٹھائے گا وہ اس کی سرکوبی کو اپنا فرض سمجھے گا۔ جب بھی کسی علاقے میں عورتوں بچوں اور کمزور مردوں کو اسلام کی وجہ سے ستایا جائے گا ان پر ظلم و ستم کیا جائے گا، اسی وقت اسلام کی مادی قوت حرکت میں آجائے گی اور اسلام کا راستہ روکنے والوں کی سرکوبی کرے گی۔

جہاد فی سبیل اللہ کا یہی طریقہ تھا جس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین چلتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام آفاقِ کائنات میں دور دور تک پھیل گیا اور ایک زندہ و مضبوط قوت بن گیا۔ پس وہ لوگ جو دفاع دفاع کا شور مچاتے ہیں، دراصل اسلام کی طبیعت اور اس کے عالمگیر آفاقی پیغام اور زندہ و پائندہ پروگرام سے بے خبر ہیں۔

غزوۂ بدر

جنگ بدر اسلام اور کفر کے درمیان پہلی باقاعدہ جنگ تو ضرور تھی مگر اسلام کی جہادی تحریک اس سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔

حضورؐ نے غزوۂ بدر سے پہلے کئی سریئے (چھوٹے چھوٹے لشکر) اطرافِ ملک میں جنگی کارروائیوں کے لئے روانہ فرمائے تھے۔ مگر ان میں سے صرف ایک میں جنگ قتال کی نوبت آئی۔ اور وہ سریۂ عبداللہؓ بن جحش کی سرکردگی میں ہجرت سے سترہ ماہ بعد بھیجا گیا تھا۔ یہ تمام لشکر قریش کی کارروائیوں کے خلاف بھیجے گئے تھے جنہوں نے حضورؐ کو اور مسلمانوں کو مکّہ سے ہجرت کے باوجود آرام سے نہ بیٹھنے دیا تھا اور بیت اللہ کی حرمت کو پامال کرنے سے بھی دریغ نہ کیا تھا۔ حالانکہ بیت اللہ کی حرمت اہلِ اسلام اور قریش دونوں میں مسلّم تھی۔ اس وقت کا سب سے بڑا طاغوت جو اسلام کی راہ میں حائل تھا وہ کفارِ قریش کا طاغوت تھا لہٰذا حریتِ عقیدہ کو قائم کرنے اور غیر اللہ کی بندگی کو مٹانے کے لئے اس طاغوت کا سر توڑنا لازم تھا۔ سورۃ الانفال میں فقط جہاد و قتال کے احکام ہی

Marfat.com

نہیں دئے گئے بلکہ وہ تاریخی اور واقعاتی پس منظر بھی واضح کیا گیا ہے جس میں غزوۂ بدر واقع ہوا۔ اس تاریخی پس منظر کی کچھ تفاصیل ہم یہاں البدایہ والنہایہ (ابن کثیرؒ)، إمتاع الاسماع (مقریزیؒ)، زاد المعاد (امام ابن القیمؒ الجوزیہ) اور جوامع السیرۃ (علامہ ابن حزمؒ اندلسی) سے نقل کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا کہ ابو سفیان بن حرب قریشِ مکہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ تیس یا چالیس آدمیوں سمیت لے کر شام سے واپس آرہا ہے آپؐ نے مسلمانوں کو اس قافلہ کی طرف نکلنے کا حکم دیا، لیکن "نفیرِ عام" نہیں فرمائی صرف جلدی میں جو تھوڑے سے آدمی مہیا ہو سکے انہیں کو ساتھ لے لیا اور زیادہ تیاری کی مہلت یا حکم نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ بدر میں صرف ۳۱۳ آدمی باہر نکلے جن میں سے ۸۶ مہاجر تھے، انصار میں سے قبیلۂ اوس کے صرف ۶۱ آدمی اور خزرج تقریباً ۱۷۰ آدمی تھے (اس حساب سے ۳۱۷ مجاہد ہوتے ہیں جن میں سے بعد میں چار کو غالباً جنگ کا یقین ہونے پر کم سنی کی وجہ سے لشکر سے الگ کر دیا گیا تھا! مؤلف)

ابو سفیان مدینہ کے قریب پہنچ کر جاسوسوں کے ذریعہ سے خبریں منگوا رہا تھا۔ اسے بعض سواروں سے پتہ چلا کہ مسلمان اس کے قافلہ پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اُجرت دے کر مکہ روانہ کیا کہ وہ اہلِ مکہ کو صورتِ حال سے باخبر کر دے۔ وہ بہت جلد مکہ کو روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ اپنے اونٹ کے کان چیر دئے، اپنی قمیص پھاڑ دی اور کجاوہ الٹ دیا اور مکہ کی گلیوں میں واویلا مچا دیا۔ قریش نے فوراً تیاری کی اور دو تین دن میں ابو لہب کے سوا سارے قریشی سرداروں کو پوری طرح لیس کر کے مدینہ کو روانگی کا طبل بجا دیا۔ وہ ساتھ شراب و کباب اور گانے بجانے کا پورا ساز و سامان بھی لے کر نکلے اور ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ وہ اپنے خیال میں پورے غم و غصہ، حسد و بغض اور عداوت کے جذبات سے حضورؐ اور اہلِ اسلام

Marfat.com

کو مٹا دینے کا عزم لے کر آئے۔

اُدھر ابو سفیان اپنے تجارتی قافلے کو لے کر مشہور راستے کو چھوڑ کر ساحلی راستہ سے مکہ کو ہولیا۔ جب وہ مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل گیا تو قریش کے لشکر کو واپسی کا پیغام بھیجا کہ تمہارا مقصد قافلہ کو بچانا تھا اور وہ بچ نکلا ہے لہٰذا آگے جانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ ابو جہل نے واپسی سے انکار کر دیا اور کہا ہم واپس نہ ہوں گے جب تک کہ مقام بدر تک جا کر وہاں تین دن نہ ٹھہریں، وہاں ہم اونٹ ذبح کریں گے، لوگوں کی دعوت کریں گے، شراب پئیں گے اور گانا بجانا سنیں گے تاکہ ہمارا رعب ہمیشہ کے لئے اہلِ عرب پر چھا جائے۔ جب ابو سفیان کو اس ارادے کی اطلاع ملی تو اس نے اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ اگر مسلمانوں سے مقابلہ ہو گیا تو قریش ذلیل ہو جائیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ عمرو بن ہشام (ابو جہل) کی یہ ضد قریش کو خوار و رسوا کر دے گی۔

حضورؐ مسلمانوں سمیت ماہ رمضان کی ابتداء میں مدینہ سے نکلے۔ آپؐ کے لشکر میں صرف ستر اونٹ تھے جن پر لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضورؐ جناب علیؓ اور مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی ایک اونٹ پر، حضرت حمزہؓ، زیدؓ بن حارثہ ابو کبشہؓ اور انسہؓ ایک اونٹ پر، حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف ایک اونٹ پر باری باری سوار ہو رہے تھے۔

حضورؐ جب بدر کے قریب پہنچے تو آپؐ کو کفارِ قریش کے لشکر کی خبر ملی۔ اب صورت حال بالکل مختلف تھی اس لئے آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ نے بہت اچھی اور جوشیلی تقریریں کیں مگر حضورؐ انصار کی رائے کے منتظر تھے کیونکہ بیعتِ عقبہ میں ان سے جو وعدہ ہوا تھا وہ یہ تھا کہ وہ حضورؐ کی حفاظت مدینہ پر حملہ آوروں سے کریں گے۔ اور یہ وعدہ نہیں تھا کہ مدینہ کے باہر بھی وہ آپؐ کی نصرت و حفاظت کریں گے۔ اس چیز کو تاڑ کر سعدؓ بن معاذ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ! آپؐ ہم

Marfat.com

انصار کی رائے پوچھتے ہیں کیونکہ ممکن ہے جس مقصد کے لئے ہم لوگ مدینہ سے باہر نکلے تھے اب بحکم خداوندی آپؐ اس کے علاوہ کچھ اور کرنا چاہتے ہوں (یعنی قافلہ تو بچ کر نکل گیا اب آپؐ کفار کے لشکر سے جنگ چاہتے ہوں گے)۔ سو ہماری سن لیجئے۔ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں، آپؐ کی اور آپ کے پیش کردہ دین کی تصدیق کی ہے۔ آپؐ سے سمع و طاعت پر بیعت کر چکے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ جو چاہتے ہیں اسے کر گزریئے۔ واللہ! اگر آپ ہم سے اس سمندر میں گر جانے کا مطالبہ بھی کریں گے تو ہم اس میں گھس جائیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ ہٹے گا۔ آپ جس سے چاہیں ملاپ کیجئے، جس سے چاہیں قطع تعلق کیجئے۔ ہمارے جس قدر مال چاہیں لے لیں۔ جو کچھ آپ لیں گے وہ ہمیں باقی اموال سے زیادہ پسند ہوگا۔ ہمیں بالکل ناپسند نہیں کہ آپ کل ہی دشمن سے مقابلہ کرا دیکھئے۔ ہم لڑائی کے وقت صبر کریں گے، دشمن پر صدقِ دل سے ٹوٹ پڑیں گے۔ آپ ہم سے انشاء اللہ وہ کچھ دیکھیں گے جس سے آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ سعدؓ بن معاذ نے کہا: ہم اپنے پیچھے مدینہ میں کچھ لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہیں جو ہم سے کم آپؐ کے محب نہیں۔ نہ ہم ان سے زیادہ آپؐ کے اطاعت شعار ہیں۔ وہ صرف اس لئے نہیں آئے کہ انہیں جنگ کا گمان نہ تھا اور صرف قافلہ کو روکنے کی مہم سمجھتے تھے۔ ہم میدانِ جنگ میں آپؐ کے لئے ایک چھپر بنا دیں گے، آپ وہاں تشریف رکھنا آپ کی سواریاں تیار حالت میں آپؐ کے پاس موجود رہیں گی۔ پھر ہم اپنے دشمن سے مقابلہ کریں گے۔ اللہ نے اگر ہمیں غلبہ اور فتح بخشی تو بہت اچھا یہی ہم چاہتے بھی ہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی اور صورت ہوئی تو آپؐ سوار ہو کر مدینہ میں اپنے دوسرے جاں نثاروں سے جا ملیں۔ اس تقریر پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ بن معاذ کے حق میں اچھے کلمات ارشاد فرمائے اور یہ بھی فرمایا: اے سعد! دوسری صورت جو تم نے بیان کی ہے انشاء اللہ خدا کا فیصلہ اس سے

66075

Marfat.com

بہتر ہو گا۔ پھر حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا: خدا کی برکت سے چلو، اللہ نے مجھ سے قافلہ اور لشکر میں سے ایک پر غلبے کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ! میں گویا ان لوگوں کے گرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ حضورؐ کے اس ارشاد سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ قافلہ تو بچ نکلا اور اب مقابلہ لشکر سے ہو گا اور ہمیں فتح ہو گی۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جھنڈے تیار فرمائے۔ سب سے بڑا اور مرکزی جھنڈا مصعبؓ بن عمیر کو دیا۔ اور دو چھوٹے سیاہ جھنڈے تھے جن میں سے ایک تو علیؑ کے ہاتھ میں اور دوسرا سعدؓ بن معاذ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ جھنڈے یہاں تیار فرمائے تھے مدینہ سے جھنڈا بلند کر کے نہیں چلے تھے (کیونکہ جنگ کا خیال نہ تھا!) اور یہاں جو ہتھیار لوگوں کے پاس موجود تھے انہیں سجایا گیا۔

۱۷ رمضان ۲ھ کو جمعہ کی رات میں حضورؐ بدر سے ورلی طرف اُترے اور علیؑ، زبیرؓ، سعدؓ بن ابی وقاص اور بسیسؓ بن عمرو کو ایک چھوٹی پہاڑی کے قریب ایک کنوئیں پر پانی کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ قریش کی خبر لائیں۔ ان حضرات نے کنوئیں پر قریش کے پانی ڈھونے والے اونٹ مشکوں سمیت پائے اور انہیں محافظوں سمیت گرفتار کر لائے۔ گرفتار ہونے والوں میں ابو یسار۔ اسلم اور ابو رافع تھے۔ یہ تینوں قریش کے غلام تھے۔ حضورؐ اس وقت نماز میں مصروف تھے ان غلاموں نے بتایا کہ ہم قریش کے غلام ہیں اور پانی لینے آئے تھے۔ لوگوں نے انہیں پیٹا تو کہنے لگے کہ ہم ابو سفیان کے قافلے کے لوگ ہیں۔ اتنے میں حضورؐ نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے کہ جب یہ سچ کہتے ہیں تو تم انہیں مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو! پھر حضورؐ نے خود ان سے قریش کے احوال دریافت فرمائے تو انہوں نے بتایا کہ قریش روزانہ نو دس اونٹ ذبح کر رہے ہیں اور ان کا لشکر اس ٹیلے کے پیچھے ہے اور مکہ سے فلاں فلاں آیا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ قریش کا لشکر ہزار اور نو سو کے درمیان ہے اور مکہ نے اپنے جگر گوشے آج تمہاری طرف پھینک دئیے ہیں۔

Marfat.com

پھر حضورؐ نے لوگوں سے پڑاؤ اور لشکرگاہ کے متعلق مشورہ فرمایا اور حبابؓ بن المنذر کی رائے پر بدر کے کنوئیں کے بالکل پاس جا اترے۔ رات بھر حضورؐ ایک درخت کی جڑوں میں نماز پڑھتے رہے۔ رات کو بارش ہو گئی جس سے ریت جم گئی لیکن پھسلن نہیں ہوئی۔ اُدھر قریش کے لشکر میں پانی بھر گیا اور کیچڑ ہو گیا کیونکہ انہوں نے پہلے آ کر بزعم خویش اچھی جگہ پر قبضہ جما لیا تھا۔

اس کنوئیں پر حضورؐ کے لئے کھجور کی شاخوں کا ایک چھپر بنا یا گیا۔ سعدؓ بن معاذ تلوار لگائے حضورؐ کے چھپر پر پہرہ دیتے رہے۔ حضورؐ اپنے اصحابؓ سمیت وہاں تشریف لے گئے جہاں اگلی صبح کو جنگ ہونے والی تھی اور اپنے اصحاب کو کافر سرداروں کی قتل گاہیں دکھائیں اور ایک ایک کر کے نام لے لے کر بتایا کہ یہاں فلاں گرے گا، یہاں فلاں اور یہاں فلاں۔ واقعی دوسرے دن انہی جگہوں پر ان سرداروں کی لاشیں جنگ کے بعد ملیں ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ تھیں۔ پھر حضورؐ اس چھپر میں ابوبکرؓ سمیت داخل ہو گئے۔

جب قریش اٹھلاتے ہوئے میدان میں مسلمانوں کے سامنے آئے تو حضورؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ! یہ قریش والے ہیں جو فخر و غرور میں مست ہو کر تیری مخالفت کے لئے آئے ہیں اور تیرے رسولؐ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اے اللہ! جس مدد کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ نازل فرما اور آج انہیں رسوا کر دے۔

حضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ قریش کو کنوئیں کا پانی لینے سے نہ روکا جائے۔ چنانچہ وہ آتے اور حضورؐ کے حوض سے پانی پی جاتے۔ ان پانی پینے والوں میں سے حکیمؓ بن حزام کے سوا کوئی نہ بچا سب قتل ہو گئے۔ حکیمؓ بن حزام بعد میں مسلمان — بہت اچھے مسلمان — ہو گئے تھے اور جب کوئی تاکیدی قسم کھانا ہوتی تو کہا کرتے: "اس خدا کی قسم جس نے مجھے جنگ بدر کے دن قتل سے بچایا!"

قریش نے عمیر بن وہب الجمحی کو اسلامی لشکر کا جائزہ لینے بھیجا۔ وہ گھوڑا دوڑا کر لشکر کے گرد گھوما اور جا کر بتایا کہ مسلمان تین سو سے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہیں۔

Marfat.com

پھر وہ وادی میں اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر یہ معلوم کر کے آیا کہ مسلمانوں کے لشکر کا کوئی حصہ کہیں کمین گاہ میں تو چھپا نہیں بیٹھا ہے؟ واپس آکر اس نے قریش سے کہا کہ مسلمان بس اتنے ہی ہیں لیکن وہ مرنے مارنے پر تُلے بیٹھے ہیں۔ اور ان میں کوئی آدمی تم میں سے کم از کم ایک شخص کو مارے بغیر نہ مرے گا۔ اگر اتنے قریش مارے گئے تو اس کے بعد زندگی کا کیا لطف؟ واللہ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ یثرب (مدینہ) کی اونٹنیاں موت کو اٹھا کر لا رہی ہیں! اے قریش اپنا انجام خوب سوچ لو!

پھر حکیم بن حزام نے عُتبہ بن ربیعہ سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر تم یہ جنگ روک دو اور تمہارا ذکر ہمیشہ بخیر ہوا کرے گا۔ چنانچہ عُتبہ نے لوگوں سے کہا کہ عمرو بن الحضرمی (جسے عبداللہ بن جحش کے سریہ نے غلط فہمی میں مار ڈالا تھا اور حضورؐ نے اس کی دیت ادا کرنے کی پیش کش کی تھی مگر قریش بپھر گئے تھے!) میرا حلیف تھا۔ اس کی دیت میرے ذمہ ہے، بہتر ہے کہ خون خرابہ نہ ہو۔ تم لوگ محمدؐ اور ان کے اصحابؓ سے لڑ کر کیا لوگے؟ ہر شخص اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرے گا۔ تم محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دو۔ ان کا جو بھی انجام ہو مگر تمہارے ہاتھ تو اپنے رشتہ داروں کے خون سے آلودہ نہ ہوں گے!

حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس گیا وہ اُس وقت اپنی زرہ بکتر پہننے کی تیاری کر رہا تھا حکیم نے کہا اے ابوالحکم! مجھے عُتبہ بن ربیعہ نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے یہ جنگ ٹل جائے تو اچھا ہے اور ابن الحضرمی کی دیت میرے (یعنی عُتبہ کے) ذمہ ہے۔ ابوجہل نے کہا واللہ! عُتبہ کا محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر مارے خوف کے مثانہ پھول گیا ہے۔ خدا کی قسم ہم تو فیصلہ کن جنگ کئے بغیر نہ جائیں گے۔ عتبہ شاید اس لئے بھی ڈرتا ہے کہ مسلمان لشکر میں اس کا بیٹا ابو حذیفہؓ موجود ہے (جو مسلمان تھے!) پھر ابوجہل نے عمرو بن الحضرمی کے بھائی عامر کو پیغام بھیجا کہ تمہارا حلیف عُتبہ لوگوں کو لڑائے بغیر واپس کرنا چاہتا ہے

Marfat.com

تم میدان میں کھڑے ہو کر اپنے بھائی کا ماتم کرو اور اُس کا بدلہ طلب کرو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور حکیم اور عُتبہ کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا۔ اس سے قبل حضورؐ عُتبہ کی طرف دیکھ کر فرما چکے تھے کہ اگر قریش اس سُرخ اونٹ والے کی بات مان لیں تو اس کی رائے بہت صائب ہے!

پھر اسود بن عبدالاسد مخزومی قریش کے لشکر سے نکلا اور کہنے لگا: میں قسم کھاتا ہوں کہ ان کے حوض سے زبردستی پانی پیوں گا یا اسے ڈھا دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ جب وہ حوض کی طرف آیا تو حمزہؓ بن عبدالمطلب آگے بڑھے۔ دونوں کا مقابلہ ہوا تو حمزہؓ نے اس کا ایک پاؤں نصف پنڈلی سمیت اُڑا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔ پھر اٹھا اور چکر اکر اپنی قسم پوری کرنے کو حوض میں گر گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اسے حوض میں ہی قتل کر ڈالا۔

پھر عُتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ لشکر قریش سے نکل کر مبارز طلب ہوئے۔ ان کی طرف تین انصاری جوان نکلے عوفؓ بن حارث، معوذؓ بن حارث (ان دونوں کی ماں کا نام عفراؓ تھا) اور عبداللہؓ بن رواحہ۔ قریش نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم انصار مدینہ میں سے ہیں۔ قریش بولے کہ ہمیں تم سے کوئی کام نہیں۔ تم ہمارے برابر ہو، شریف ہو، مگر ہم اپنی قوم کے لوگوں کو طلب کرتے ہیں! پھر انہوں نے حضورؐ کا نام لے کر بآوازِ بلند کہا کہ ہماری طرف ہماری قوم کے لوگ بھیجو جو ہمارے ہم رتبہ ہوں! پس حضورؐ نے عبیدہؓ بن الحارث، حمزہؓ بن عبدالمطلب اور علیؓ بن ابی طالب کو نکلنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ بدّ مقابل کے سامنے گئے اپنا تعارف کرایا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ عبیدہ بن الحارث کا مقابلہ عُتبہ سے، حمزہؓ کا مقابلہ شیبہ سے اور علیؓ کا مقابلہ الولید بن عُتبہ سے ہوا۔ حمزہؓ اور علیؓ نے فوراً شیبہ اور ولید کو مار ڈالا۔ لیکن عبیدہؓ بن الحارث اور عُتبہ ہر دو نے بدّ مقابل کو تلوار کی مہلک ضرب لگائی اور دونوں گر گئے۔ حمزہؓ اور علیؓ نے ایک ایک تلوار کا ہاتھ عتبہ پر مار کر اس کے ٹکڑے اڑا دئے اور عبیدہؓ کو اٹھا کر واپس لشکر میں پہنچ

Marfat.com

گئے۔

اب عام جنگ شروع ہو گئی اور دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے۔ اس سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو حکم دے چکے تھے کہ جب تک انہیں حکم نہ دیا جائے عام حملہ نہ کریں اور تلواروں سے قبل تیر اندازی پر اکتفا کریں۔ پھر حضورؐ جنگ کی صفوں میں سے گزر کر چھپر میں تشریف لے گئے۔ اور ان کے ساتھ ابو بکرؓ بھی تھے، تیسرا کوئی شخص وہاں موجود نہ تھا۔ حضورؐ دعا مانگ رہے تھے کہ: "اے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت کبھی نہ ہو گی!" اور ابو بکرؓ آپؐ سے کہہ رہے تھے: "اے اللہ کے نبی! اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا، اطمینان رکھئے!"

عبداللہؓ بن رواحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اس سے بلند تر اور عالم تر ہیں کہ کوئی آپؐ کو مشورہ دے۔ مگر آپ کی بے چینی کے پیش نظر میں آپؐ کو مشورہ دیتا ہوں کہ اللہ کو اپنا وعدہ یاد ہے اور وہ اس سے برتر و بلند تر ہے کہ اُسے اُس کا وعدہ یاد دلایا جائے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اے ابن رواحہؓ! میں اللہ کو کیوں اس کا وعدہ یاد نہ دلاؤں؟ وہ کبھی اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔

پھر چھپر میں حضورؐ پر ایک خفیف سی اونگھ طاری ہو گئی اور جاگ کر فرمایا اے ابو بکرؓ! بشارت ہو خدا کی مدد آ پہنچی ہے۔ یہ دیکھو جبریلؑ ایک گھوڑے کی لگام پکڑے اُسے کھینچ رہا ہے۔ گھوڑے کے اگلے دانتوں پر غبار پڑا ہوا ہے۔

مسلمانوں میں سے پہلا شہید حضرت عمر فاروقؓ کا غلام مہجعؓ تھا جو ایک تیر سے شہید ہو گیا۔ پھر حوض پر سے پانی پیتے ہوئے بنی نجار کے حارثہؓ بن سراقہ کو ایک تیر لگا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔

اب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چھپر سے باہر نکلے اور صحابہؓ کو

Marfat.com

جوش دلایا۔ فرمایا کہ: "قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے آج جو شخص صبر و ثبات اور نیک نیتی سے لڑ کر شہید ہوگا وہ سیدھا جنّت میں جائے گا۔ یہ سُن کر عمیرؓ بن الحمام سلمی نے، جو کھجوریں کھا رہے تھے، کہا واہ واہ! کیا میرے اور جنّت کے درمیان صرف اتنا ہی فاصلہ ہے کہ یہ کافر مجھے قتل کر دیں؟ پھر انہوں نے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار لے کر کفار کے لشکر میں گھس گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ شہید ہو گئے۔

عوفؓ بن حارث (ابن عفراء) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ: بندے کی کون سی ادا سے اللہ زیادہ خوش ہوتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ زرہ بکتر کے بغیر دشمن میں گھس جانا! عوفؓ نے اپنی زرہ نکال کر پھینک دی اور تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ اس وقت تک شمشیر زنی کرتے رہے جب تک کہ شہید نہ ہو گئے۔

عین لڑائی کے دوران ابو جہل نے بآوازِ بلند کہا کہ اے اللہ! ہم میں سے جو رشتہ داری کو قطع کرنے والا اور غیر معروف چیز پیش کرنے والا ہے اُسے آج تباہ کر دے! پس یہ دُعا اس پر الٹ پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد جہنّم واصل ہو گیا۔

پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (یہ چہرے جھلس جائیں) فرماتے ہوئے انہیں کفارِ قریش کے لشکر پر پھینک دیا اور اپنے اصحابؓ کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ پس مسلمانوں نے اتنا تیز اور شدید حملہ کیا کہ کفار کو شکست ہو گئی اور میدان میں قریش کے مقتولوں اور قیدیوں کے سوا کوئی بھی نہ ٹھہرا۔

جب مسلمانوں نے کفار کو قیدی بنا کر باندھنا شروع کیا اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم چھپّر کے اندر تشریف فرما تھے اور سعدؓ بن معاذ چند انصار کے ساتھ دروازے پر پہرہ دے رہے تھے کیونکہ خطرہ تھا کہ کفار پلٹ کر حملہ نہ کر دیں اس حالت میں حضورؐ نے سعدؓ کے چہرے پر ناپسندیدگی کی علامات دیکھیں تو فرمایا،

Marfat.com

اے سعدؓ! گویا تم لوگوں کے اس قیدی بنانے کو ناپسند کرتے ہو؟ سعدؓ نے کہا ہاں یارسول اللہ! اللہ نے یہ پہلی شکست مشرکوں کو دی ہے۔ مجھے قیدی بنانے کی نسبت قتل زیادہ پسند ہے۔

اس دن حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ مجھے معلوم ہے بنی ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ مجبوراً یہاں لائے گئے ہیں وہ ہم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ سو جو کسی ہاشمی کو ملے اُسے قتل نہ کرے۔ جو ابوالبختری بن ہشام بن حارث کے سامنے ہو اُسے قتل نہ کرے اور جو عباس بن عبدالمطلب (حضورؐ کے چچا) کو پائے، انہیں قتل نہ کرے۔ اس پر ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ ازراہِ جوشِ جوانی کہہ اٹھے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد اولادوں، بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کریں تو عباس کو کیوں چھوڑ دیں؟ واللہ اگر وہ میرے سامنے آگیا تو اس میں تلوار اتار دوں گا! یہ بات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: اے ابوحفص! کیا رسول اللہ کے چچا کے منہ پر بھی تلوار ماری جائے گی؟ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ پہلی بار تھی کہ حضورؐ نے مجھے ابوحفص کہہ کر پکارا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں! اس کے بعد بھی ابوحذیفہؓ کہا کرتے تھے کہ وہ بات جو میں نے اس دن کہی تھی اس کی وجہ سے مجھے ہمیشہ اضطراب اور خوف رہا ہے۔ اور میں جب تک راہِ حق میں شہید نہ ہو جاؤں برابر مضطرب و خائف رہوں گا! حضرت ابوحذیفہؓ معرکۂ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے!

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ابوالبختری کے قتل سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ وہ مکہ میں حضورؐ کا دفاع کیا کرتا تھا۔ نہ آپ کو اذیت دیتا تھا اور نہ زبان وغیرہ سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا تھا جسے حضور ناپسند فرماتے۔ اور شعب ابی طالب کی قید کے زمانے میں جن لوگوں نے قریش کا وہ معاہدہ جس میں یہ ظالمانہ سلوک لکھا تھا، پھاڑا تھا ان میں ایک ابوالبختری بھی تھا۔ اسے قتل سے بچانا چاہتے تھے لیکن چونکہ اس نے قید ہونے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا مسلمانوں نے اسے

Marfat.com

بھی قتل کر دیا۔

امیہ بن خلف اپنے بیٹے علی بن امیہ سمیت میدانِ جنگ میں عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اس نے عبدالرحمٰن رضؓ سے پوچھا کہ تم میں وہ شخص کون ہے جس نے اپنے سینے پر شترمرغ کا پَر بطور علامت لگا رکھا تھا؟ عبدالرحمٰن رضؓ نے فرمایا کہ وہ حمزہ رضؓ بن عبدالمطلب ہیں۔ امیہ نے کہا: اللہ! ہمارا آج اس نے بُرا حال کیا ہے۔ عبدالرحمٰن ان دونوں قیدیوں کو لئے جا رہے تھے کہ بلال رضؓ نے دیکھ لیا۔ اور امیہ مکہ میں بلال رضؓ کو ترکِ اسلام پر اُبھارتا اور عذاب دیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ابوبکر رضؓ صدیق نے بلال رضؓ کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ آج جب بلال رضؓ نے ان باپ بیٹوں کو دیکھا تو وہ پچھلا وقت یاد آ گیا اور وہ پکار کر کہنے لگے کہ یہ کفر کا سردار ہے جانے نہ پائے۔ عبدالرحمٰن رضؓ نے بار بار کہا کہ یہ دونوں میری قید میں ہیں مگر وہ باآوازِ بلند پکار پکار کر کہتے چلے گئے کہ اے دینِ خدا کے مددگارو! دیکھو یہ کفر کا سردار امیہ بن خلف ہے۔ انصار فوراً آ گئے اور انہوں نے ان دونوں باپ بیٹوں کو جہنم رسید کر دیا۔

فتح کے بعد حضورؐ نے حکم دیا کہ ابوجہل کا پتہ چلایا جائے۔ جیسے حسب بیان ابن عباس رضؓ، و عبداللہ بن ابی بکر رضؓ، معاذ بن عمرو بن الجموح سلمی نے عین میدانِ معرکہ میں ایک ٹانگ کاٹ کر پرے پھینک دیا تھا۔ اسے دیکھ کر عکرمہ (جو ابھی کافر تھے) ابن ابی جہل نے مُعاذ کا ایک بازو تلوار سے اڑا دیا۔ مگر وہ کھال سے لٹکتا رہا اور وہ اسی حال میں لڑتے رہے۔ جب دیکھا کہ رکاوٹ ڈالتا ہے تو اس پر پاؤں رکھ کر زور سے جسم سے الگ کر دیا۔

پھر ابوجہل کو معوذ بن عفراء نے زخمی حالت میں پایا اور اُسے قتل کر ڈالا لیکن وہ ابھی مرا نہیں تھا کچھ جان باقی تھی کہ حضورؐ کے حکم سے لوگ ابوجہل کی تلاش میں گئے تو عبداللہ بن مسعود نے اسے زخمیوں میں کراہتے ہوئے پایا۔ حضورؐ نے لوگوں کو بتایا تھا کہ اس کے ایک گھٹنے پر زخم کا نشان ہے جو لڑکپن میں حضورؐ ہی کے ہاتھوں ایک زخم کی وجہ سے پڑا تھا۔ عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے ڈھونڈ

Marfat.com

ابھی وہ مرا نہیں تھا لیکن مرنے والا تھا۔ میں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا اور کہا اے دشمنِ خدا! اللہ نے تجھے ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ کہنے لگا کیوں؟ میں ذلیل و خوار کیوں ہوا؟ کیا میرے جیسا با عزت اور بڑا آدمی تم نے اور بھی کوئی مارا ہے؟ پھر اس نے پوچھا کہ آج کی جنگ کا نتیجہ کیا ہوا ہے۔ میں نے بتایا کہ اللہ و رسولؐ کی فتح ہوئی ہے۔ پھر ابوجہل نے کہا اے بھیڑ بکریاں چرانے والے! تو ایک بہت اونچے مقام پر چڑھا ہے (یعنی اپنا پاؤں میری گردن پر رکھا ہے)۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اس کا سر کاٹ لیا اور اُسے حضورؐ کے سامنے جا کر پیش کر دیا۔ آپؐ نے اسے دیکھ کر فرمایا: اَللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ غَیْرُہٗ۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ایک مرتبہ سعیدؓ بن عاص سے فرمایا: میرا خیال ہے تیرے دل میں میری طرف سے کچھ میل ہے کہ میں نے تیرے باپ کو جنگِ بدر میں قتل کیا تھا۔ سُن! اگر میں نے اسے قتل کیا ہوتا تو کسی معذرت کی ضرورت نہ سمجھتا۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں نے تیرے باپ کو نہیں اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو ضرور قتل کیا تھا۔ رہا تیرا باپ تو میں نے اسے میدانِ جنگ میں یوں مٹی کریدتے دیکھا جس طرح بیل اپنے سینگ سے مٹی کریدتا ہے۔ میں تو اس سے ایک طرف ہو گیا لیکن اس کے چچا زاد علیؓ بن ابی طالب نے اُسے مار ڈالا تھا۔

جنگ کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کفّار کی لاشوں کو بدر کے ویران کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن امیّہ بن خلف کا جسم پھول گیا تھا۔ اُسے جب ہلانے لگے تو اس کا گوشت الگ ہو گیا۔ پس وہ جہاں پڑا تھا وہیں اس پر مٹی اور پتّھر ڈال کر چھپا دیا گیا۔ جب کفّار کی لاشیں اس ویران کنوئیں میں ڈال دی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مُنڈیر پر تشریف لائے اور فرمایا: "اے کنوئیں والو! کیا تم نے خدا کے وعدوں کو سچ پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدوں کو سچّا پایا ہے"! آپؐ کے اصحابؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ ان مُردوں سے خطاب فرماتے ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ: انہوں نے دیکھ لیا کہ اللہ کے

Marfat.com

وعدے برحق ہیں۔

جب ابو حذیفہؓ کے باپ عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو کنوئیں میں ڈالا جا رہا تھا تو اسے گھسیٹتا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حذیفہؓ کی طرف نگاہ اٹھائی اور دیکھا کہ وہ غمگین تھے اور چہرہ متغیر تھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اے ابو حذیفہؓ! شاید تمہارے دل میں باپ کی وجہ سے کوئی غم پیدا ہو رہا ہے۔ ابو حذیفہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! مجھے نہ باپ کا خیال ہے نہ اس کے قتل کا غم۔ بات صرف یہ ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ میرے باپ میں رائے، حلم اور فضیلت موجود تھی اور مجھے امید تھی کہ یہ چیزیں اسے ضرور اسلام کی طرف رہنمائی کریں گی۔ اب جب کہ وہ کفر پر قتل ہو گیا اور میری امیدوں پر پانی پھر گیا تو اس سے مجھے غم لاحق ہوا ہے اس پر حضورؐ نے اس کے لئے اچھی دعا مانگی اور کلمات خیر اس کے حق میں فرمائے۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا مال غنیمت ایک جگہ جمع کرایا۔ لوگوں کی اس میں مختلف آراء تھیں۔ جمع کرنے والے کہتے تھے کہ یہ ہمارا حق ہے میدان میں قتال کرنے والے اور دشمن کا پیچھا کرنے والے کہتے تھے کہ یہ ہمارا حق ہے کیونکہ اگر ہم نہ ہوتے اور ہم قتال نہ کرتے تو تمہیں یہ کہاں سے ملتا؟ اور جو لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و نگہبانی کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے کیونکہ ہم محض حضورؐ کے خیال سے میدان میں مال غنیمت جمع کرنے کو نہیں اترے ورنہ ہم تم سے پہلے اس پر قبضہ کر سکتے تھے۔

عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ سورۃ الانفال ہم بدر والوں کے حق میں اتری تھی جب کہ ہم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے ہاتھوں سے نکال کر حضورؐ کے سپرد کر دیا اور آپؐ نے اسے لوگوں پر برابر برابر تقسیم فرما دیا۔

جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ میں تقسیم کر کے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ ابو عزیز بن عمیر، حضرت

Marfat.com

مصعبؓ بن عمیر کا سگا بھائی بھی قیدیوں میں آیا تھا۔ ابوعزیزؓ کا بیان ہے کہ جب ایک انصاری مجھے باندھ رہا تھا تو میرے بھائی مصعبؓ بن عمیر وہاں سے گزرے اور اس انصاری سے کہا کہ اسے کس کر باندھو۔ اس کی ماں کافی مالدار ہے شاید وہ کافی تاوان دے کر تم سے اسے چھڑا لے گی۔ ابوعزیزؓ کا بیان ہے کہ میں انصار کے ایک محلہ میں قید تھا جب وہ صبح یا شام کا کھانا کھانے بیٹھتے تو روٹی مجھے دیتے اور خود صرف کھجور کھا کر گزارا کرتے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان میں سے جس کسی کو روٹی ملتی وہ مجھے دے دیتا۔ میں شرما کر واپس کرتا یا کسی اور کو دینا چاہتا تو کوئی نہ لیتا تھا۔

اس ابوعزیزؓ کے ہاتھ میں بدر کے دن مشرکوں کا جھنڈا النضر بن الحارث کے بعد آیا تھا۔ جب مصعبؓ نے ابوالیسر انصاری سے کہا کہ اسے ذرا کس کر باندھو تو ابوعزیزؓ نے کہا کہ اے بھائی! کیا میرے بارے میں آپ کی یہی وصیت ہے؟ مصعبؓ نے فرمایا تو نہیں میرا بھائی تو ابوالیسرؓ ہے! پھر جب قیدیوں کو تاوان لے کر چھوڑا گیا تو ابوعزیزؓ کی والدہ نے دریافت کیا کہ کسی قریشی کا زیادہ سے زیادہ فدیہ کیا دیا گیا ہے؟ بتایا گیا کہ چار ہزار درہم۔ سو اس نے ابوعزیزؓ کا فدیہ چار ہزار درہم بھیج کر اسے چھڑا لیا۔

مضامین اللہ تعالیٰ نے سورۂ الانفال کو مسلم جماعت کی تربیت کے لئے اور اسے انسانی قیادت کے لئے تیار کرنے کو نازل فرمایا۔

غزوۂ بدر پہلی باقاعدہ جنگ تھی جس میں مسلمانوں نے کفار کو عظیم اور شدید شکست دی۔ وہ مدینہ سے اس غرض کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ ان کے پیش نظر ظالم و سنگ دل قریش کا قافلۂ تجارت تھا۔ ظاہر ہے کہ قافلۂ تجارت پر حملہ کرنے کے لئے کسی خاص تیاری کی ضرورت بھی نہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کچھ اور ہی چاہا تھا چنانچہ اس نے قافلہ سے بچ کر نکل جانے کے بعد ان بے سروسامان کم تعداد مسلمانوں کو مسلح تین گنا قریش سے بھڑا دیا۔ یہ قریش وہی تھے جنہوں نے مہاجرین کو ان کے اموال

واوطان سے نکال دیا تھا، مکہ میں دعوتِ حق کے سامنے رکاوٹ ڈال دی تھی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ کیا تھا اور مسلمانوں کو ناگفتنی سزائیں دی تھیں!

اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر کو صرف اسلامی تاریخ میں نہیں بلکہ پوری انسانی تاریخ میں حق و باطل کے درمیان "فرقان" قرار دیا ہے اور چاہا ہے کہ انسانوں کی تدابیر اور خدائی تدبیر کا فرق واضح کرے۔ انسان اپنے لئے ایک چیز کو اچھا جان کر اسے حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی تربیت کے لئے اس کی پسندیدہ چیز کی بجائے دوسری چیز اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے جسے وہ ابتداء میں اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔ لیکن عواقب کے لحاظ سے وہ چیز اس کے لئے بہتر ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مومن جماعت کو فتح و شکست کے اسباب و عوامل براہِ راست خود بتانا چاہتا ہے۔ اور بالکل اس وقت بتاتا ہے جب کہ وہ میدانِ معرکہ میں ہو اور موت آنکھوں کے سامنے ہو۔

اسی طرح اس سورت میں صلح و جنگ کا دستور، مالِ غنیمت اور قیدیوں کے احکام اور معاہدات و مواثیق کے احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ اسی طرح میدان کا نقشہ، معرکہ سے قبل لوگوں کے دلی حالات، دورانِ معرکہ میں لوگوں کے قلبی احوال و رجحانات اور معرکہ کے بعد ان کی دلی کیفیت بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ نظارے بالکل زندہ نظارے ہیں گویا کہ پڑھنے والا انہیں اپنے سامنے گزرتا ہوا محسوس کرنے لگتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بعض اہم واقعات، مکہ میں مہاجرین کی زندگی کی تصویر جب کہ تھوڑے اور کمزور تھے، اور ہر وقت دشمنوں کے خوف میں گھرے ہوئے تھے، بھی بیان کئے گئے ہیں تاکہ فتح کے وقت خدا کے فضل و کرم کو یاد رکھیں اور انہیں پتہ چل جائے کہ مدد صرف خدا کی طرف سے ہے۔ اور اس دین کی وجہ سے ہے جس کو انہوں نے زندگی اور مال پر

Marfat.com

ترجیح دی ہے - اسی طرح ہجرت سے قبل مشرکین مکہ کی زندگی کی کچھ تصویریں بھی کھینچی گئی ہیں - اور پہلی قوموں کے کچھ مکذبین کے ساتھ انہیں تشبیہ دی گئی ہے -

واللّٰہ اعلم بالصواب

Marfat.com

آیاتہا ۷۵ — سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ (مدنی ہے) — رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم مانو اللہ کا

وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اور اس کے رسول کا اگر ایمان رکھتے ہو ایمان والے وہی ہیں

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ

کہ جب نام آوے اللہ کا تو ڈر جاویں ان کے دل اور جب پڑھا جائے

Marfat.com

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٢

ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣

وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہم نے جو ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وہی ہیں سچے مومن ان کے لئے درجے ہیں اپنے رب کے پاس

وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤

اور معافی اور روزی عزت کی

ل الانفال، نفل کی جمع ہے۔ اس لفظ کا مادہ نفل ہے جس کا معنی ہے واجب پر زیادتی۔ اور یہیں سے نماز نفل بھی ہے۔ اور یہاں انفال سے مراد مال غنیمت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ غنیمت ہر وہ مال ہے جو تکلیف سے یا بلا تکلیف فتح سے قبل یا فتح کے بعد حاصل ہو۔ اور نفل وہ مال ہے جو مال غنیمت کے تقسیم ہونے سے پہلے اس میں سے کسی شخص کو کسی مصلحت سے ملے۔ بین کا لفظ اتصال و افتراق دونوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح دو طرفوں کے درمیان جو کچھ ہو اس پر بھی بین کا اطلاق ہوتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ۔ ذات البین وہ تعلق اور صلہ ہے جو دو چیزوں میں رابطہ پیدا کرے۔ وجل کا معنی ہے گھبراہٹ اور ڈر۔ درجات کا معنی ہے رفعت کی منازل اور بزرگی کی سیڑھیاں۔

لہ تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۶۱-۱۶۲

Marfat.com

یہ آیات غزوۂ بدر کی غنائم کے متعلق اتری تھیں کیونکہ ان کے متعلق نوجوانوں اور دوسرے مجاہدین میں تنازع ہوگیا تھا - ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی دشمن کو قتل کرے گا اسے یہ اور یہ انعام ملے گا۔ جو کسی قیدی کو پکڑے گا اسے فلاں فلاں چیز ملے گی۔ پس بڑے بوڑھے تو جھنڈوں تلے ثابت و قائم رہے اور نوجوان جلدی جلدی قتل کرنے اور غنیمت سمیٹنے لگے - پھر بوڑھوں نے کہا کہ ہم تمہارے پیچھے کھڑے ہو کر تمہارا بچاؤ کر رہے تھے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو تم ہماری ہی طرف آتے - پس اس بارے میں تکرار ہوگئی تو معاملہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں - امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور نسائیؒ نے سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت کی ہے - انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن العاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی، پھر حضورؐ سے وہ تلوار مانگی تو آپؐ نے نہ دی - اور جب یہ آیات اتریں اور اللہ تعالیٰ نے غنیمت کا معاملہ آپؐ کے سپرد کر دیا تو آپؐ نے وہ تلوار مجھے دے دی۔

یہ[1] سورت مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی - مکہ کی سیزدہ[۱۳] سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے - اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجزنما استقامت و للہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے - قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اٹھا کر نہ رکھی - تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی - صبر و تحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز و اقارب، اہل و عیال، مال و دولت سب چیزوں کو خیرباد کہہ کر خالص خدا و رسول کی خوشنودی کا

---

[1] فوائد القرآن ص ۲۲۸ - ۲۲۹

راستہ طے کرنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔ جب مشرکین کا ظلم وستم اور تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت وبیکسی حد سے گزر گئی، اُدھر اہل ایمان کے قلوب وطن وقوم زن وفرزند اور مال ودولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا ورسول کی محبت اور دولت توحید واخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے کہ گویا غیر اللہ کی اُن میں گنجائش ہی نہ رہی۔ تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ (الحج ع ۶)

مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداءً وہاں چڑھ کر جائیں اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحۂ عمل یہ رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی سلسلوں کو جو شام ویمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال ابواء، بواط، عشیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا جن کی تفصیل کتب حدیث وسیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ سنہ ۲ھ میں آپؐ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے؟ طبریؒ کے بیان کے مطابق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا کہ جس کے لئے بڑا اہتمام واجتماع کیا جائے۔ دوسرے "انصار" کے متعلق عام طور پر یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت وحمایت

کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپؐ پر حملہ آور ہو۔ ابتداءً اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو اُن کے معاہدے میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابو بکرؓ و عمرؓ اور رئیسِ انصار سعدؓ بن عبادہ نے حوصلہ افزا تقریریں کیں۔ آخر حضورؐ تین سَو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیّت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہونے کی توقع نہ تھی، اس لئے جمعیّت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسی لئے بخاری کی روایت ہے کہ کعبؓ بن مالک نے فرمایا کہ جو لوگ غزوۂ بدر میں شامل نہ ہوئے تھے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا کیونکہ حضورؐ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرما دی۔

ابو سفیان کو آپؐ کے ارادے کا پتہ چل گیا اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آ جانے سے آپؐ نے صحابہؓ کو اطلاع دی کہ اس وقت دو جماعتیں سامنے ہیں ایک تو تجارتی قافلہ اور دوسرا فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا تم بتلاؤ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلّت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ آسان ہے۔ مگر حضورؐ اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور مقدادؓ بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دیئے اور اخیر میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی تقریر کے بعد ہی یہ فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہر شجاعت دکھائے جائیں۔ چنانچہ بدر کے مقام پر دونوں فوجیں بھڑ گئیں۔

Marfat.com

حق تعالیٰ نے فتحِ عظیم عطا فرمائی۔ کافروں کے ستّر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستّر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔

اس سورت میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلّقات کا بیان ہوا ہے۔

جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ اس سفر میں حضورؐ شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو مدینہ پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپؐ نے اوّل سے آخر تک کسی وقت نہیں فرمائی، وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرۂ حدیث و سیرت اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ کفّار محاربین جن کی دستبرد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آیندہ بچنے کی توقع تھی ان کو جانی و بدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلافِ تہذیب و انسانیت ہو۔ یعنی ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی بدولت محفوظ نہیں رہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں! گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں پر سامانِ زندگی سے محروم نہ ہوں اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں، ان پر مسلمانوں کو از خود حملہ کرنا جائز نہیں۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ کے خلاف ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودالوقت واقعہ سے بے تعلّق ہے کیونکہ کفّارِ مکہ پہلے سے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آیندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے، بلکہ اس بارہ میں اُن کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں، فی نفسہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں اُتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ "حملہ آوروں کی مدافعت کرو" یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس مسئلہ پر آیندہ گفتگو ہوگی۔

Marfat.com

آیت ا تا ۴: بدر میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس کے متعلق صحابہؓ میں نزاع تھی (کیونکہ ابھی اس بارہ میں کوئی حکم نہ اُترا تھا اور زمانہ کے رواج کے مطابق نزاع کا ہونا باعثِ تعجب نہ تھا! مؤلف) نوجوان جو آگے بڑھ کر لڑے تھے وہ کل مالِ غنیمت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ پرانے لوگ جو نوجوانوں کی پُشت پر تھے ان کا یہ کہنا تھا کہ ہمارے سہارا لگانے سے فتح ہوئی، لہٰذا غنیمت ہم کو ملنی چاہیئے۔ ایک جماعت جو نبیؐ اکرم کی حفاظت کرتی رہی تھی وہ اپنے آپ کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔ ان آیات میں بتلا دیا کہ فتح صرف اللہ کی مدد سے ہے۔ کسی کا سہارا اور زور پیش نہیں جاتا، سو مال کا مالک خدا ہے پیغمبرؐ اس کے نائب ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کی معرفت حکم دے، اسی کے موافق غنیمت تقسیم ہونی چاہیئے۔ (اس کی تفصیل آگے آئے گی) سچّے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں۔ آپس میں صلح و آشتی سے رہیں، ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں۔ اپنی آراء اور جذبات سے قطع نظر کر کے محض خدا و رسولؐ کا حکم مانیں۔ جب خدا کا نام درمیان میں آجائے تو ہیبت و خوف سے کانپ اُٹھیں۔ آیات و احکامِ الٰہی سن کر ان کا ایمان و یقین مضبوط ہوتا رہے۔ اس قدر مضبوط و قوی ہو جائے کہ ہر معاملہ میں ان کا اصلی بھروسہ اور اعتماد بجُز خدا کے کسی پر باقی نہ رہے۔ اسی کے سامنے سرِ عبودیت جُھکائیں، اسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں۔ غرض عقیدہ خُلق، عمل اور مال ہر چیز سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں رہیں ایسے ہی لوگوں کو سچّا اور پکّا ایماندار کہا جا سکتا ہے، جو خدا کے ہاں اپنے اپنے درجہ کے موافق بڑے بڑے مقامات و مراتب پر فائز ہوں گے، جنہیں معمولی کوتاہیوں سے درگزر کر کے عزّت کی روزی سے سرفراز کیا جائے گا۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ[1] نے الانفال کے معنی میں کئی اقوال نقل کئے ہیں:

---

[1] تفسیر ابن کثیر پ ۹ صہ ۶۸-۷۱

Marfat.com

ا۔ میدانِ جنگ سے جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے ۔ چونکہ اس میں اختلاف ہوا تھا لہذا اس کی تقسیم کا حکم تو آگے چل کر دسویں پارہ کی ابتداء میں بیان فرمایا مگر یہاں فرمادیا کہ تم اس میں اختلاف مت کرو، خدا ورسولؐ کی تقسیم پر قانع رہو جیسا مناسب ہوگا بحکم الٰہی حضورؐ اس مال کی تقسیم فرمائیں گے ۔ (انفال کی تفسیر میں مشہور ترین اور معتمد علیہ قول یہی ہے اور یہ عبادہؓ بن صامت، ابن عباسؓ اور دیگر کئی صحابہؓ و تابعین اور ائمہ تفسیر سے منقول ہے ! مؤلف)

ب ۔ انفال سے مراد وہ خمس (⅕ حصہ) ہے جو چار حصے مجاہدین پر تقسیم کر دینے کے بعد بچ جاتا ہے لوگوں کا سوال اس کے بارے میں تھا جس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ مال اللہ ورسولؐ کا ہے جسے مقررہ کردہ مصارف میں حضورؐ یا امام وقت تقسیم کریں گے ۔

ج ۔ انفال سے مراد مالِ غنیمت یا اُس کا خمس نہیں بلکہ وہ مال ہے جو جنگ سے پہلے مشرکوں سے کسی طرح حاصل ہوگیا ہو ۔ اس کی تقسیم اور خرچ رسولِ خدا (یا امامِ وقت) کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ اس مال کو مالِ فئی بھی کہا جاتا ہے ۔ یہ قول عبداللہؓ بن مسعود، مسروق تابعی اور عبداللہؒ بن مبارک سے منقول ہے ۔ (اس صورت میں آیات کا مطلب یہ ہوا کہ مالِ غنیمت کا حکم تو آگے مذکورہ ہوگا لیکن انفال اور فئی کا مال خدا ورسولؐ کی صوابدید پر ہے جس طرح چاہیں صرف کریں)

د ۔ انفال سے مراد وہ انعام ہے جو کسی خاص کارگزاری کے صلہ میں یا حوصلہ افزائی کے لئے مالِ غنیمت میں سے اس کی باقاعدہ تقسیم سے پہلے امام وقت کسی مجاہد کو دے دے ۔ سعدؓ بن ابی وقاص کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے امام شافعیؒ سے یہی منقول ہے اور اسی کے لگ بھگ ابو عبیدہؒ کا قول بھی ہے ۔

(راقم مؤلف عرض کرتا ہے کہ انفال کے یہ سارے معنے شرعی دلائل سے اپنی اپنی جگہ ثابت و صحیح ہیں ۔ سوال صرف یہ ہے کہ اس آیت میں انفال کون سے ہیں جن کے متعلق سوال ہوا تھا اور ان کا جواب دیا گیا ؟ پس عام مفسرین کے نزدیک

Marfat.com

اس آیت میں الانفال سے مراد مالِ غنیمت ہے اور اُسی کی تقسیم اُس وقت زیرِ بحث تھی۔ باقی فقہی مسائل کی تفصیل کا نہ یہ موقع ہے نہ اس کی یہاں ضرورت ہے! واللہ اعلم)

لہ انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل اور نافلہ اس کو کہتے ہیں جو اصل چیز پر زائد حاصل ہو۔ غنیمت کے مال کو اس لئے انفال کہتے ہیں کہ وہ برخلاف دوسری امتوں کے ایک نفع کی بات ثواب جہاد سے زائد (ثواب اصل ہے) خاص اس امت کو حلال ہے۔ پہلی امتوں کے لیے وہ حلال نہ تھی۔ جیسا کہ بائبل کے عہد عتیق کی مختلف کتابوں سے اب تک ثابت ہوتا ہے۔ نفل نماز کو بھی نفل اس لئے کہتے ہیں کہ وہ فرض نماز سے زائد ہے۔ اور جنگ میں امام یا سپہ لار جو کچھ کسی کو بطور انعام دیتا ہے اس کو بھی نفل کہتے ہیں۔ انفال سے اس جگہ مراد مالِ غنیمت ہے جو کفار سے مقابلہ کے بعد لیا جاتا ہے اور جسے لوٹ کا مال بھی کہا جاتا ہے۔ یہی مال یہاں زیرِ بحث تھا اور اسی کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اللہ و رسولؐ کا ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے حسب روائت حاکم اسے برابر برابر تقسیم فرما دیا تھا۔

لہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا معاملہ خدا اور رسولؐ کے سپرد ہے۔ پھر آگے چل کر اس کے مصارف اور تقسیم کی کیفیت یوں بیان فرمائی: وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ الخ اور مالِ غنیمت کی تقسیم سے قبل امام کو اختیار ہے کہ جسے چاہے اور جتنا چاہے بطور انعام دے دے جیسا کہ سعدؓ بن ابی وقاص کی روایت سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک کافر کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی اور حضورؐ سے اس کی اجازت لی۔ آپؐ نے اس سے روک دیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد یہ آیات نازل ہو گئیں اور حضورؐ نے مجھے بلا کر فرما دیا کہ پہلے میرا اختیار نہ تھا اب وہ مجھے مل گیا ہے۔ تم وہ

لہ تفسیر حقانی ج ۴ صد ۱۸۴-۱۸۵ ؎ تفسیر المنار ج ۹ صد ۵۸۶-۵۹۶، تفسیر المراغی

Marfat.com

تلوار لے سکتے ہو!

اس آیت میں اصلاحِ ذات البین کا حکم دیا گیا ہے جو شرعاً واجب ہے کیونکہ امت کی قوت و عزت اسی پر موقوف ہے۔ اور اسی سے وحدت حاصل ہو سکتی ہے۔

اس آیت میں خدا و رسولؐ کی اطاعت کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ہر امر و نہی، فیصلے اور حکم میں یہ اطاعت واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مالک امر ہے اور رسولؐ اس کا مبلغ اور اپنے قول و فعل اور حکم سے اس کی وحی کو بیان کرنے والا ہے۔ آخرت کی نجات و ثواب بھی اسی اطاعت پر موقوف ہے۔ دنیوی امور میں سے جو معاملات مصالحِ عامہ سے بالخصوص جنگی معاملات سے متعلق ہوں ان میں حضورؐ کی اطاعت واجب ہے چاہے آپ اپنے اجتہاد سے ہی فیصلہ فرمائیں۔ کیونکہ آپ سب سے بڑے قائد ہیں اور آپ کی مخالفت سے نظام میں خلل واقع ہو جائے گا۔ اور طوائف الملوکی پھیل جائے گی جس سے کسی امت کا نظم و ضبط قائم نہیں رہ سکتا۔ شرع کو نافذ کرنے، امت کے معاملات کو چلانے اور لشکروں کی قیادت میں مسلمانوں کے ائمہ کی وہی حیثیت ہے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی بشرطیکہ وہ خدا کی معصیت نہ کریں، نہ اس کا حکم دیں اور وہ اُولی الامر سے مشورے کے ساتھ سب معاملات کو طے کریں۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کامل الایمان وہی ہیں جو اوپر کے تین احکام کا امتثال کریں، یعنی تقویٰ، اصلاحِ ذات البین اور خدا و رسولؐ کی اطاعت پر عمل پیرا ہوں۔ اگلی آیات میں اہل ایمان کی پانچ صفات بیان فرمائی گئی ہیں جو ان بیان شدہ تین چیزوں کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ: یعنی جب وہ اپنے دلوں میں خدا کو یاد کرتے ہیں تو اس کی عظمت و سلطنت، وعدہ و وعید اور مخلوق کے محاسبے کا خیال کر کے کانپ اٹھتے ہیں۔ اسی معنی میں یہ آیت بھی ہے:-

Marfat.com

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصَّابِرِيْنَ
عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ ٥

(۲) وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا : خدا کی آیات جو اس کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترتی ہیں، جب ان کے سامنے پڑھی جائیں تو ان کے ایمان میں اور یقین بڑھ جاتا ہے، اطمینان میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اعمال میں نشاط ظہور کا ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ دلائل کی زیادتی اور حجت و برہان کا یکے بعد دیگرے آنا زیادتِ یقین کو لازم کر دیتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے احیاء موتیٰ کی کیفیت کو دیکھنے کا سوال کیا تھا تو انہیں اس پر ایمان تو پہلے سے ہی حاصل تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؟ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان میں طمانینت کا مقام قوت و کمال کے لحاظ سے مطلق ایمان پر ایک زائد مقام ہے۔ اور ایمان میں تفصیلی علم اجمالی علم سے زیادہ قوی ہے پس جس شخص کا یہ ایمان ہو کہ علم الٰہی کائنات کو محیط ہے۔ اور اس کی حکمت سے کائنات کا نظام قائم ہے اور اس کی رحمت تمام مخلوق پر چھائی ہوئی ہے۔ لیکن اس کا یہ ایمان صرف اجمالی ہے اگر تم اس سے سوال کرو کہ مخلوق میں اس کے شواہد بیان کرے تو وہ عاجز رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کے ایمان کا وزن اس شخص کے ایمان جیسا نہیں قرار دیا جا سکتا جو علم تفصیلی کا مالک ہے یعنی مخلوقات کی انواع میں سے ہر نوع کے اندر خدا کی جو سُنن و ضوابط ہیں وہ اسے معلوم ہوں۔ بالخصوص ان جدید زمانوں میں جب کہ ان سُنن و ضوابط کے متعلق انسانی علوم و معارف بہت وسیع ہو چکے ہیں اور لوگ آج ان کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہیں جس کا عُشرِ عشیر بھی پچھلے زمانوں کے علماء کو معلوم نہ تھا۔

اس آیت کے ہم معنیٰ وہ آیت بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے غزوۂ اُحد میں زخم اٹھا کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہنے والوں کا ذکر یوں فرمایا ہے،

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ٥ اور ایک مقام پر فرمایا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ۔

(۳) وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ: یعنی ان کا تکیہ، سہارا اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اور اپنے معاملات کو اس کے سوا کسی اور کے سپرد نہیں کرتے کیونکہ جس شخص کو یہ یقین حاصل ہو کہ میرے اور سارے جہاں کے معاملات کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ وحدہٗ ہے، اُس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے معاملات کو خدا کے سوا کسی دوسرے کے سہارے پر چھوڑے۔

شریعت اور عقلِ صحیح دونوں کا فیصلہ ہے کہ انسان کو اختیاری کسب حاصل ہے جس کی وجہ سے اللہ نے اُسے عمل کرنے کا مکلّف بنایا ہے۔ اور وہ اس کے اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔ اچھے عمل کی جزاء اچھی ہوگی اور بُرے کی بُری۔ پس انسان پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب و مسبّبات کے نظام کے مطابق اپنے معاملات کی تدبیر کی سعی و جہد کرے۔ کیونکہ اسباب کا مسبّبات سے ارتباط اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام کے لئے تسخیر کر دیا ہے۔ اور انسان ان اسباب کو حاصل کر کے جب مسبّبات تک پہنچتا ہے تو وہ بھی خدا کے فضل و تسخیر اور ہدایت و تعلیم ہی سے ہوتا ہے۔ اور جس چیز کا کوئی سبب معلوم نہ ہو سکے اس کی طلب میں مومن کا کام یہ ہے کہ صرف خدا کی طرف رجوع کرے اور اسی پر بھروسہ کر کے سچے دل سے دعا کا خواستگار ہو۔

لیکن اسبابِ معلومہ کا ترک اور مخلوق میں خدا کی سُنن سے منہ پھیرنا خدا سے اس کے دین و ہدایت سے اور اُس کی غیر متبدل سُنن و ضوابط سے جہالت ہے (کیونکہ اسباب کو پیدا کرنے والا اور انہیں مسبّبات سے وابستہ کر کے اسباب کو طلب کا حکم دینے والا بھی تو خود وہی ہے! مؤلف)

Marfat.com

(۴) اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ : یعنی نماز کو اس کی ظاہری صورت وارکان میں درست کر کے ادا کرتے ہیں، قیام و رکوع و سجود اور قرأت و ذکر وغیرہ کو درست طور پر ادا کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اس کی باطنی روح کی بھی رعایت و نگرانی میں کوتاہی نہیں کرتے اور خدا کو پکارنے میں خضوع و خشوع اور تلاوت قرآن میں تدبّر و نصیحت پذیری کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ان سب چیزوں کو پیشِ نظر رکھنے سے ہی ایمان کا ثمرہ حاصل ہوتا ہے اور وہ برائی اور بے حیائی سے روکنے والی بنتی ہے۔

(۵) وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ : یعنی خدا کے دیئے ہوئے رزق و مال میں سے کچھ زکوٰۃ مفروضہ، نفقاتِ واجبہ اور حاجت مندوں اور رشتہ داروں پر نفقاتِ مُستحبّہ میں خرچ کرتے ہیں۔ نیز اُمت کے اجتماعی مصالح اور عام مرافق میں خرچ کر کے دوسری قوموں اور ملّتوں میں اس کی شان بلند کرتے اور اس کے تمدّن و عمران کی ترقّی اور اُسے آگے بڑھانے میں جدّ و جہد کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا : یعنی جو لوگ ان مذکورہ پانچ صفات سے مُتّصِف ہیں وہی برحق مومن ہیں کیونکہ انہی کے یقینِ اذعانی کا اثر ان کے اعمالِ قلوب، اعمالِ جوارح اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

امام طبرانیؒ نے حارثؓ بن مالک انصاری سے روایت کی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا اے حارثہ! تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اس حالت میں صبح کی ہے کہ مومن برحق ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا ذرا سوچ سمجھ کر کہو کہ تم ایک بڑی بات کہہ رہے ہو۔ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ حارثؓ نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے دور کر دیا ہے۔ رات کو بیدار رہتا ہوں دن کو روزہ دار ہوتا ہوں اور یوں ہے گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو سامنے

Marfat.com

دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا کہ جنّت والوں کو جنّت میں ایک دوسرے سے ملتا اور دوزخ والوں کو چیختا چلاّتا دیکھ رہا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اے حارث! تم نے ایمان کی حقیقت کو پا لیا ہے اسے سنبھال کر رکھنا!

حسنؒ بصری سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اُن سے پوچھا کیا آپ مومن ہیں ؟ انہوں نے فرمایا کہ ایمان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ پس اگر تم مجھ سے خدا، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، قیامت، جنّت و دوزخ اور بعث و حساب کے بارے میں پوچھتے ہو تو میں مومن ہوں۔ اور اگر تم مجھ سے اُن لوگوں جیسے ایمان کے متعلق دریافت کرتے ہو جن کے بارے میں خدا کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ الخ تو واللہ میں نہیں جانتا کہ ان میں سے ہوں یا نہیں۔

جناب علیؑ المرتضیٰ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا: اگر پردہ کھل جائے تو میرا یقین زیادہ نہیں ہو گا! (اس یقین سے مراد اصل تصدیق و اذعان ہے اور اس کی قوّت و ضُعف دلائلِ شرع سے ثابت ہے، جیسا کہ اوپر جناب ابراہیمؑ سے اور خواجہ حسنؒ بصری کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ مؤلّف)

لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ:

یعنی عزّت و شرف اور قربِ الٰہی میں انہیں بلند درجے ملیں گے جن کا اندازہ صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اور قربِ خداوندی کے لحاظ سے لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

اور پیغمبروں کے درجات کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے: تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ الاٰیۃ۔ اور صرف دنیوی درجات کے تفاوت کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے،

Marfat.com

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ[1]

انسان جب یہ سوچتا ہے کہ اہلِ بدر نے اموالِ غنیمت میں اختلاف کیا تو وہ وہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اہلِ بدر یا تو مہاجرینِ اوّلین میں سے تھے جو عقیدہ اور اسلام کی راہ میں سب کچھ پیچھے چھوڑ آئے تھے اور دنیوی اعراض سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ اور یا پھر انصار تھے جنہوں نے مہاجروں کو پناہ دی، انہیں اپنے دیار و اموال میں شریک بنا لیا اور ایثار و قربانی کی ایک بے مثال تاریخ قائم کی تھی۔ لیکن یہ تعجب و وہشت دور ہو جاتی ہے جب ہم وہ روایات دیکھتے ہیں جن میں بدر اور اموالِ غنیمت کے متعلق تفصیل بیان ہوئی ہے۔ خود وہ روایات ہی دلالت کرتی ہیں کہ اس زمانے میں دراصل انفال و غنائم کا ربط میدانِ معرکہ کی جانبازی اور جانفشانی سے قائم ہوتا تھا۔ پس کسی کو اس مال کا ملنا بالفاظِ دیگر اس بات کی شہادت تھی کہ اس نے میدان میں بڑا کام کیا ہے۔ اور لوگ اس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شہادت کے حریص تھے، کیونکہ یہ اسلام و کفر کے درمیان پہلا باضابطہ معرکہ تھا جس میں اللہ نے ایمان والوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچائی تھی۔ یہ حرص بذاتِ خود بری نہ تھی مگر وہ ایک اور چیز پر غالب آ رہی تھی، یعنی باہم حسنِ تعامل اور سماحت و سخاوت کا برتاؤ کرنا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان آیات میں یہی یاد دہانی کرائی ہے کہ باہم صلح و صفائی اور حسنِ معاملہ کو کبھی نہ بھولو۔ ایسا نہ ہو کہ تم میں اختلاف پڑ جائے اور اس کا نتیجہ ساری جماعت کی اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قولاً و عملاً ان کی ربانی تربیت فرمائی۔ انفال کا معاملہ بالکل ان کے ہاتھوں سے نکال کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرما دیا۔ اور اس کے بعد

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۴۳ - ۲۴۲

Marfat.com

اموالِ غنیمت کا حکم تفصیلاً قرآن پاک میں نازل فرما دیا گویا جب تک وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ الخ والی آیت نہیں اتری اس وقت تک اموالِ غنیمت کی تقسیم سراسر حضورؐ کی صوابدید پر مبنی رہی۔ چنانچہ روایات میں موجود ہے کہ اموالِ بدر کو مساوی طور پر تقسیم فرمایا تھا اور ان میں سے خُمس (۵/۱) نہیں نکالا تھا کیونکہ خُمس کا حکم اس وقت تک اترا ہی نہیں تھا! (مؤلّف) اس طرح مالِ غنیمت کا معاملہ مسلمانوں کا "حق" نہ رہا کہ وہ اس میں نزاع کر سکیں۔ بلکہ وہ فضلِ خداوندی بن گیا۔ (کیونکہ بخلاف پہلی امّتوں کے اس امت کے لیئے غنیمت کو حلال ٹھہرایا گیا تھا! مؤلّف) اور اس کی تقسیم کا معاملہ حسب تعلیم خداوندی جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ انہیں تقوٰی اور اصلاح ذات البین کا قولی حکم بھی دیا گیا پہلی عملی تربیت تھی یہ قولی و تعلیمی تربیت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ جو دلوں کا خالق اور ان کے پوشیدہ اسرار کا عالم ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ اگرچہ اس وقت انفال پر تنازع کرنے والوں کی نیّت محض یہ تھی کہ وہ میدانِ قتال میں تقاضائے ایمان کو پورا کرنے پر خدا و رسولؐ کی طرف سے حُسن شہادت، حوصلہ افزائی اور انعام حق کے طالب تھے، لیکن انہیں تقوٰی پر اُبھارا گیا تاکہ دنیوی ساز و سامان کی محبّت ان پر غالب نہ آجائے اور وہ ایمان کے بلند ترین مدارج کو نظر انداز نہ کر جائیں۔ تقوٰی دلوں کی لگام ہے جو انہیں باہمی اصلاح اور خدا و رسولؐ کی اطاعت پر آمادہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقوٰی کے بعد انہیں اصلاح ذات البین اور اطاعت خدا و رسولؐ کا حکم دیا گیا ہے اور آخر میں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فرما کر فیصلہ فرما دیا گیا ہے کہ یہی تقاضائے ایمان ہے۔

ایمان کے لیئے ایک واقعی اور عملی صورت کا ہونا ناگزیر ہے جس میں وہ جلوہ گر ہو اور حقیقت ایمان کو ظاہر کرے۔ اسی معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: "ایمان صرف تمنّا و آرزو اور اچھا حلیہ بنا لینے کا نام نہیں

Marfat.com

بلکہ وہ اس قلبی کیفیت کا نام ہے جو دلوں میں ٹھہر جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے! کتاب و سنت میں بار بار ایمان کا یہی معنی بیان ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک زبانی قول کا نام نہیں نہ محض ایک بے جان آرزو ہے بلکہ عمل اور واقعی زندگی میں اس کی تصدیق درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد صفاتِ ایمان بیان فرمائی ہیں اور ارشاد فرمایا ہے کہ مومن صرف وہ لوگ ہیں جن میں یہ صفات موجود ہوں۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایمان سے "ایمانِ کامل" مراد ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ خود اسے ظاہر فرما دیتا لہذا یہ تاویل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ پس جن میں یہ صفات ہوں گی مومن وہی ہوں گے اور جن میں یہ صفات نہ ہوں وہ بالکل مومن نہیں۔ حقًّا کے علاوہ آیت کی ابتداء میں اِنَّمَا کا جو حصر و قصر ہے اس سے بھی یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے، قرآن خود اپنی تفسیر کرتا ہے ایک جگہ ارشادِ الٰہی ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ! پس جو چیز "حق" نہیں وہ ضلال ہی رہ گی۔

سلفِ صالحین نے اس قسم کی آیات سے یہی معنی سمجھا تھا کہ جو شخص اپنے دل اور عمل میں یہ صفات نہ پائے وہ مومن نہیں۔ تفسیر ابنِ کثیر میں ابنِ عباسؓ سے منقول ہے کہ آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ منافقوں کے دلوں میں ادائے فرائض کے وقت اللہ کا ذکر داخل نہیں ہوتا، وہ خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے نہ اس پر توکل کرتے ہیں۔ اور جب لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوں تو نماز نہیں پڑھتے۔ نہ اپنے اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ مومن نہیں کیونکہ مومنوں کی صفات ان کے بالکل برعکس ہوتی ہیں۔

پس یہاں بحث کمالِ ایمان اور نقصِ ایمان کی نہیں بلکہ وجودِ ایمان اور عدمِ ایمان کی ہے! وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ سے مراد یہ ہے کہ مومن جب کسی امر یا نہی میں اللہ کا [illegible]

Marfat.com

ڈھانپ لیتا ہے، خوفِ الٰہی اس میں جھرجھری پیدا کر دیتا ہے۔ عظمتِ الٰہی اور اس کا خوف اس میں متمثل ہو جاتا ہے اور وہ اس کے ذکر کے وقت اپنی تقصیر اور گناہ کا تصور کر کے کانپ اٹھتا ہے۔ پھر وہ عمل و طاعت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت وہ دل دعا کا محتاج ہوتا ہے تاکہ اُسے امن و سکون حاصل ہو جائے۔

اسی طرح ایک مومن قلب آیاتِ قرآنی میں سکون و اطمینان پاتا ہے اور اس کے ایمان کو قوت و زیادتی حاصل ہوتی ہے۔ قلبِ مومن قرآن کی مٹھاس کو پا لیتا ہے اس مضمون پر دلالت کرنے والی بہت سی آیاتِ قرآنیہ موجود ہیں۔ ایک صحابی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ہمیں قرآن حاصل ہونے سے پہلے دولتِ ایمان ملا کرتی تھی! یہی وہ دولتِ ایمان ہے جس کے ساتھ وہ بزرگ قرآن کا خاص مزہ چکھ لیتے تھے۔ درحقیقت وہ قرآن میں ہی زندہ رہتے تھے اور اسے اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لیتے تھے۔ وہ اپنی ذرا ذرا سی کوتاہی پر ڈرتے کانپتے رہتے تھے اور قرآن قدم قدم پر انگلی پکڑ کر ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ حضرت سعدؓ بن مالک نے جنگِ بدر کے دن حضورؐ سے ایک تلوار مانگی جو انہوں نے ایک مقتول سے حاصل کی تھی۔ حضورؐ نے نہ دی۔ وہ تلوار انہیں پسند تھی مگر مالِ غنیمت میں رکھ کر چلے گئے۔ وہ ابھی جا ہی رہے تھے کہ سورۃ الانفال کی پہلی آیات نازل ہو گئیں۔ حضورؐ نے انہیں واپس منگوایا تاکہ تلوار انہیں عطا فرما دیں مگر وہ اس بات سے ڈرتے کانپتے حاضر ہوئے کہ مبادا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہو گئی ہو!

خلاصہ یہ ہے کہ اس مومن جماعت کی حرکت و سکون قرآن پر مبنی تھے۔ اور جب کبھی کوئی مومن جماعت دین کو نافذ کرنے اٹھے گی اس کا یہی حال ہو گا کہ قرآن اس کا اوڑھنا بچھونا بن جائے گا۔ جاہلیت کو مٹا کر دینِ حق کی اقامت کی فقط یہی صورت ہے۔

Marfat.com

وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ : یعنی ان کی استعانت فقط اللہ وحدہٗ سے ہے اور توکل بھی فقط اُسی پر ہے اس کے سوا کسی سے امید نہیں رکھتے، صرف اسی کو مقصود جانتے ہیں، صرف اُسی کی جناب میں پناہ لیتے ہیں، صرف اسی سے حاجات طلب کرتے اور فقط اُسی کی طرف مصائب میں جھکتے ہیں۔ اور خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ چاہے گا ہو جائے گا اور جو نہ چاہے گا نہ ہو گا۔ ملک کائنات میں فقط وہی تصرف کرنے والا ہے، اُس کے حکم کو موڑ سکنے والا کوئی نہیں۔ سعیدؒ بن جبیر نے فرمایا ہے کہ: "توکل ہی پورا ایمان ہے"۔

یہی خدا کی وحدانیت کا خالص عقیدہ ہے اور دوسروں سے ہٹ کر صرف اُسی کی خالص عبادت ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک مومن قلب میں اللہ کی توحید کا عقیدہ اور اُس کے سوا کسی اور پہ بھروسہ کرنے کا خیال جمع ہو سکے۔ وہ لوگ جو غیر اللہ پر تکیہ کرتے ہیں یا اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں انہیں پہلے اپنے قلوب میں ایمان باللہ کو تلاش کرنا چاہیئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اسباب کو اختیار کرنے سے مانع نہیں ہے کیونکہ مرض جب اسباب کو اختیار کرتا ہے تو از روئے ایمان باللہ اور اُس کے اوامر کی اطاعت میں ایسا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ ہی نے اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہاں مومن اسباب کو حقیقی مؤثر نہیں جانتا کہ وہی نتائج و ثمرات پیدا کرتے ہیں لہٰذا وہ ان پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نتائج پیدا کرنے والا اور اسباب پیدا کرنے والا ان کو مؤثر و مثمر بنانے والا فقط اللہ ہے۔ مومن کے شعور میں سبب اور نتیجہ کے درمیان بذاتِ خود کوئی تعلق نہیں۔ صرف یہی تعلق ہے جو بیان ہوا۔ سبب کو اختیار کرنا اطاعتِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے عبادت ہے مگر نتیجہ کا پیدا ہونا قدرِ الٰہی سے ہے، سبب پر موقوف نہیں، نتیجہ کو مستقل طور پہ اللہ پیدا فرماتا ہے اور اس کے سوا اس پہ کوئی قادر نہیں، یہ عقیدہ رکھ کر مومن اسباب کا غلام بننے اور صرف الٰہی کے ساتھ چمٹ جانے سے

Marfat.com

آزاد ہو جاتا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ بقدرِ طاقت اسباب کو پوری طرح اختیار کرتا ہے تاکہ انہیں اختیار کرنے میں احکامِ الٰہی کی اطاعت کا ثواب حاصل کرے۔

جدید "سائنٹیفک جاہلیت" اللہ کی تقدیر اور غیب کی نفی کرنے کی خاطر مادی قوانینِ فطرت کو حتمی اور یقینی جانتی رہی۔ لیکن آخر کار اپنے وسائل و تجربات کی راہ سے غیب و قدرِ الٰہی کے سامنے یوں آکھڑی ہوئی جس طرح ایک عاجز انسان حتمی پیشین گوئی کرنے سے عاجز ہوکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس جاہلیت نے مادی عالم کے اندر احتمالات میں پناہ ڈھونڈ لی۔ اب وہ چیز جو پہلے ان کے نزدیک حتمی محقق احتمالی بن گئی۔ اور "غیب الٰہی" ایک ایسا بھید رہ گیا جس پر مہر لگی ہوئی ہے۔ اور خدا کی تقدیر ہی ان کے نزدیک ایک قابلِ یقین واحد حقیقت باقی رہ گئی۔ گویا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا ہی صرف ایک حتمی قانون باقی رہ گیا جو یہ بتاتا ہے کہ کائناتی قوانین کے پیچھے جن سے اللہ اس کائنات کی تدبیر کرتا ہے، خدا کی آزاد مشیت کارفرما ہے جس کا اندازہ اور قدر صرف اس آزاد خدا اور اپنے قوانین کو نافذ کرنے والے کے ہاتھ میں ہے۔

طبیعات اور ریاضیات کا مشہور انگریز پروفیسر سر جیمس جینز کہتا ہے:

"علمِ قدیم پختہ طور پر مانتا تھا کہ مادہ صرف ایک ہی راستہ اختیار کر سکتا ہے یعنی وہ راستہ جو اس کے لئے پہلے سے مقرر کر دیا گیا ہے تاکہ ابتدائے زمانہ سے انتہائے کائنات تک اسی ڈگر پر چلتا رہے اور علت و معلول کے درمیان ایک دائمی تسلسل کا سلسلہ قائم رہے۔ اور اس بات سے گریز کی کوئی صورت نہیں کہ مثلاً حالت آ کے بعد حالت ب کا آنا لازم ہے۔ لیکن جدید علم اب تک جو کچھ کہہ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مثلاً آ کے بعد ب واقع ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ج واقع ہو جائے یا د ہی آجائے! بلکہ احتمالات کا یہ سلسلہ اتنا طویل ہے کہ اسے کسی حد و حساب کے تحت میں نہیں لایا جا سکتا۔

ہاں! جدید علم کی استطاعت میں صرف اتنا ہی ہے کہ وہ یہ کہے کہ ب کا پیدا ہونا ج کے پیدا ہونے سے زیادہ محتمل ہے اور ج کا احتمال د سے زیادہ ہے۔ پس اس طرح جدید علم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ا کے بعد ب کا احتمال ج کی نسبت زیادہ ہے اور ج کا د کی نسبت زیادہ ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ بلکہ علم جدید کی طاقت میں ب، ج، د میں سے ہر ایک کے احتمال کی درجہ بندی کر سکنا بھی داخل ہے۔ لیکن وہ یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ کون سی حالت پہلے اور کون سی بالیقین بعد میں آئے گی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ احتمالات سے ہی بات کرتا ہے لیکن واجب اور ضروری کا معاملہ تو تقدیر کے ہی سپرد ہے! چاہے تم ان تقدیروں کی حقیقت کچھ بھی سمجھو!

پس جب دل ظاہری اسباب کی گرفت سے خلاصی پا جائے تو اس میں ابتداءً غیر اللہ پر بھروسہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہر چیز کو پیدا اور واقع کرنا تقدیر الٰہی کے بس میں ہے، صرف یہی ایک ایسی حقیقت ہے جس پر یقین کیا جا سکے اور ظاہری اسباب فقط ظنی احتمالات ہی پیدا کرتے ہیں۔ قلب بشری کے اندر اسلامی عقیدہ یہی عظیم انقلاب برپا کرتا ہے اور عقل بشری میں بھی! یہ ایک ایسا انقلاب ہے کہ جدید جاہلیت نئیں صدیوں سے اس کے اولین مراحل پر پہنچنے کے لئے ٹانگ ٹوٹے مار رہی ہے کہ عقلی راستے سے اس کو پا لے۔ لیکن شعوری حیثیت سے اب تک اس کے کسی حصے تک بھی پہنچ نہیں پائی۔ نہ اسے یہ پتہ چل سکا ہے کہ قدر الٰہی کے ساتھ تعامل کے ساتھ کون سے بڑے بڑے عظیم القدر نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسباب ظاہری اور ظاہری قوتوں کے تعامل سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ یہ ایک عقلی، شعوری، سیاسی اجتماعی اور اخلاقی آزادی ہے۔ (اور اس کے علاوہ بھی تم آزادی کی جس قدر قسمیں قرار دے لو!) اور انسان جب تک اسباب کا بندہ بنا رہے اسے حقیقی اور کامل آزادی نصیب نہیں ہو سکتی۔ ان اسباب کے پیچھے دراصل چاہے انہیں

"حتمی اسباب" ہی کیوں نہ سمجھا جائے!) انسانوں کے ارادے کی بندگی کارفرما ہے
یا مادّہ وطبیعت کے ارادے کی بندگی! غرض تم خدا کے ارادے اور قدرت کے
سوا جس چیز کو بھی "حتمی" قرار دے لوگے وہ لغیر اللہ اور اس کی قدرت کی
بندگی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اللہ وحدہٗ پہ توکّل کرنے کی اس قدر تاکید
کرتا ہے اور ایمان کے وجود وعدم میں اس کا اتنا اعتبار کرتا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ: یہاں ہم ایمان کی ایک ظاہری متحرک صورت
دیکھتے ہیں حالانکہ اُوپر گزری ہوئی صفات میں ایمان کی قلبی شعوری اور باطنی
صورت نظر آئی تھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان اس حقیقت کا نام ہے جو
دل میں جاگزیں ہو اور عمل اس کی تصدیق کرے۔ ایمان کی ظاہری علامت و
دلالت صرف عمل ہے جس کا برسرِعام ظاہر ہونا ضروری ہے۔ تاکہ قلبی ایمان
کو فعلی شہادت کی تائید حاصل ہوجائے۔

"اقامتِ صلوٰۃ" سے مراد فقط نماز کی ادائگی نہیں بلکہ وہ ادائیگی ہے جو
اس کی حقیقت کا اظہار کرے۔ یعنی کامل ادائیگی جو عابد کے معبود کے سامنے
کھڑا ہونے کے لائق ہے۔ نہ کہ صرف قرأت و قیام اور رکوع و سجود اور دل
غافل ہی رہے! نماز اپنی اس کامل صورت میں ایمان کی فعلی شہادت مہیّا کرتی
ہے۔

كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّ فَرِيۡقًا

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت

مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ ۝٥ يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ

اہلِ ایمان کی راضی نہ تھی وہ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات میں

Marfat.com

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ (٦)

اس کے ظاہر ہو چکنے کے بعد گویا وہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَ

اور جس وقت تم سے وعدہ کرتا تھا اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور

تَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ

تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے اور اللہ چاہتا تھا

أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ (٧)

کہ سچا کردے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (٨)

تاکہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کردے جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گنہگار

[ل] الشوکۃ کا معنیٰ ہے حدّت وقوّت۔ دراصل یہ الشوک کا واحد ہے جس کا معنیٰ کانٹا ہے اور اس کے ساتھ اہل عرب نے نیزوں کے پھلوں کو تشبیہ دی ہے۔ طائفتین جن کا اس آیت میں ذکر ہے ان میں سے ایک تو شام سے آنے والا تجارتی قافلہ تھا اور دوسرا اہل مکہ کا لشکر جو تجارتی قافلہ کی مدد کے لئے آیا تھا۔ اور غیر ذات الشوکۃ سے مراد شام کا تجارتی قافلہ ہے دابر القوم کا معنیٰ ہوتا ہے ان کا آخری شخص جو سب کے پیچھے آئے۔ اور یحق الحق کا معنیٰ ہے کہ اسلام کو عزت دے دے اور یبطل الباطل کا معنیٰ ہے جھوٹ یعنی شرک کو مٹا ڈالے اور اسے نابید کردے۔

[ل] تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۶۶-۱۶۷

Marfat.com

ان آیات سے غزوۂ بدر کا قصہ شروع ہوتا ہے جو اہلِ ایمان کی پہلی فتح تھی، اور مشرکوں کی پہلی شکست۔ آگے چل کر مالِ غنیمت کے احکام بھی آئیں گے۔ یہاں حضورؐ کا مدینہ سے باہر نکلنا اور مومنوں کے ایک فریق کا اسے ناپسند کرنا مذکور ہوا ہے۔ ایمان کا مقتضیٰ یہی تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اذعان کیا جائے اور جو کچھ بھی آپ بامرِ الٰہی حکم دیں یا کریں اس کے سامنے گردن خم کر دی جائے (اہلِ ایمان نے ایسا ہی کیا تھا مگر بعض بتقاضائے فطرت و بشریت بطور حیلۂ جنگ یا مصلحت وقت کے اس وقت مشرکوں سے تصادم نہ چاہتے تھے۔ عام خیال اس وقت یہی تھا کہ لشکر سے مقابلہ نہ ہوگا بلکہ تجارتی قافلہ سے تصادم ہوگا، اسی لئے زیادہ تیاری کر کے بھی نہ آئے تھے اور تعداد بھی کم رہی۔ ورنہ اگر شروع سے لشکر کا خیال ہوتا تو معاملات اس کے برعکس ہوتے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ انہیں مشرکوں کے لشکر ہی سے بھڑا کر فتح دے۔ چنانچہ یہی ہوا! مؤلف)

لہ آیت ۵-۶: یعنی سوچو کہ اس جنگ (بدر) میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک و تائید اور امداد و توفیق مسلمانوں کے حق میں کارفرما رہی۔ خدا ہی تھا جو نصرتِ دینِ اسلام کے حق دیتے) وعدے کر کے اپنے نبیؐ کو ایک امرِ حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لئے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس وقت لے آیا جب کہ مسلمانوں کی ایک جماعت لشکرِ قریش سے نبرد آزمائی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی سچی اور طے شدہ چیز میں پس و پیش کر رہے اور حجتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی ٹھہرائی ہوئی اٹل بات ہے (یعنی اسلام اور پیروانِ اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابوجہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا ان کو اس قدر شاق اور گراں تھا جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے منہ میں جانا مشکل ہے۔ تاہم خدا اپنی توفیق سے اُن کو

لہ فوائد القرآن صہ ۲۳۰

Marfat.com

میدانِ جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفّر و منصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے از اوّل تا آخر مہم سر ہوئی، مالِ غنیمت بھی اسی کا سمجھنا چاہیئے۔
(۵) اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے جہاں بتلائے وہاں خرچ کرو۔

کما اخرجک کے کاف کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لئے نہیں لیا بلکہ ابوحیّان کی تحقیق کے موافق معنیٰ تعلیل پر مشتمل رکھا ہے: جیسے: وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ میں علماء نے تصریح کی ہے۔ اور اخرجک ربک من بیتک الخ میں صرف گھر سے نکلنے کا وقت ہی مراد نہیں ہے بلکہ گھر سے خروج سے لے کر جہاد میں داخل ہونے کا سارا لمبا اور طویل عرصہ مراد ہے جس میں وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ یجادلونک فی الحق وغیرہ سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیت تو عین مدینہ منورہ سے نکلتے وقت ہی ظاہر ہو گئی تھی جیسے ہم صحیح مسلم اور طبری کے حوالہ سے اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اور مجادلہ کی صورت غالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقامِ صفراء پر پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض باطل پرستوں کے مغالطات کا استیصال ہو جائے گا۔

آیت ۷-۸: مسلمان چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ پر حملہ ہو، کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت سا مال ہاتھ آ جائے۔ لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سر و سامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتّب و پُر شوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفارِ مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے۔ تاکہ اس طرح اس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستّر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور ستّر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ فللّٰہ الحمد والمنّہ۔

لہ کما اخرجک: اس تشبیہ میں علمائے مفسرین کے چند اقوال ہیں از اں جملہ

---

۵۱ تفسیر حقانی جلد ۴ صہ ۱۸۵-۱۸۶

سب سے راجح یہ ہے کہ یہ تقسیم بھی مسلمانوں کو بظاہر ایسی ہی ناگوار ہے جیسا کہ اے پیغمبر! اس جنگ کے لئے آپ کا بحکم الٰہی گھر سے نکلنا ناگوار تھا۔ لیکن جس طرح وہاں ان کی خاموشی کا لحاظ نہیں کیا گیا ایسا ہی یہاں بھی لحاظ نہیں۔ اس لئے کہ حکمت الٰہی اور انجام کار کے علاوہ نتائج تک ان کی عقلیں نہیں پہنچتیں۔ بندے تو بالفعل کی آسانی کو اور موجودہ فائدہ کو دیکھتے ہیں۔ اس جنگ کے لئے گھر سے نکلنے میں بظاہر تکلیف اور مشقت اور دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور اپنی قلت کے سبب مارے جانے کا خوف تھا۔ مگر اس خیال نے مشرکینِ مکہ کی جو اسلام کی راہ میں سدِ راہ تھے کمر ہی توڑ ڈالی۔ اسی طرح مالِ غنیمت میں شرعی تقسیم کا قائم کرنا آئندہ لشکر کشی اور فتوحات کے لئے بہت ہی مفید ہے۔

یعنی جیسا کہ تم نے غنیمتوں کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور جھگڑ پڑے تھے تو اللہ نے تمہارا فیصلہ چکا دیا تھا اور تم سب سے تقسیم کا حق رسول کو دے دیا تھا اور انہوں نے عدل و مساوات سے تقسیم کر دی تھی اور یہ بات تمہاری مصلحت کاملہ کی خاطر تھی: اسی طرح اس موقع پر جب دشمنوں سے لڑنے کے لئے مدینہ سے تم کو نکلنا پڑا تو شوکت و جاہ والے بڑے لشکر سے لڑنا تمہیں ناپسند ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے اسی جنگ سے تمہیں دوچار کیا اور پہلے بغیر کسی قرار دادِ جنگ کے دشمن سے تمہیں بھڑا دیا اور نتیجہ میں تمہیں نصرت و ہدایت بخشی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے لڑائی کی غرض سے نہیں نکلے تھے ورنہ اس قدر بے سر و سامانی نہ ہوتی اور جنگ کے لئے کچھ نہ کچھ تیاری ضرور کی جاتی۔ لیکن جب ابوسفیان کا قافلہ تجارت ساحلی راستے پر ہو لیا اور اس کی فوری اطلاع و استمداد پر مکہ سے مسلمانوں کی تعداد سے تین گنا سے

لہ تفسیر ابن کثیر ج ۹ ص ۲۸۸-۲۸۹

بھی زیادہ منظم و مرتب اور مسلّح لشکر بدر میں آکر فروکش ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ ایک فریق تم کو ضرور دوں گا۔ فطرۃً مسلمان چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ ہی ملے کیونکہ ان کے اس وقت کے احوال کا تقاضا یہی تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ آج دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہے۔ جب لوگوں نے حضور کا رجحان دیکھا کہ آپ تو جنگ پر ہی مائل ہیں اور مسلمانوں کی زبان سے کہلوانا چاہتے ہیں تو مقدادؓ بن عمرو نے حضورؐ کے سوال پر بوقتِ مشورہ کہا کہ یا رسول اللہ! ہم اس موقع پر اس طرح نہ کریں گے جیسا کہ موسیٰؑ کی قوم نے کہا تھا کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ اسی طرح مہاجرین میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ اور انصار میں سے سعدؓ بن معاذ نے بڑی جوشیلی تقریریں کیں تو حضور نے میدان کی طرف کوچ کا حکم دے دیا اور بحکمِ خداوندی فتح ہوئی۔

كَمَا أَخْرَجَكَ الخ یعنی انفال اللہ کے لئے ہیں وہ ان میں حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور اس کے پیغمبرؐ کو اختیار دیا گیا ہے کہ حق داروں کو برابر برابر تقسیم کر دیں اگرچہ بعض تنازع کرنے والے جو اپنے آپ کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے اس حکم اور فیصلے کو ناپسند ہی کریں۔ اسی طرح جیسا کہ تیرے رب نے تجھے گھر سے نکالا تاکہ مشرکوں کے ایک طائفہ سے مقابلہ کرائے۔ بہت سے ایماندار اس کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ وہ تو محض جلدی میں قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے نکل آئے تھے جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔[۱]

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ: یعنی اب یہ واضح ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کو لشکر سے ہی لڑنا ہے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی بھی بامرِ الٰہی یہی ہے مگر بعض ایماندار حضور سے جھگڑا کرتے تھے کہ ہم تو لڑائی کے لئے تیار ہو کر نکلے ہی

---

[۱] تفسیر المنار ج ۹ ص ۵۹۶-۶۰۱ - تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۶۸-۱۷۱

Marfat.com

نہ تھے۔ یہ درست ہے کہ انہیں آپ کے ارشاد کے مطابق جنگ کی صورت میں بھی فتح کی ہی توقع تھی، مگر فطرتِ انسانی کے مطابق کہتے تھے کہ ہم تو محض قافلہ کے لئے آئے تھے لڑائی تو پیش نظر تھی ہی نہیں! مسلمان اس وقت قتال کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ وہ ضعف کی حالت میں تھے۔ پس خدا کی حکمت یوں ہوئی کہ پہلے تو اُن سے ایک طائفہ کا وعدہ کیا اور اس کی تعیین نہ کی۔ مسلمانوں کی امیدیں بالعموم شام سے آنے والے قافلۂ تجارت سے وابستہ تھیں، ان کا خیال تھا کہ اس کے حاصل کرنے میں کوئی مشقت نہ ہوگی کیونکہ قافلہ کے ساتھ محافظوں کی تعداد تھوڑی ہی تھی۔ لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ قافلہ تو ساحلی علاقے سے ہو کر بچ نکلا اور اہلِ مکہ کا لشکر پوری قوت سے لیس ہو کر چلا آرہا ہے تو پھر ان میں احساس ہوا کہ اب یہ لشکر اتنا قریب ہے کہ اس سے لڑتے ہی بنا پڑے گی۔ اب یہ بھی واضح ہوا کہ خدا نے جس ایک طائفہ کا وعدہ کیا تھا وہ یہی لشکر تھا! اب بعض مسلمانوں نے اس جنگ کو اپنی قلت وضعف اور مشرکوں کی کثرت وتیاری کی وجہ سے ناپسند کیا اور حضورؐ سے کہا کہ ہم جنگ کے لئے تو نکلے ہی نہ تھے نہ اس کی تیاری کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اُن کا یہ کہنا درست تھا کہ ابتداءً وہ جنگ کے لئے نہ نکلے تھے مگر اب تو جنگ ہی ناگزیر تھی اور وعدۂ الٰہی کے مطابق لشکر ہی ان کے حصہ میں آچکا تھا اس لئے اب لیس وپیش کرنا ہرگز مناسب نہ تھا۔ بالخصوص اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ فرمایا ہوا تھا۔ تو اب بزدلی اور خوف کا باعث کیا ہو سکتا تھا؟

کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ الخ موت کے سارے اسباب وعلائم سامنے موجود تھے دشمن زیادہ تھا اور پوری طرح تیار تھا۔ مسلمان کم تھے اور نہتے تھے لیکن وعدۂ خداوندی موجود تھا کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ پس سارے ظاہری اسباب کے خلاف ہونے کے باوجود اس وعدہ کے باعث جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں تھی، اُنہیں پوری طرح مطمئن ہونا چاہیئے تھا۔ ظاہری اسباب

Marfat.com

بارہا دغا دے جاتے ہیں، مہیا ہونے کے باوجود نتیجہ خلاف نکلتا ہے۔ بہت سی چھوٹی جماعتیں خدا کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ ہر چیز خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور مسلمانوں کی قلت وضعف کے باوجود واضح فتح حاصل ہوئی۔ حق و باطل میں پورا امتیاز ہو کر رہا۔ حق قائم ہو گیا اور اس کا حق ہونا ثابت ہو گیا، باطل مٹ گیا اور اس کا باطل ہونا ثابت ہو گیا۔

یہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ان ائمۂ کفر اور صنادید قریش کے استیصال سے ہی ہو سکتا تھا جو اسلام اور اہل اسلام کو مٹانے کے لئے اپنی طرف سے پورے تیار ہو کر میدان میں آئے تھے۔ لیکن تقدیر حق کھڑی مسکرا رہی تھی کہ یہ لوگ اپنی قتل گاہوں کی طرف کتنے شوق و غرور سے بڑھے چلے آرہے ہیں۔

ان آیات میں وہ غزوہ بیان کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں انفال و غنائم اور ان کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تھا۔ واقعات کو جس طرح بیان فرمایا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمان اس موقع پر خدا کی تقدیر کا پردہ تھے۔ اور جس قدر واقعات پیش آئے، جو نتائج برآمد ہوئے وہ سب خدا کی تقدیر و توجیہ، تدبیر و معونت اور مدد سے پیش آئے تھے۔ کیونکہ شروع میں مسلمانوں نے جو کچھ چاہا تھا وہ تو بہت ہی محدود تھا — یعنی شام کے قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا اور اسلام کے خلاف استعمال ہونے والے مال پر قبضہ کرنا — لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چاہا، مسلمانوں کے لئے اور ان کے ذریعہ سے یہ عظیم "فرقان" وامتیاز تھا جو جنگ بدر کے نتیجہ میں پیش آیا۔ اس فرقان کو برپا کرنے میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کے ہاتھ اور دل مصروف تھے، دوسری طرف ملاء اعلیٰ بھی اس کو قائم کرنے میں مصروف تھے۔ نہیں بلکہ صحیح تر الفاظ

لہ فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۷-۱۴۸۷

میں ساری انسانی تاریخ اسے قائم و برپا کرنے میں مشغول تھی۔ ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ ایک فریق جنگ میں دلی ناپسندیدگی سے شامل ہوا تھا جیسا کہ آگے چل کر ایک فریق انفال و غنائم کی تقسیم کو بھی ناپسند کرنے والا تھا۔ یہ سب کچھ اس لئے بیان ہو رہا ہے کہ مسلمان جان لیں کہ جو کچھ وہ سمجھتے ہیں جسے وہ پسند یا ناپسند کرتے ہیں وہ خدا کے ارادہ و امر کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ اور اللہ ہی تمام معاملات کا انجام جانتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے **انفال** کو خدا اور رسول ؐ کی طرف لوٹا دیا۔ تاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لوگوں پر برابر برابر بانٹ دیں (یعنی ⅕ رکھ لینے کے بعد، خمس کے مصارف آگے مذکور ہوں گے۔) یہ سب کچھ اس لئے تھا تاکہ مومن جماعت کے نفوس غنیمت کے ملابسات و تعلقات سے پاک ہو جائیں، اس پر تنازع واقع نہ ہونے پائے اور اس میں تصرف کا حق علم الٰہی کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو جائے۔ لوگوں کے دلوں میں اس کی وجہ سے کچھ بھی باقی نہ رہے اور جس جماعت نے غنیمت جمع کی تھی اس کے دل میں کوئی کھٹک باقی نہ رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے ارادے اور ان کے لئے خدائی ارادے کو ایک ضرب المثل بنا دیا ہے تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ بہتری اس میں ہے جسے ان کے لئے اللہ پسند کرے اور اس معاملے میں **انفال** و غیر انفال برابر ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا غیب ان سے پوشیدہ ہے اور وہ صرف وہی کچھ جان سکتے ہیں جو سامنے ہو!

غزوۂ بدر کے واقعات جو ہم نے ابتدائے سورت سے قبل بطور تمہید و مقدمہ بیان کئے ہیں ان میں گزر چکا ہے کہ جب قافلہ کے بچ نکلنے کا یقین ہو گیا اور لشکر کفار سے تصادم ناگزیر نظر آنے لگا تو حضور ؐ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ اس مشورہ میں ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ نے بہت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ اور مقداد ؓ بن عمرو نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ خدا کے کام کے لئے چلئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کو وہ

Marfat.com

کچھ نہ کہیں گے جو بنو اسرائیل نے موسٰی سے کہا تھا کہ : اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ بلکہ ہم کہتے ہیں آپ اور آپ کا رب چلیں اور لڑیں ہم آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔" لیکن یہ مہاجرین کی گفتگو تھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بار بار لوگوں سے مشورہ طلب فرمایا تو انصار سمجھ گئے کہ حضورؐ ان کی رائے طلب فرماتے ہیں۔ پھر سعدؓ بن معاذ نے وہ مشہور تقریر کی جو اوپر گزر چکی ہے اور جس نے اس مشورے میں فیصلہ کن حیثیت اختیار کر لی تھی۔

لیکن ابوبکرؓ و عمرؓ اور مقدادؓ و سعدؓ بن معاذ کے مقالات ان تمام لوگوں کا مقالہ نہ تھے جو مدینہ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر آئے تھے۔ کیونکہ بعض نے جنگ کو ناپسند کیا اور اس کے متعلق جھگڑا کیا تھا کہ وہ لڑائی کے لئے تیار نہیں ہیں، وہ تو صرف اس قافلے کو لینے نکلے تھے جو شام کو مالِ تجارت کے ساتھ کمزور محافظوں کی معیت میں آ رہا تھا۔ انہیں جب پتہ چلا کہ قریش اپنے پیدل اور سوار، بہادر اور شہ سوار لے کر سامنے آ گئے ہیں تو انہوں نے جنگ کو سخت ناپسند کیا۔ اسی ناپسندیدگی کو قرآن نے اپنے بے نظیر بیان سے واضح فرمایا ہے۔

حافظ ابوبکرؒ بن مردویہ نے تفسیر میں اپنی اسناد سے ابوایوبؓ انصاری سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے مدینہ میں ہم سے ارشاد فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابوسفیان کا قافلۂ تجارت آ رہا ہے۔ سو کیا تم لوگ اس قافلہ کی طرف نکلنا چاہتے ہو شاید کہ اللہ اس قافلے کا مال ہمیں دلوا دے ؟ پس ہم نے کہا کہ ضرور! سو حضورؐ اور آپؐ کے ساتھ ہم بھی مدینہ سے نکلے۔ سو جب ہم ایک دن یا دو دن چلتے رہے تو حضورؐ نے ہم سے فرمایا کہ مشرکین سے لڑائی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ انہیں تمہارے نکلنے کی خبر مل گئی ہے (اور وہ بھی آ رہے ہیں!) ہم نے عرض کیا کہ نہیں واللہ! ہم میں دشمن سے لڑنے کی ہرگز طاقت نہیں ہے ہم تو صرف مالِ تجارت والا قافلہ ہی پیشِ نظر رکھ کر آئے تھے۔ حضورؐ نے

Marfat.com

پھر لوگوں سے فرمایا کہ قریش سے لڑائی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ہم نے پھر پہلے جیسی بات کہی۔ تو مقدادؓ بن عمروؓ نے کہا یا رسول اللہ! اگر لڑائی کا موقع آگیا تو ہم آپؐ سے وہ کچھ نہ کہیں گے جو موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ جاؤ تو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں! پس ہم انصار کی جماعت نے آرزو کی کہ جو کچھ مقدادؓ نے کہا کاش ہم کہتے۔ وہ ہمیں بہت زیادہ مال سے بھی محبوب تر ہے! اس پر یہ آیت کَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ الخ اتری۔

اس واقعہ سے پتہ چل گیا کہ مومنوں کے ایک فریق کے دل میں کیا کچھ کھٹک رہا تھا۔ اور وہ کیا چیز تھی جس کی وجہ سے وہ قتال کو ناپسند کر رہے تھے۔ اور بقول قرآن کریم وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہنکائے جا رہے تھے۔ حالانکہ اب حق واضح ہو چکا تھا اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ دو فریقوں میں سے ایک پر غالب کرنے کا تھا۔ اب قافلہ کے بچ کر نکل جانے کے بعد وہ فریق صرف کفارِ مکہ کا لشکر ہی ہو سکتا تھا۔ اب ان کے لئے لازم تھا کہ اس کا مقابلہ کریں۔

ان آیات میں ایک ایسا حال بیان کیا گیا ہے جس میں نفسِ انسانی پیش آمدہ خطرے کے سامنے کھل کر آجاتا ہے اور دلی عقیدے کے باوجود واقعی مقابلے کا اثر اس میں واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن کی اس کھینچی ہوئی تصویر سے ہمارے لئے لازم ہے کہ پیش آمدہ واقعات کے سامنے ہم دلی اعتقاد کے مطالبات میں شدت اختیار نہ کریں۔ اور اس بات سے غافل نہ ہوں کہ انسانی نفس کی طاقت کی بھی ایک حد ہے اور وہ مقابلے کے وقت اضطراب کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا جب ہمارا نفس یا بالفاظِ دیگر انسانی نفس مقابلے میں گھبراہٹ و بے چینی کا اظہار کرے تو ہم اس سے بالکل ہی مایوس نہ ہو جائیں۔ ایسی حالت میں عقیدے پر دل کی طمانیت قائم رہتی ہے اس کا متذبذب ہونا ضروری نہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ عارضی اضطراب کے بعد یہ نفس ثابت قدم ہو جائے اور راہ پر چل پڑے۔ اور عملی طور پر خطرے کا مقابلہ کر گزرے۔ اور پہلے اضطراب پر غلبہ پا لے۔

Marfat.com

لوگ اہلِ "بدر" تھے جن کے حق میں حسب روایت بخاری و مسلم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: تمہیں کیا پتہ، شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو جھانک کر دیکھا اور فرما دیا ہو کہ جو چاہو کرو، میں تمہیں بخشش چکا ہوں"!
اور یہ درجہ وافتخار ان کے لئے کافی ہے۔

اُس دن مسلم جماعت کا خیال یہ تھا کہ وہ جماعت ان کے سپرد ہو جو شوکت والی نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے لئے کچھ اور پسند کر چکا تھا اور اُن سے ایک اہم تر کام لینا چاہتا تھا۔ اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ جنگ ہو، نہ یہ کہ بغیر لڑے بھڑے انہیں مالِ غنیمت ہاتھ آجائے۔ حق و باطل کے درمیان معرکہ برپا ہو تا کہ حق کا حق اور باطل کا باطل نکھر جائے۔ حق ثابت و قائم ہو جائے اور باطل مٹ جائے کافروں کی جڑ کٹ جائے۔ ان میں سے کچھ لوگ قتل ہوں اور کچھ قیدی بنا لئے جائیں ان کا تکبّر پامال ہو جائے اور ان کی تیزی ٹوٹ جائے۔ اسلام کا جھنڈا سربلند ہو اور اس کے ساتھ اس کا کلمہ بھی بلند ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلم جماعت کو زمین میں الوہیّتِ الٰہی کو قائم کرنے کی توفیق دے دے اور طاغوتوں کو پیس ڈالنے کی طاقت بخشے۔ اللہ چاہتا تھا کہ مسلم جماعت کا غلبہ اُس کے استحقاق سے ہو مُفت میں نہ ہو۔ جدّ و جہد سے ہو اور جہاد کی تکالیف سے ہو، میدانِ قتال اور معرکہ کی تکالیف اٹھا کر ہو۔

ہاں! اللہ تعالیٰ مسلم جماعت کو ایک امت بنانا چاہتا تھا، ان کی ایک مملکت وسلطنت قائم فرمانا چاہتا تھا اور انہیں غلبہ و اقتدار دینا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ دشمنوں کی قوّت کے مقابلے میں اپنی حقیقی قوّت اور قدر و قیمت کا اندازہ کر لیں۔ اپنی کچھ قوت سے کفار کی ساری طاقت پر غالب آئیں اور جان لیں کہ فتح و نصرت تعداد اور سامان پر نہیں نہ مال و زادِ راہ اور رسالوں کی مدد سے ہے، وہ تو اس بات پر منحصر ہے کہ دلوں کا اتصال اللہ کی بے پناہ قوّت کے ساتھ کس حد تک ہوتا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ ایک عملی تجربے کے رنگ

میں ہو۔ صرف تصوّر اور دلی عقیدے کی حد تک ہی نہ رہے۔ اور اس پہلے تجربے سے مسلم جماعت ہمیشہ کے لئے ایک نئی قوت حاصل کرے کہ وہ ہر زمانے اور ہر مکان میں اپنی قلّت و بے سروسامانی کے باوجود دشمنوں پر غالب آسکتی ہے۔ یہ حقیقت صرف میدانِ جنگ کے ایک عملی معرکے سے ہی ثابت ہوسکتی تھی۔

اس کے علاوہ ایک اور حقیقت بھی ہمیشہ کے لئے مسلم جماعت کے سامنے کھول دی گئی کہ جس چیز کو انسانی نفوس "خیر" سمجھتے ہوں ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی وہی "خیر" ہو۔ اور جس میں وہ بظاہر ضرر و اذیت محسوس کرتے ہوں ضروری نہیں کہ حقیقت واقعیہ میں بھی وہ ضرر اور اذیت ہی ہو۔ بلکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایک چیز کو ناپسند کرتے ہیں اور علم الٰہی میں وہ چیز ان کے لئے "خیر کثیر" کی حامل ہوتی ہے۔

اب دیکھئے کہ اگر اس وقت جس چیز کو مسلمان اپنے لئے پسند کرتے تھے وہی انہیں مل جاتی تو اس کا اثر یہ ہوتا کہ یہ ایک غارت کا قصّہ بن جاتا کہ مسلمانوں نے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کر کے اُسے لوٹ لیا تھا۔ لیکن اب جو صورتِ حال پیش آئی وہ یہ ہے کہ معرکۂ بدر رہتی دنیا تک حق و باطل کی جنگ میں ایک سنگِ میل بن چکا ہے۔ یہ ایک ایسا قصّہ ہے جس میں نہتوں نے مسلّح فوج پر قلّت و ضعف اور شکستہ حالی کے باوجود فیصلہ کن فتح پائی۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ فتح و نصرت کثرتِ تعداد اور کثرتِ ساز و سامان پر نہیں بلکہ دلی عقیدے اور اس کے لئے قربانی کے بے پناہ جذبے پر منحصر ہے۔ یہ فتح ایک مٹھی بھر جماعت کی ہے خود جس کی صفوں میں قتال کو ناپسند کرنے والے لوگ موجود تھے۔ وہ جماعت داخلی ضعف پر بھی غالب آئی اور مدِّمقابل پر بھی فتح حاصل کی۔ جب وہ جماعت میدانِ معرکہ میں اتری تو مادّی اور عملی رجحان کفر کی طرف تھا مگر اس نے اپنے یقین و ایمان کے بوجھ سے پلڑا اپنی طرف جھکا لیا۔

یہی سبب ہے کہ غزوۂ بدر انسانی تاریخ میں ایک ضرب المثل بن گیا ہے۔

Marfat.com

اس غزوہ نے فتح و شکست کے مادی پیمانے بدل کر نئے روحانی پیمانے اور انداز قائم کر دئے ہیں۔ فتح و شکست کے اسباب کو بھی اس نے ایک بالکل نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ کہ صرف ظاہری اسباب کارگر نہیں اصل قدر و قیمت باطنی اسباب کو حاصل ہے۔ یہ غزوہ زمان و مکان کی پابندیوں سے ماوراء ایسے حقائق پیش کرتا ہے جو غیر متبدل ہیں۔ یہ غزوہ خدا کی آیات میں سے ایک آیت ہے۔ مسلم جماعت اگر آج اپنی نشاۃ ثانیہ کے لئے جد و جہد کرنا چاہتی ہے تو اسے غزوۂ بدر کو نہائت غور و خوض سے سمجھ کر پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اسلامی تحریک کے ہر مرحلہ پر یہ غزوہ مسلم جماعت کے لئے عبرت و نصیحت کا سامان ہے۔ کیونکہ اس غزوہ نے جو میزان اور قدر و قیمت مقرر کی ہے وہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ اہل حق کے سامنے تو ہر دور میں اور ہر مقام پر اسی غزوہ کا نمونہ رہے گا۔ جن حالات میں یہ سب کچھ ہوا اور جو نتائج بر آمد ہوئے وہ دائمی اور کلی حیثیت رکھتے ہیں اسلام اور جاہلیت کی جنگ میں ہمیشہ اسی کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ

جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں تمہاری مدد کو بھیجوں گا

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا

ہزار فرشتے لگاتار آنے والے اور یہ تو دی اللہ نے فقط

بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا

خوش خبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور مدد نہیں مگر

Marfat.com

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ

اللہ کی طرف سے بیشک اللہ زور آور ہے حکمت والا جس وقت ڈال دی تم پر

النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً

اونگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی

لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ

کہ اس سے تم کو پاک کر دے اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ ؕ

اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے تمہارے قدم

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ

جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت رکھو

اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا

مسلمانوں کے میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں دہشت سو مارو

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

گردنوں پر اور کاٹو ان کی پور پور

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ

یہ اس لیے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور جو کوئی مخالف ہوا

Marfat.com

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ

اللہ کا اور اس کے رسول کا تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے یہ تو تم

فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے ہے عذاب دوزخ کا

اِسْتِغَاثَۃ[1] کا معنٰی ہے "طلب غوث"، اور غوث کا معنی ہے شدت و نقمت سے خلاصی دلانا۔ مُمِدُّكُمْ کا معنٰی ہے تمہارا مددگار اور تمہیں خلاصی دینے والا۔ مُرْدِفِيْنَ کا مصدر اِرْدَاف ہے جس کا معنٰی ہے کسی کو اپنے پیچھے سواری پر سوار کرنا۔ تَطْمَئِنَّ کا مطلب ہے کہ اُس زلزلے اور خوف سے دل سکون پائیں جو ابتداء میں انہیں لاحق ہوا تھا۔ يُغَشِّيْكُمُ یعنی تمہیں ڈھانپ رہا تھا اور تم پر چھا گیا تھا۔ النّعاس حواس میں فتور اور سر کے پٹھوں میں فتور کو کہتے ہیں جس کے بعد نیند آجاتی ہے۔ (یعنی اُونگھ) اس سے ادراک ضعیف ہو جاتا ہے لیکن وہ اُسے بالکل ہی زائل نہیں کرتا جب ادراک کو زائل کردے تو اسے نوم (نیند) کہتے ہیں۔ الرّجز، رجس اور رکس اُس چیز کو کہتے ہیں جو محسوس طور پر یا معنوی طور پر گندی اور قابل نفرت ہو۔ یہاں اس سے شیطانی وسوسہ مراد ہے اور قلوب کو مربوط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ثابت قدم اور صبر پر مضبوط و قادر بنا دیا جائے۔ الرّعب اس خوف کو کہتے ہیں جو دل کو بھردے۔

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ کا معنٰی ہے سروں پر۔ بَنَان ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی اطراف (پوروں) کو کہتے ہیں۔ شَاقُّوْا یعنی انہوں نے عداوت و مخالفت کی۔ عداوت کو مُشَاقّہ اس لئے کہتے ہیں کہ دو دشمن ایک دوسرے کی مخالف شق (جانب) میں

[1] تفسیر المراغی ج ۹ صہ ۱۷۲-۱۷۳

ہوتے ہیں۔

ابن جریر طبریؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے عبد اللہؓ بن عباسؓ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عمرؓ بن الخطابؓ نے بتایا کہ جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کی طرف نگاہ کی، وہ ۳۱۳ آدمی تھے۔ اور مشرکوں کی طرف نظر اٹھائی تو ایک ہزار یا اس سے بھی زائد تھے۔ پس خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رو ہو کر ہاتھ پھیلا دیئے اور خدا کو یوں پکار پکار کر دعا کرنے لگے!

"اے اللہ! تو نے جو وعدہ مجھ سے کر رکھا ہے اسے پورا فرما، اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری بندگی نہیں ہوگی۔ پھر ابو بکرؓ حضورؐ کی طرف آئے، انہوں نے آپؐ کی چادر پکڑ کر آپؐ کے کندھوں پر ڈال دی اور پیچھے سے آپؐ کو اپنے ساتھ چمٹا کر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! خداوند تعالیٰ سے آپ کی دعا کافی ہو گئی وہ اپنا وعدہ عنقریب پورا فرمائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ الخ پھر مسلمانوں نے کافروں کا مقابلہ کیا تو اللہ نے ان کفّار کو شکست دی۔ ان میں سے ستّر مارے گئے اور ستّر گرفتار ہو گئے۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ دعا کر کے (چھپر سے) باہر نکلے اور یہ فرما رہے تھے: "ابھی یہ کفّار کا مجمع شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔"

قرآن کے بتانے سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ جنگ میں فتح کے کچھ مادّی اور کچھ روحانی اسباب ہیں۔ اور اللہ کے کچھ مقررہ طریقے ہیں۔ اس کے ساتھ آپؐ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے توفیق دے دیتا ہے اور اس سے کمزوروں کو طاقت وروں پر، اور چھوٹی جماعتوں کو بڑی جماعتوں پر فتح یاب کر دیتا ہے لیکن اس سے خدا کی سنن و قوانین نہیں ٹوٹتے (یعنی دراصل یہ چیز بھی خدائی قوانین کے اندر داخل ہے!) اور ان سب کے اوپر اللہ تعالیٰ کے کچھ آیات و معجزات بھی ہیں جن سے وہ اپنے

Marfat.com

رسولوں کی تائید فرماتا ہے۔ سو جب آپؐ نے مسلمانوں کا ضعف اور قلت دیکھی تو خدا کو پکارا تاکہ اللہ تعالیٰ معنوی و روحانی قوت سے اُن کی تائید فرمائے جو مادّی و حسّی قوّت سے بھی زیادہ تر فتح کا باعث ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو آپؐ کی یہ دعا معلوم تھی وہ ایسے مشکل مواقع پر آپ کے اتباع میں یہی دعا کرتے اور خدا سے آپ کی مانند ورد مانگا کرتے تھے۔[1]

آیت ۱۰، ۹ : اسی طرح کی آیات سورۂ آل عمران میں نمبر ۱۲۴، ۱۲۵، جن میں فرشتوں کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک بیان کی گئی ہے۔ اگر واقعہ ایک ہے (یعنی اگر آلِ عمران کی آیات کا تعلق جنگِ احد سے نہ مانا جائے کیونکہ بعض علما کی رائے ہے کہ یہ وعدے جنگِ احد کے لئے تھے۔ مؤلف) تو کہا جائے گا کہ اوّل ایک ہزار کا دستہ آیا ہوگا، پھر اس کے پیچھے دوسرے دستے آگئے ہوں گے جن کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک پہنچی۔ شاید لفظ مُردِفین میں اسی طرف اشارہ ہو۔ (چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اوّلاً اُس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا۔ پھر مسلمانوں کی گھبراہٹ دور فرمانے کے لئے تعداد دگنی کر دی گئی۔ کیونکہ کفّار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی۔ اس کے بعد علّامہ شعبیؒ کی روایت کے مطابق جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر بڑی کمک لے کر مشرکین کی مدد کے لئے آرہا ہے تو ایک جدید اضطراب پیدا ہوگیا۔ اس وقت مزید تسکین و تقویت کے لئے وعدہ فرمایا کہ اگر تم صبر و تقویٰ سے کام لو گے تو ہم پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے۔ اگر مشرکین کی کمک بالکل ناگہانی طور پر آ پہنچے تب بھی فکر مت کرو خدائے تعالیٰ بروقت تمہاری مدد کرے گا۔ شاید پانچ ہزار کا وعدہ اس لئے رکھا ہو کہ لشکر کے پانچ حصّے ہوتے تھے ہر ایک حصّہ کو ایک ایک ہزار کی کمک پہنچا دی جائے گی۔ چونکہ کرز بن جابر کی مدد مشرکین کو نہ پہنچی اس

---

[1] فوائد القرآن صہ ۲۳۰

Marfat.com

بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہزار کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا چونکہ وہ کفار کی فوری کمک پر معلق تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ واللہ اعلم
(فوائد القرآن؛ سورۂ آل عمران ص ۸۵)

آیت ۱۱: بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے۔ بے سروسامان تھے۔ فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے تھے۔ مقابلہ پر اُن سے تگنی تعداد کا لشکر تھا جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا۔ مسلمانوں اور کافروں کی پہلی ہی قابلِ ذکر ٹکر تھی۔ پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان نشیب میں تھے۔ ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے۔ گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضو کی تکلیف دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائیدِ ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کُن اور یاس انگیز صورتِ حال پیش نہ آتی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے رحمتِ کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی۔ غسل و وضو کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہو گئی۔ گرد و غبار سے نجات مل گئی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ اور ابوبکرؓ صدیق رات بھر "عریش" (چھپر) میں مصروفِ دعا رہے۔ اخیر میں حضورؐ پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی۔ جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبرئیل تمہاری مدد کو آ رہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

Marfat.com

زبانِ مبارک پر جاری تھا۔ بہرحال اُس بارانِ رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جمنے لگے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔

آیت ۱۲-۱۴ : جنگِ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردارِ اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں متمثل ہو کر ابو جہل کے پاس آیا اور مشرکین کے دل خوب بڑھائے۔ کہ آج تم سے کوئی غالب نہیں آ سکتا اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے۔ ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا ابھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبریلؑ و میکائیلؑ کی کمان میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں متمثل ہو کر کفّار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوف زدہ کر رہے ہیں تو تم مظلوم و ضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ ادھر تم ان کی ہمّت بڑھاؤ گے اُدھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب اِنسی و جِنّی کافروں نے مل کر خدا اور رسولؐ سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے۔ سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے۔ آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الٰہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔

روایات میں ہے کہ بدر میں فرشتوں کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفّار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفّار سے الگ شناخت کرتے تھے خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر کبھی شیاطین الانس والجنّ ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہلِ حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی

Marfat.com

طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے تو فتح وغلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیّت وقدرت سے انجام پاتا ہے۔ اُسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی، اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو ان کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے۔ یہاں تو عالم تکلیف واسباب میں ذراسی تنبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا اور بس۔

۵ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبرؐ اور ان کے ساتھیوں کی فریاد قبول کر لی۔ حضورؐ نے فرمایا دیکھو یہ جبرئیل گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے مسلّح ہو کر آئے ہیں۔ مُرْدِفِيْنَ کا معنی ہے یکے بعد دیگرے آنے والے چنانچہ اوّلاً ایک ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہوا تھا۔ پھر تین ہزار ہو گئے۔ پھر پانچ ہزار جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں ہے۔ اس بات پر تو تمام مفسّرین کا اتفاق ہے کہ بدر کے روز آسمان سے مسلّح ہو کر مسلمانوں کی مدد کو فرشتے نازل ہوئے جو مسلمانوں کو بھی دکھائی دیئے مگر اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جنگ بھی کی یا نہیں؟ کتب احادیث سے جنگ کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص ایک مشرک پر حملہ کر کے دوڑا تو اس کے مارنے سے پیشتر ہی وہ زمین پر مرا پڑا تھا اور اس کے منہ پر کوڑے کا نشان تھا۔ اور کوڑے کی آواز کے ساتھ یہ آواز بھی سنائی دی تھی اَقْدِمْ حَيْزُوْمُ۔ بعض کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنگ نہیں کی صرف مسلمانوں کے اطمینان کے لئے نازل ہوئے تھے جیسا کہ اس جملہ: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى الخ سے پایا جاتا ہے کہ یہ صرف تمہارے اطمینان کے لئے تھا ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ مگر یہ بات توجیہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب فرشتوں کا جنگ کرنا تسلیم کر لیا جائے۔

لہ تفسیر حقانی ج ۴ صفحہ ۱۸۷-۱۸۸

Marfat.com

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ الخ یہ بھی جنگِ بدر کا واقعہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مضبوط کرنا چاہا تو خلافِ عادت ان پر نیند مسلّط کردی۔ اس نعاس یعنی نیند میں علماء کے دو قول ہیں اوّل یہ کہ جنگ سے پہلے رات کو حق سبحانہٗ نے مسلمانوں کو راحت کی نیند سلایا۔ جس سے سفر کی تھکن دور ہوگئی اور دل میں صبح کو قوی تھے۔ ایسے قلق و اضطراب میں کہ موت سامنے دکھائی دے رہی ہو نیند کا آجانا انعامِ الٰہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بوقتِ جنگ ایک ایسی حالت طاری ہوگئی جس سے اطمینان ہوگیا اور دل سنبھل گئے۔ یہ صاف معجزہ ہے عین صفِ جنگ میں سب کا اونگھنا خلافِ عادت ہے، روایات سے اس دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو نیند کے مارے جھک جھک نہ پڑتا ہو اور اسی لئے اسے اَمَنَۃً فرمایا گیا ہے۔ یعنی باعثِ امن و اطمینان اور راحت۔

یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً: اس مینہ سے کئی فائدے حاصل ہوئے اوّل یہ کہ مسلمان نہا دھو کر پاک و صاف ہوگئے، پانی خود پیا، جانوروں کو پلایا اور اس سے ریت پر پاؤں جمنے لگے۔ دوم شیطانی وسوسہ دور کردیا کہ پانی کے بغیر فتح مشکل ہے۔ سوم یہ کہ جسمانی آسائش اور آسمانی مدد کے آثار سے مسلمانوں کے دل قوی کردیئے۔ چہارم۔ ظاہری و باطنی ثابت قدمی حاصل ہوگئی۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ: یہ اس روز کا چوتھا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مسلمانوں کو ثابت قدم کرو۔ بظاہر ان کے شریکِ حال رہو۔ کیونکہ جب کوئی اپنے ساتھ ایک مددگار جماعت دیکھتا ہے تو اس کا دل قوی ہو جاتا ہے۔ یا اس طور سے کہ جس طرح شیاطین دل میں وسواس ڈالتے ہیں اسی طرح ملائکہ کو نیک خیال پیدا کرنے کا اختیار و قوّت حاصل ہے جس کو لمّہ و الہام کہتے ہیں۔ سو ملائکہ نے مسلمانوں کے دل میں بہادری القاء کی اور فتح و شکست کا مدار دلوں ہی کی قوت و ضعف پر ہے۔

Marfat.com

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ: یہ کلام بھی ملائکہ سے
متعلق ہے سو انہوں نے کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اسی طرح فَاضْرِبُوا
کا حکم بھی ملائکہ کو ہی ہوا تھا کیونکہ انہیں طریقِ جنگ معلوم نہ تھا۔ سو ان کو بتلایا
کہ ان مقامات پر مارو کہ اُن سے آدمی جلد نکما ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرینؒ کے نزدیک
یہ خطاب اہلِ ایمان داروں سے ہے اور مقصود اس سے یہ ہے کہ عضو رئیس یعنی
گردن و سر سے لے کر عضوِ خسیس تک جہاں قابو پاؤ مارو۔ اس جنگ میں عین
مقابلہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریت کی ایک مٹھی بھر کر ان کی طرف
پھینکی۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھوں میں نہ جا پڑی ہو۔ اس
موقع پر دلیران اسلام نے مار مار کر ڈھیر کر دیئے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی: یعنی خدا کی مدد کچھ فرشتوں پر موقوف
نہیں وہ یوں بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا۔ لیکن فرشتوں کا بھیجنا تمہارے اطمینان و
سرور کے لئے تھا۔ اور فرشتوں کا بھیجنا بھی مدد کی صرف ایک ظاہری صورت
تھی حقیقی مدد تو اللہ ہی کی تھی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی مدد کچھ اسباب کی محتاج نہیں
ہے۔

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ: یعنی اپنی قلت و ضعف اور
دشمنوں کی کثرت و تیاری کے خیال سے ایک خوف و رعب سا مسلمانوں پر طاری تھا
اس سے محفوظ کرنے کا طریقہ یہ اُونگھ تھی۔ جنگ اُحد میں بھی ایسا ہی ہوا تھا جیسا
کہ فرمایا ہے: ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا الخ یعنی رنج و غم
کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو غنودگی کی صورت میں تمہیں ڈھانکے ہوئے تھا۔
ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ جنگ اُحد کے روز مجھے بھی غنودگی آ گئی تھی کہ تلوار میرے ہاتھ سے
چھوٹ چھوٹ جاتی تھی۔ اور میں نے دوسرے لوگوں کو بھی سروں پر ڈھال رکھے

لہ تفسیر ابن کثیر ج ۹ ص ۷۹ - ۸۳

Marfat.com

نیند میں اونگھتے دیکھا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جنگ بدر میں یہ نیند رحمت و امن بن کر آئی تھی اور نماز میں یہی اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

لہ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ الخ یعنی جب تم کہہ رہے تھے کہ اے اللہ ہمیں اپنے دشمن پر فتح دے۔ اور اے مدد مانگنے والوں کی پناہ گاہ! ہماری فریاد کو سن کر ہماری مدد فرما۔ اور یہاں اس ذکر کے بیان کے لئے صیغۂ امر اختیار کیا گیا ہے (جو اِذْ کے بعد محذوف ہے!) تاکہ مسلمانوں پر نعمت خداوندی کا بیان کیا جائے کہ جب کوئی حیلہ نہ رہا اور شدت سے خلاصی کے لئے تم نے اللہ کو پکارا تو اس نے تمہاری پکار سنی۔

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ: یہ ہزار فرشتے آنے والے فرشتوں کے سردار اور ان میں سے برگزیدہ تھے کیونکہ سورۂ آل عمران میں بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ اور بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ وارد ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہزار، تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کی تعداد کا ثبوت ملتا ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ: یہ امداد ایک خوش خبری تھی کہ عنقریب تمہاری مدد کی جانے والی ہے۔ اور اس لئے کہ تمہارے دلوں کا اضطراب دُور ہو جائے اور ان میں سکون و اطمینان پیدا ہو جائے تاکہ جب دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم اور پُر یقین ہو کر لڑو۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ: یعنی خدا کی مدد فرشتوں پر یا دیگر اسباب پر موقوف نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح ظاہری و باطنی اسباب کو مسخر کر دیتا ہے اسی طرح وہ مدد و نصرت کا فاعل اور اس کی تسخیر کرنے والا بھی ہے۔ بالخصوص وہ چیزیں جن میں انسانی کسب کا دخل نہیں ہے مثلاً ملائکہ کو مسخر کرنا تاکہ وہ میدان

لہ تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۱۲، ۶۱۵، تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۷۳-۱۷۷

Marfat.com

میں مومنوں کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں اور ان کی ارواح کو ثابت قدمی اور اطمینان دلائیں۔
یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ فرشتوں کو اتارنے اور ان کے ساتھ ایمانداروں کی مدد کرنے کا ایک معنوی فائدہ تھا۔ اس لئے کہ گو روایات میں فرشتوں کا عملاً لڑائی کرنا بھی ثابت ہوا ہے لیکن اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو ان کے نزول سے اہلِ ایمان کے دلوں میں قوت و مضبوطی پیدا ہوتی۔ یہ نزولِ ملائکہ تو جنگِ بدر میں تھا۔ لیکن جنگِ اُحد میں نزولِ ملائکہ کا وعدہ صبر و تقویٰ کی شرطوں سے مشروط تھا۔ پس اس آخری شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ان کا نزول ضروری اور موعود نہ رہا۔

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ : ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی اونگھ ڈالی گئی جس نے انہیں بالکل گھیر لیا اور محیط ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی تعداد اور تیاری اور اپنی قلت و ضعف کی وجہ سے جو خوف تھا اس سے امن حاصل ہو گیا۔ کیونکہ جس پر اونگھ چھا جائے وہ خوف کا شعور نہیں رکھتا جیسا کہ خائف آدمی سو نہیں سکتا ہاں کبھی کبھی اونگھ جاتا ہے کیونکہ خوف سے اس کے حواس میں فتور اور اعصاب میں شکست واقع ہو جاتی ہے۔ آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اونگھ اثنائے جنگ میں تھی۔ اور یہ چیز خوف سے مانع تھی کیونکہ اونگھ جانا خطرے اور مصیبت سے ایک قسم کا ذہول اور غفلت ہے۔

وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً الخ ابن المنذر نے ابن جریر کے طریق سے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ مشرک ابتداء میں بدر کے پانی کے چشمے پر غالب آ گئے تھے کیونکہ وہ وہاں پہلے آ بیٹھے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو پیاس نے ستایا اور حالتِ حدث و جنابت میں نماز پڑھ لی۔ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ غم انگیز وسوسہ ڈالا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے اندر ایک نبی موجود ہے اور تم خدا کے دوست ہو حالانکہ تمہیں نماز حالتِ جنابت میں پڑھنا پڑ رہی ہے! پس اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمادی اور وادی میں پانی بہہ گیا۔ مسلمانوں نے پانی پیا، اس کا ذخیرہ بھی رکھ لیا، پاک و صاف ہو گئے اور نیچے ریت پر ان کے

Marfat.com

قدم جم گئے۔ اس طرح ابلیس لعین کا وسوسہ جاتا رہا۔

علامہ حافظ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر سے پہلی رات میں ایک بارش نازل فرمائی جو مشرکوں کے لئے تو موسلا دھار تھی کہ اس نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا اور ایمانداروں کے لئے ایک ہلکی بارش ثابت ہوئی جس نے انہیں پاک کر دیا، شیطانی وسوسے دُور کر دیئے اور زمین پر ان کے پاؤں اچھی طرح جما دیئے، ریت سخت کر دی اور انہیں ثابت قدم کر دیا، ان کی لشکرگاہ درست کر دی اور ان کے دلوں کو باہم مربوط کر دیا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ پانی کی طرف آگے بڑھے اور آدھی رات کو وہاں ڈیرے جما دیئے۔ اور انہوں نے حوض بنا کر پانی جمع کر لیا اور فالتو پانی ایک طرف کو بہا کر نکال دیا۔ اور حضورؐ اور آپؐ کے ساتھی ان حوضوں پر اُتر پڑے اور حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بلند ٹیلے پر ـــ جہاں سے میدانِ معرکہ خوب نظر آتا تھا ـــ ایک چھپرّ پاٹا گیا۔ حضورؐ میدانِ معرکہ میں تشریف لے گئے اور ہاتھ کے اشاروں سے بتایا کہ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں فلاں مشرک گرے گا۔ پس آپؐ کی بتائی ہوئی جگہ سے ایک بھی ادھر اُدھر نہیں گرا!

امام المغازی محمدؒ بن اسحاق نے فرمایا ہے کہ حبابؓ بن المنذر نے ـــ جہاں حضورؐ نے پہلے ڈیرہ لگایا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ـــ عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ جگہ جو آپؐ نے چُنی ہے کیا خدا کے حکم سے ایسا کیا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو ہمارے لئے چون وچرا کی گنجائش نہیں نہ ہم اس سے آگے پیچھے ہو سکتے ہیں۔ یا یہ محض ایک رائے اور جنگی چال ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کے حکم سے ایسا نہیں کیا یہ تو محض رائے اور جنگی تدبیر کے طور پر کیا گیا ہے۔ حُبابؓ نے عرض کیا کہ حضور! پھر یہ اُترنے کا مقام نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو لے کر آگے تشریف لے چلئے اور مشرکین کے قریب جو پانی کا چشمہ ہے وہاں ہمیں اترنا چاہیئے۔ اس کے اِردگرد جو

Marfat.com

پانی کے حوض یا کنوئیں گے ہم انہیں پاٹ دیں گے۔ اس پانی پر ہم حوض بنا کر پانی سے بھر لیں گے۔ پھر مشرکوں سے لڑیں گے، ہمیں پانی ملے گا اور مشرک ہمارے پانی کے قریب نہ آسکیں گے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے بہت اچھی رائے پیش کی ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس بارش کے چار فوائد تھے:

(۱) حسی طور پر مسلمانوں کو پاک کر دینا۔ نظافت اعضاء کو ہلکا پھلکا کر دیتی ہے اور دل میں سرور پیدا کرتی ہے۔ اور شرعی نظافت یعنی غسل و وضو وغیرہ کا فائدہ بھی اس سے حاصل ہوا۔

(۲) شیطان کے وسوسہ اور پلیدی کو دور کر دینا۔

(۳) دلوں کو مربوط کر دینا یعنی انہیں صبر پر آمادہ کر دینا اور ثابت قدم کر دینا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے: أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا الآیہ

(۴) اس بارش سے قدموں کو جما دینا۔ جس طرف مسلمانوں کا لشکر تھا وہاں ریت میں پاؤں دھنستے تھے، بارش نے ریت کو سخت کر دیا اور اس پر نقل و حرکت بہت آسان ہو گئی۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ الخ: یعنی لڑائی کے وقت ایک طرف تو بارش کی وجہ سے حسی طور پر اہل ایمان کے قدم میدان میں جم گئے اور دوسری طرف فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ روحانی اور باطنی طور پر انہیں قوی اور ثابت قدم کر دیں۔ وہ اس طرح کہ ان کے دلوں میں خدا کے ان وعدوں کا یقین پیدا کریں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ سے فرمائے تھے اور انہیں یاد دلائیں کہ وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ پس أَنِّي مَعَكُمْ میں معیت سے مراد جد و جہد کی جگہوں میں اور قتال کے شدائد کو برداشت کرنے کے لئے اعانت و نصرت اور تائید کی معیت ہے یہ ایک مخفی احسان تھا جسے اللہ تعالیٰ نے یہاں اس لئے ظاہر فرمایا ہے کہ ایمان والے اس پر اس کے شکر گزار رہیں۔

امام بیہقیؒ نے دلائل النبوت میں حدیث بیان کی ہے کہ میدانِ بدر میں فرشتے

Marfat.com

لوگوں کے پاس انسانوں کی شکل میں آتے تھے ــــ یعنی جانے پہچانے انسانوں کی صو
میں؟! ــــ اور کہتے تھے کہ تمہیں خوش خبری ہو۔ کافر کچھ نہیں اور اللہ تمہارے سا
ہے ان پر حملہ کر دو!

زجاج کا قول ہے کہ فرشتوں کی مومنوں کے لئے "تثبیت" اس طرح تھی
وہ ان کے دلوں میں ایسی چیزیں ڈالتے تھے جن سے ان کا عزم صحیح اور ارادہ پختہ
ہو جاتا تھا۔ فرشتے کو بھلائی کا القاء کرنے کی قوت دی گئی ہے۔ جسے الہا
جاتا ہے جیسا کہ شیطان کو شر کا القاء کرنے کی قوت ہے جسے وسوسہ کہتے ہیں۔

فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ الخ معرکۂ بدر کے اختتام پر رسول خدا صلی
علیہ وسلم قریش کے مقتولوں میں سے گزرے اور فرمایا نُفَلِّقُ ھَامًا (ہم کھوپڑ
اڑا دیتے ہیں!) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاعر کا شعر یوں پو
کر کے پڑھا:

نُفَلِّقُ ھَامًا مِّنْ رِّجَالٍ اَعِزَّۃٍ   عَلَیْنَا وَھُمْ کَانُوا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا

(ہم ایسے مردوں کی کھوپڑیاں اڑاتے ہیں جو ہمیں بہت عزیز ہیں، اگر کیا کیا
جائے یہی لوگ زیادہ قطع تعلق کرنے والے اور زیادہ ظالم تھے)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار قریش کے
اور مجبوراً بوجہ ضرورت و مصلحت ان کا یہ حال بنانے پر کتنا دکھ تھا۔ یہ مشر
ہی تو تھے جنہوں نے آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھی ایمانداروں پر بے پناہ ظلم
ستم ڈھائے تھے حتیٰ کہ انہیں ان کے محبوب وطن سے محض دشمنی اور تعدّی
کی راہ سے نکال دیا تھا اور جب وہ مدینہ میں چلے گئے تو وہاں بھی ان کا پیچھا
نہ چھوڑا تھا بلکہ ان پر قتال کو مسلط کر دیا تھا۔

ـــہ ان آیات میں معرکہ کے احوال اور دیگر متعلقات پر گفتگو کی گئی ہے۔

ـــہ فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۴۸ - ۲۵۵

Marfat.com

طرف تو مسلمانوں کا حال واضح ہو جائے اور دوسری طرف الٰہی تدبیر اور اس کے نتائج سامنے آ جائیں۔ قرآن کی بے مثال تعبیر معرکہ بدر کے واقعات و حوادث اور اثرات و نتائج کو ایک دائمی انداز بیان میں پیش کرتی ہے تاکہ پڑھنے والے اپنے آپ کو پھر ایک مرتبہ اسی میدان میں پائیں اور اسی ماحول میں سے بار بار گزریں۔ اس تعبیر نے معرکہ بدر کی حیثیت آفاقی، دائمی اور عالمگیر بنا دی ہے۔ ان آیات کو پڑھ کر یوں نظر آتا ہے کہ سارا معرکہ بدر خدا کے حکم و مشیّت اور تدبیر و قدر کے مطابق لڑا جا رہا ہے۔ خدائی لشکر اسے چلا رہے ہیں۔ عبارت قرآنی میں سے گزرے واقعات کی تصویر یوں نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے گویا یہ واقعات اب ہمارے سامنے سے گزر رہے ہیں!

استغاثہ اور خدا سے فریاد کرنے کا قصہ امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ بدر کے دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور ان کی تعداد تین سو سے کچھ ہی زائد تھی اور مشرکوں کی طرف دیکھا کہ وہ ایک ہزار یا کچھ کم و بیش تھے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور آپؐ اپنی چادر اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ آپؐ نے دعا مانگی کہ: "اے اللہ! مجھ سے جو تیرا وعدہ ہے اسے پورا فرما۔ اے اللہ مسلمانوں کی یہ مختصر جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت کبھی نہ ہوگی!" حضورؐ اسی طرح اپنے پروردگار سے استغاثہ اور دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپؐ کے کندھوں سے آپؐ کی چادر بھی نیچے گر گئی۔ پس حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ کی چادر پکڑ کر آپؐ کو دوبارہ اوڑھا دی۔ پھر پچھلی جانب سے آپ کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور کہا اے اللہ کے نبی! آپؐ نے اپنے رب سے کافی دعا کر لی ہے۔ وہ عنقریب آپؐ سے اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ الخ

جنگ بدر میں آنے والے فرشتوں کے متعلق بہت سی روایات تفاصیل بیان کرتی ہیں۔ ان میں ان کی تعداد، معرکے میں شامل ہونے کا طریقہ، اہل ایمان کو ثابت قدم کرنے کا طریقہ اور کفار و مشرکین کو ذلیل و رسوا کرنے کا ڈھنگ وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ہم ان تفاصیل میں نہ جائیں گے کہ یہ چیزیں عالم غیب کی ہیں اور ان کا بیان وہی درست ہو سکتا ہے جو کتاب وسنت صحیحہ میں آچکا ہے۔ پس اس آیت میں ان کی تعداد تو ایک ہزار آئی ہے کہ وہ لگاتار یکے بعد دیگرے آنے والے تھے۔ اور کام ان کا یہ تھا کہ وہ مومنوں کے دلوں میں صبر و ثبات القاء کرتے، کفار کے دلوں میں رعب ڈالتے اور ان کی گردنیں اور اعضائے جسم اڑاتے تھے۔ یہاں تفصیل کی حاجت نہیں۔ صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم اور ان کے دشمنوں کی زیادہ، مسلم جماعت کے ساتھ دین حق کی سربلندی میں ملائکہ بھی شریک تھے۔

امام بخاریؒ نے رفاعہؓ بن رافع زرقی سے روایت کی ہے کہ جبریلؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ تم لوگ اپنے اندر اہل بدر کو کیسا شمار کرتے ہو؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "وہ سب مسلمانوں سے افضل شمار ہوتے ہیں!" جبریلؑ نے کہا: "اسی طرح وہ فرشتے بھی دوسرے فرشتوں میں افضل ہیں جو جنگ بدر میں شامل ہوئے تھے۔"

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ: اس آیت میں ایک اعتقادی حقیقت بیان کی گئی ہے تاکہ مسلم کا دل اسباب سے ہی اٹک کر نہ رہ جائے۔ بلاشک حضورؐ کی دعا قبول کی گئی۔ مدد بھی بھیجی گئی اور قرآن نے اس کی خبر بھی دی مگر یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ یہ سب کچھ ایک بشارت تھی تاکہ دلوں کا اس سے اطمینان ہو جائے۔ مدد تو حقیقت میں صرف اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اسباب کا محتاج بھی نہیں۔ لیکن عالم اسباب میں اسباب اختیار کئے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے صرف اسی قدر کافی تھا کہ میدان میں جو کچھ ان کی قدرت

Marfat.com

میں تھا خرچ کر ڈالیں اور کچھ بچا کر نہ رکھیں۔ بعض مسلمانوں کو واقعی خطرہ دیکھ کر جو ایک اضطراب لاحق ہوا تھا اس پر غالب آجائیں۔ خدا کے حکم کی اطاعت میں اس کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہوئے کام کئے جائیں۔ جب انہوں نے یہ سب کچھ کر لیا تو ان کا کام ختم ہوا۔ اب معاملہ اس قدرت کے ہاتھ میں تھا جو ان میں الٹ پھیر کرتی اور ان کی تدبیر کرتی ہے۔ اس کے سوا جو کچھ بھی تھا بس اس کی حیثیت ایک بشارت کی تھی جس سے اطمینان پیدا ہو جائے اور یہ خطرے کے بالمقابل دلوں کو مضبوط اور ثابت قدم کرنے کے لئے تھا۔ نیز مسلم جماعت کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ خدائی لشکر کے اپنے ساتھ ہونے کا شعور رکھے تاکہ اس کے دل میں اطمینان پیدا ہو اور معرکے میں ثابت قدم رہے۔ جہاں تک مدد کا تعلق ہے وہ تو صرف اللہ وحدہٗ کی طرف سے آتی ہے اس کا مالک اس کے سوا کوئی نہیں۔

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ الخ: معرکہ سے قبل یہ اونگھ جو ایمانداروں پر طاری ہوئی تھی، دراصل یہ ایک عجیب و غریب نفسی حالت کا قصہ ہے۔ جو صرف خدا کے امر، تقدیر اور تدبیر سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ مسلمان تعداد میں بھی کم تھے اور انہوں نے تیاری بھی نہیں کی تھی۔ اس لئے میدانِ معرکہ میں ان کی اوّل اوّل گھبراہٹ ایک فطری اور واقعی امر تھا۔ اسی حالت میں اچانک ان پر اونگھ چھا گئی۔ جب اس سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سکون و اطمینان انہیں ڈھانپے ہوئے ہے اور طمانیت ان کے دلوں کو محیط ہے۔ اسی طرح یومِ اُحد میں بھی ہوا تھا کہ گھبراہٹ، اونگھ اور طمانینت سب کچھ بار بار آیا۔ میں جب ان آیات کو بار بار پڑھا کرتا تھا تو یوں احساس ہوتا تھا کہ یہ ایک گزشتہ واقعہ کی حکایت ہے جو اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کر رہا ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ میں خود ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ غروبِ آفتاب کا وقت تھا مجھ پر سخت تنگی اور قلق و اضطراب کا عالم تھا۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ

Marfat.com

چند منٹ تک مجھ پر ایک اونگھ طاری ہو گئی۔ جب میں اس کیفیت سے باہر آیا تو میں وہ پہلا انسان نہ تھا بلکہ ایک نیا انسان تھا۔ میرا نفس ساکن تھا، دل مطمئن تھا اور میں گہری پُر یقین طمانیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ اور یہ فوری تبدیلی کیونکر آ گئی؟ میں نہیں جانتا۔ لیکن اس کے بعد بدر و اُحد کا قصّہ پڑھتا ہوں تو صرف اپنی عقل سے نہیں بلکہ اپنے سارے وجود سے اس اُونگھ اور طمانیت کا ادراک کرتا ہوں۔ میں اسے اپنی حس میں زندہ جانتا ہوں صرف ایک تصوّر کے طور پر نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس میں کام کرنے والا اور خفیہ طور پر تبدیلیاں کرنے والا خدا کا ہاتھ ہے۔ اس پر میرا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں یُغَشِّیْکُم، نُعاس اور آمَنَۃً کے الفاظ مل جل کر ایک ہلکا سایہ فراہم کرتے ہیں۔ اور اس نظارے کی تصویر کھینچ کر اہلِ ایمان کے حال کو کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ ان سے اہلِ ایمان اور دوسرے لوگوں کی نفسی حالت ہمارے سامنے آ جاتی ہے اور فرق کھل جاتا ہے۔

وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمْ الخ: غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلم جماعت کی جو مدد فرمائی تھی اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا جو بارش کی صورت میں ظاہر ہوا اور یہ قصہ معرکے سے کچھ پہلے پیش آیا تھا۔ بارش کے اس قصّے کو ابن عباس نے ذرا سی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہ واقعہ حُبابؓ بن المنذر کے اس مشورہ سے قبل پیش آیا تھا جس میں انہوں نے بدر کے چشمہ پر اُترنے اور اسے درست کر کے پانی کو محفوظ کر لینے کی درخواست کی تھی، اور حضورؐ نے اسے قبول فرما لیا تھا (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے)

حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر میں فرمایا ہے کہ: مشہور یہ ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں پہنچے تو وہاں پہلا چشمہ (یا تالاب وغیرہ) جو آپؐ نے پایا اس پر تشریف لے گئے۔ پس حبابؓ بن المنذر نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ مقام آپ نے بحکم خداوندی منتخب فرمایا ہے؟ اگر ایسا ہے

Marfat.com

تو ہم اس سے آگے نہیں جا سکتے۔ یا آپؐ نے یہ جگہ بطور رائے اور جنگی تدبیر کے پسند فرمائی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ حکم خداوندی سے نہیں بلکہ بطور تدبیر جنگ اسے اختیار کیا ہے۔ حضورؐ سے حبابؓ بن المنذر نے اس پر کہا کہ یا رسول اللہ اگر یہ بات ہے تو یہ جگہ اترنے کی نہیں۔ آپؐ آگے تشریف لے چلیں۔ کفار قریش کے قریب ترین پانی پر اتریں۔ ہم اس کے ارد گرد کو گھیرا کر لیں گے اور حوض تیار کر لیں گے۔ چشموں کا پانی حوضوں میں آ جمع ہو گا۔ اس طرح پانی کا ذخیرہ ہمارے پاس ہوگا ان کے پاس نہیں۔ حضورؐ نے ایسا ہی کیا۔

پس بارش والا واقعہ حضرت حبابؓ بن المنذر کے مشورہ پر عمل سے پہلے گزر چکا تھا۔ بارش کی یہ مدد دوہری مدد تھی۔ مادی اور روحانی! کیونکہ صحرا میں پانی کا وجود نہ صرف نصرت الٰہی ہے بلکہ زندگی کا مادہ ہے۔ اور ریگستان میں جو لشکر پانی سے محروم ہو جائے وہ میدان معرکہ میں آنے سے قبل اپنے اعصاب کو گم کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ نفسیاتی کیفیت تھی جس کے باعث شیطان کو وسوسے کا موقع ملا۔ کیونکہ ابھی تیمم کا حکم بھی نہیں اترا تھا۔ یہ حکم ۵ھ میں غزوۂ بنی المصطلق میں آیا ہے۔ پس شیطان کے لئے پورا موقع موجود تھا کہ ہوا جس و وساوس کو ابھارے اور دل میں ایمان کی راہ سے داخل ہو کر تنگی اور اضطراب پیدا کر دے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو دل اس قسم کا قلق اور اضطراب لے کر میدان معرکہ میں اُتریں وہ در اصل اندر سے کھوکھلے اور شکست خوردہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے بارش نصرت الٰہی بن کر آئی اور مسلمانوں کو ہر لحاظ سے تھام لینے کا باعث ہو گئی۔ روحانی مدد مادی مدد سے پوری ہو گئی، پانی کے وجود سے دلوں میں سکون پیدا ہو گیا، طہارت کر لینے سے ارواح میں اطمینان آ گیا اور ریت سخت ہو کر قدم جمنے کا سبب بن گئی۔

اب رہ گیا فرشتوں کا نزول۔ سو اس بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ خدا کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ایسی ہے جس کا نام ملائکہ ہے۔ لیکن ان کی طبیعت و فطرت

Marfat.com

کے بارے میں ہمیں صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا کہ ان کے خالق نے خود بتا دیا ہے۔ اس لئے ہمیں اس کیفیت کا ادراک نہیں ہو سکتا جس سے وہ جنگ بدر کے دن نصرت میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ صرف اسی قدر معلوم ہے جتنا نصِّ قرآنی بتا رہا ہے کہ انہوں نے ایمانداروں کو ثابت قدم کیا، رہی یہ بات کہ اس "تثبیت" کی کیفیت کیا تھی؟ سو وہ ہمیں معلوم نہیں۔ کیونکہ یہ کیفیت تو اس بات کی فرع ہے کہ پہلے ہم ملائکہ کی طبیعت و فطرت کو جانیں۔ اور اس سلسلے میں ہمارا علم صرف اطلاع خداوندی تک محدود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے گا۔ سو ایسا ہی ہوا کیونکہ اس کا وعدہ برحق ہے اور ہم اس کی کیفیت کے علم سے بھی محروم ہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ الخ مسلم جماعت کے لئے خدا کی مدد، اس کے دشمن پر رعب کا مسلّط کیا جانا اور مسلم جماعت پر فرشتوں کا نزول یہ سب کچھ یونہی اتفاقاً نہیں ہو گیا۔ بلکہ یہ اللہ کا ایک قاعدہ اور سنّت ہے جب بھی مسلم جماعت زمین میں خدا کی اُلوہیّت کو ثابت و قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرتی ہے اور کوئی دشمن اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور خدا و رسول کی عداوت و دشمنی کا ثبوت دیتا ہے تو ثابت قدمی و نصرت مسلم جماعت کے حصے میں اور رعب و ہزیمت اعدائے دین کی قسمت میں آتی ہے۔ جب تک مسلم جماعت سیدھی راہ پر قائم رہے گی اسے نصرت و تثبیت حاصل رہے گی اور راہِ حق پر چلتے ہوئے جب تک وہ توکّل و اطمینان کا ثبوت دیتی رہے گی، خدا کی مدد اس کے شامل حال رہے گی!

کفّار کا یہ انجام تو اس دنیا میں ہے مگر معاملہ اسی پر بس نہیں ہو جاتا، بلکہ کافروں کے لئے ایک اور عذاب بھی ہے جو جہنم کی آگ کی صورت میں ان کے لئے بنا رہا ہے۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا

اے ایمان والو جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں

فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

تو مت پھیرو ان سے پیٹھ اور جو کوئی ان سے پھیرے

دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ

پیٹھ اس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں

فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

سو وہ پھرا اللہ کا غضب لے کر اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا برا

الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص

ٹھکانا ہے سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ

اور تو نے نہیں پھینکی خاک کی مٹھی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور تاکہ کرے

الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان بیشک اللہ ہے سننے والا جاننے والا

Marfat.com

ذٰلِکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ مُوْہِنُ کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا

یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سست کر دیگا تدبیر کافروں کی — اگر تم چاہتے ہو فیصلہ

فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ ج وَاِنْ تَنْتَہُوْا فَہُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ج

تو پہنچ چکا تمہارے پاس فیصلہ — اور اگر — باز آؤ — تو تمہارے لئے بہتر ہے

وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ج وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْکُمْ فِئَتُکُمْ شَیْئًا

اور اگر پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کریں گے۔ اور کچھ کام نہ آئے گا تمہارے تمہارا جتھا

وَّلَوْ کَثُرَتْ ط وَاَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۱۶

اگرچہ بہت ہوں — اور جان لو کہ اللہ ایمان داروں کے ساتھ ہے

زَحْفًا:[1] زحف کا اصل معنی ہے زمین پر گھسٹنا، مثلاً سانپ جو اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے یا بچہ جو چوتڑوں کو زمین پر گھسیٹ کر چلتا ہے یا گھٹنوں کے بل چلتا ہے اسے زحف کہتے ہیں۔ اسی طرح جو جانور آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چلے، مثلاً چھوٹی ٹڈیاں، ان کی حرکت کو بھی زحف کہتے ہیں۔ اور لشکر جو دشمن کی طرف چل رہا ہو وہ بھی چونکہ اپنی کثرت و تکاثف کے باعث یوں نظر آتا ہے کہ گویا گھسٹ کر چل رہا ہے، اس رفتار کو بھی زحف کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ سارے کا سارا ایک جسم نظر آتا ہے اور اس کی حرکت اگرچہ فی الواقعہ تیز ہی کیوں نہ ہو، بہت سست نظر آتی ہے۔ گویا رینگ کر چل رہا ہے۔ الادبار دُبُر کی جمع ہے جس کا معنی پیٹھ ہے اور اس کا مقابل قُبُل ہے۔ اسی لئے بطور

[1] تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۷۸-۱۷۹

Marfat.com

کنایہ ان الفاظ سے انسان کی اگلی اور پچھلی شرم گاہ بھی مراد لی جاتی ہے
تولیتہ الأدبار سے مراد شکست کھا کر بھاگ جانا ہے کیونکہ شکست خوردہ ایسا ہی کرتا ہے اور اپنے دشمن کو پیٹھ دکھاتا ہے۔ متحرّفاً لقتال حرف سے نکلا ہے جس کا معنیٰ طرف ہے۔ اور متحرّف وہ شخص ہے جو ایک جانب سے دوسری کو چلا جائے۔ فِئَة کا معنیٰ ہے لوگوں کا ایک گروہ اور جماعت۔ مَأْوٰی کا معنیٰ ہے جائے پناہ جس کی طرف انسان پناہ لیتا ہے۔ مُوهِنُ ضعیف کرنے والا۔ کید کا معنیٰ ہے خفیہ تدبیر جس کا ظاہر کچھ اور ہو اور اندر سے مراد کچھ اور ہو۔ اور جب اصل حال کھل جائے تو تدبیر کرنے والے کا انجام برا ہو۔ استفتاح کا معنیٰ ہے فتح طلب کرنا، کسی معاملے کا فیصلہ چاہنا، جیسے جنگ میں مدد چاہنا۔

ان آیات میں ایک عام حکم بیان فرمایا گیا ہے جو زمانۂ آئندہ میں جنگوں اور معرکوں میں پیش آنے والا تھا۔ قصۂ بدر کے ضمن میں اسے اس لئے بیان فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کی نگرانی کرنا بہت اہم تھا اور مسلمانوں کو اس پر ترغیب دینا مدّ نظر تھا۔

آیت ۱۵ : "فرار من الزحف" (جہاد میں سے نکل کر بھاگنا اور کفّار کو پیٹھ دکھانا) بہت سخت گناہ "اکبر الکبائر" میں سے ہے۔ اگر کافر تعداد میں مسلمانوں سے دگنے ہوں تو اس وقت فقہا نے پیٹھ پھیرنے کی اجازت نہیں دی۔[ل]

آیت ۱۶ : یعنی اگر پسپائی کسی جنگی مصلحت سے ہو، مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ مؤثر ہے یا ایک جماعت سپاہیوں کی مرکزی فوج سے جدا ہو گئی وہ اپنے بچاؤ کے لئے پسپا ہو کر مرکز سے ملنا چاہتی ہے، تو ایسی پسپائی جرم نہیں۔ گناہ اس وقت ہے جب کہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو۔

ل فوائد القرآن ص ۲۳۱

Marfat.com

آیت ۱۷ : جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضورؐ نے ایک مٹھی کنکریاں لشکرِ کفّار کی طرف پھینکیں اور تین مرتبہ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فرمایا۔ خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے، وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ اِدھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا، آخر بہت سے کفّار کھیت رہے اُسی کو فرماتے ہیں کہ گو بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں، لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلّح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں، یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیئے، تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زورِ بازو سے کافروں کے ایسے مُسٹنڈے مارے جاتے۔ یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اُس نے ایسے متکبّر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا! ہاں! یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور ان میں وہ فوق العادۃ قوّت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور خوب طرح احسان کیا جائے۔ بیشک خدا مومنین کی دعا و فریاد کو سُننا اور ان کے افعال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ مقبول بندوں پر کس وقت کس عنوان سے احسان کرنا مناسب ہے۔

آیت ۱۸ : یعنی اس وقت بھی خدا نے کفارِ مکّہ کے سب منصوبے خاک میں ملا دیئے اور آئندہ بھی ان کی تدبیروں کو سُست کر دیا جائے گا۔

آیت ۱۹ : یہ خطاب کُفّارِ مکہ کو ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے حضورؐ کو کہا کرتے تھے : مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؟ یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہو گا ؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہو گا مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدانِ بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارقِ عادت

Marfat.com

طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری ہے ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجامِ کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعاء کی تھی کہ خداوندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ و اکرم ہو اُسے فتح دے اور فساد مچانے والوں کو مغلوب کر۔ فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ میں اس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی اعلیٰ و افضل تھے اُن کو فتح مل گئی اور وہ مفسد ذلیل و خوار ہوئے۔

ل زحف کا معنی ہے آہستہ آہستہ قریب ہونا۔ اصل لغت میں زحف سرین کے بل چلنے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد ایک لشکر کا دوسرے سے مقابل ہونا ہے اس آیت میں بجز۔ دو صورتوں کے مقابلۂ کفّار سے بھاگنا حرام قرار دیا گیا ہے ایک یہ کہ حیلہ اور داؤ مقصود ہو، بظاہر بھاگنا معلوم ہو مگر پلٹ کر مارنا مقصود ہو۔ دوم یہ کہ بھاگ کر لشکرِ اسلام میں آملنا مقصود ہو۔ جمہور کے نزدیک یہ حکم عام ہے مگر آگے آنے والی آیتِ تخفیف سے یہ بھاگنا اس وقت میں حرام ہے جب کہ کافر برابر یا دو چند ہوں۔ اور جب کہ سہ چند یا اس سے بھی زیادہ ہوں تو اس صورت میں جان بچانے کے لئے بھاگنا جائز ہے اور احادیث صحیحہ میں مقابلۂ کفار میں بھاگنا ان سات گناہِ کبیرہ میں شمار ہوا ہے جو باعث ہلاکت ہیں۔

يَوْمَئِذٍ سے مراد جمہور کے نزدیک یوم الزحف ہے نہ کہ یوم بدر

ل تفسیر حقانی ج ۴ ص ۱۸۹ - ۱۹۰

Marfat.com

یہ آیت جنگ بدر کے بعد اُتری ہے اس لئے یَوْمَئِذٍ سے مراد جنگ بدر نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا حکم عام ہے۔ لیکن ابو سعیدؓ، ابو نضرہؓ، عکرمہؒ، نافعؒ، حسنؒ، قتادہؒ اور ضحاکؒ کہتے ہیں کہ یَوْمَئِذٍ سے مراد جنگ بدر ہے کیونکہ یہ پہلی جنگ تھی اس لئے یہ حکم اس کے ساتھ خاص ہوا۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ الخ امام مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ جنگ بدر کے بعد بعض کہتے تھے کہ میں نے یوں کیا، کوئی کہتا تھا کہ میں نے فلاں بہادری کی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے فضل سے ہوا۔ بلکہ نبی علیہ السلام نے بھی جو بوقت مقابلہ ریت اور کنکروں کی مٹھی پھینکی تھی کہ جس سے وہ سب آنکھیں ملتے رہ گئے تھے اور مسلمانوں نے ان کا کام تمام کر دیا تھا یہ بھی قدرت الٰہی کا ہی کرشمہ تھا۔ اس جملہ سے ہمیشہ کے لئے عُجب و انانیت کا خاتمہ کر دیا۔

[1] علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ والی آیت اگرچہ جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا حکم بھی صرف اسی جنگ سے مخصوص ہو۔ بلکہ حکم عام ہے۔ چنانچہ جنگ اُحد کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ فرمائے ہیں: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ الخ پھر بدر سے تقریباً سات برس بعد جنگ حُنین ہوئی تو اس کے متعلق فرمایا: ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ اور ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو! (۱) شرک باللہ (۲) جادو کرنا (۳) کسی کو ناحق قتل کر دینا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھا جانا (۶) جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا (۷) پاک دامن بے گناہ عورتوں پر الزام لگانا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آیت کا حکم عام ہے ورنہ اُسے سات

---

[1] تفسیر ابن کثیرؒ پ ۹ ص ۸۵

Marfat.com

ہلاک کرنے والی چیزوں میں ذکر نہ کیا جاتا۔

نیک کام کی توفیق و ہمت اور قدرت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ علاوہ ازیں بندوں کے افعال کا خالق بھی وہی ہے اس لئے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا ہے۔ تمہاری طاقت میں یہ کہاں تھا کہ اتنے کم اور کمزور ہونے کے باوجود اتنی کثیر التعداد مسلّح فوج کو شکست دے دیتے؟ یہ کامیابی اللہ نے ہی دی ہے ایک اور آیت میں فرمایا: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ یہی مضمون اور آیات میں بھی آیا ہے: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ الخ کامیابی کثرت تعداد اور اسلحہ پر نہیں بلکہ وہ تو منجانب اللہ ہے: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ الخ یہ یوم بدر کا واقعہ ہے اور اسی قسم کا واقعہ حنین میں بھی پیش آیا تھا۔ حکیم ابن خزام سے روایت ہے کہ بدر کے روز ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی کہ گویا تھال میں ڈال کر کنکر ہلا دیئے گئے ہوں، یہ حضرت کے مٹی اور کنکر پھینکنے کی آواز تھی۔ چنانچہ اس کے بعد کفار کو ہزیمت ہو گئی تھی (حکیم بن خزام اس وقت خود بھی لشکر کفار میں تھے)

وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا: تاکہ اللہ ایمانداروں کا خوب امتحان کرے اور وہ اللہ کی اس نعمت کو معلوم کر لیں کہ دشمن کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود اللہ ہی نے ہمیں فتح و غلبہ دیا ہے اور وہ اس پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

[1] زَحْفًا اس آیت میں الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سے حال واقع ہوا ہے۔ کیونکہ وہ کفار ہی تھے جو مکّہ سے مدینہ کی طرف چڑھائی کر کے مسلمانوں کے قتال کے لئے میدان بدر میں آئے تھے۔

---

[1] تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۱۶ - ۶۲۵، تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۷۹ - ۱۸۳

وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ: جو شخص میدانِ مقابلہ سے ان دو صورتوں کے علاوہ پیٹھ پھیر جائے وہ جہنمی ہے۔ پہلی صورت یہ کہ حیلہ کر کے کسی ایسے مکان یا جگہ میں جانا چاہتا ہے جس کی اس کے نزدیک قتال میں زیادہ حاجت ہے اور وہ جنگی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم ہے۔ یا وہ ایک جنگی چال کے طور پر مثلاً دشمن کو دکھانے کو پسپا ہو رہا ہے حتیٰ کہ دشمن جب اس کا پیچھا کرتا ہو اور دور آ جائے تو اس پر ٹوٹ پڑے، یہ صورت دشمن کے قتل و ضرب کے لئے زیادہ کارگر ثابت ہوگی۔ یا بصورتِ دیگر وہ اپنی مقررہ جگہ سے مومنوں کی کسی جماعت کو مدد پہنچانے کے لئے، جب کہ وہ کمزوری محسوس کرتے ہوں اور انہیں مدد کی ضرورت ہو، اس جماعت کی طرف بظاہر پسپا ہو کر چلا جاتا ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ شکست کھا کر بھاگنا اور دشمن سے جان بچانے کے لئے پسپا ہونا خود باعثِ ذلّت و ہلاکت ہے۔

چونکہ شکست کھا کر بھاگنے والا ہلاکت سے بچنا چاہتا ہے اس لئے اُسے آخرت میں دائمی ہلاکت و عذاب کی سزا سنائی گئی ہے۔ گویا اس کے ارادے اور غرض کی ضد کو اُسے بطور سزا اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں یہ دلالت موجود ہے کہ میدانِ جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی صحیح حدیث میں اسے سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار فرمایا گیا ہے۔

بعض علماء نے اس حکم کو اس صورت کے خاص کیا ہے جب کہ کفار مومنوں سے دوگنے ہوں اس سے زائد نہ ہوں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان کافروں کے بالمقابل ہوں اور دشمن کی تعداد ان کی تعداد سے دوگنی ہو تو مسلمانوں پر پیٹھ پھیرنا سوائے ان دو صورتوں کے حرام ہے ایک یہ کہ بطور جنگی چال کے ایسا کریں، دوسری یہ کہ کسی مسلم جماعت سے ملنا مدِّ نظر ہو۔ اور اگر مشرک دوگنے سے زیادہ ہوں تو بھی مسلمانوں کو پیٹھ پھیرنا اچھا نہیں۔ لیکن اس صورت میں اگر خدانخواستہ وہ اُن دو بیان کردہ صورتوں کے علاوہ بھی پیٹھ پھیر جائیں گے

Marfat.com

تو فعل حرام اور خدا کی ناراضگی کے مستحق نہ ہوں گے۔ عبد اللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ جو شخص تین سے بھاگا وہ نہیں بھاگا ہاں جو دو سے بھاگ گیا اُسے فراری شمار کیا جائے گا (لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت کے لئے ہے جب کہ مسلمان تعداد میں بھی کافی ہوں ورنہ یہ حکم نہ ہو گا۔ مثلاً جنگ بدر میں بالفعل کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی اور مسلمانوں کے لئے تعداد کو زیادہ کرنا ممکن نہ تھا لہذا یہ صورت اس حکم سابق سے ــــ یعنی جو امام شافعیؒ نے بیان فرمایا ہے ــ مستثنیٰ ہو گی۔ علیٰ ہذا القیاس مثلاً ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کے مسلمان اور ان کی باضابطہ فوجیں تعداد میں دشمن سے تقریباً پانچ گنا کم تھیں۔ لیکن اس وقت ان کے لئے زندگی اور موت کا معاملہ درپیش تھا لہذا یہ بھی اُس دُگنے والے حکم سے مستثنیٰ صورت ہے۔ کیونکہ جب تعداد قدرتی طور پر نصف تک پہنچ ہی نہ سکتی ہو تو پھر وہ حکم کیسے ہو سکتا ہے؟ واللہ اعلم بالصواب۔ مؤلف)

چنانچہ علامہ سید رشید رضا مرحوم نے تفسیر المنار (جلد ۹ صہ ۶۱۸) میں فرمایا ہے کہ بعض علماء نے اس حکم کو اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے کہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے دُگنی سے زیادہ نہ ہو۔

اور یہاں تو یہ حکم مطلق رکھا گیا ہے لیکن آگے چل کر اس میں تخصیص کی گئی ہے: اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا (۶۶) اس تخصیص کو بعض علمائے متقدمین نے نسخ کا نام دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زیر تفسیر آیت کا حکم (کہ کسی صورت میں فرار جائز نہیں!) جنگ بدر سے خاص تھا جیسا کہ جناب عمرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعیدؓ الخدری، ابو بصرہؓ عکرمہ، نافعؒ، حسن بصری، قتادہ، زیدؒ بن ابی حبیب اور ضحاکؒ سے منقول ہے کہ اس آیت نے فرار کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے اور اس کا حکم جنگ بدر (یا اس جیسے دوسرے مواقع۔ مؤلف) کے ساتھ خاص ہے۔ ورنہ عام حالات میں جب کہ مسلمانوں کی تعداد بھی کفار سے نصف سے کم نہ ہو، وہ حکم ہے جو امام شافعیؒ کے

Marfat.com

حوالہ سے گزرا۔ جنگِ بدر کی خصوصیت اس لئے ہے کہ وہ اسلام کا پہلا غزوہ تھا اگر مسلمان خدانخواستہ اس میں ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوتے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ان میں موجود تھے، تو فتنہ نہایت شدید اور بڑا ہوتا۔ علاوہ ازیں اس غزوہ میں مسلمانوں کی فرشتوں سے تائید کی گئی تھی جو انہیں ثابت قدم رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فتح وغلبہ کا وعدہ فرما رکھا تھا اور دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا۔ علاوہ ازیں رسولِ خدا صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو جنگوں میں منہ پھیر لینے (تولّی) سے آزمایا تھا۔ ایک تو جنگِ اُحد میں جس کے متعلق قرآن کہتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ الآیۃ: آلِ عمران آیت ۱۵۵

اور دوسرا جنگِ حُنین کا موقع تھا جس کے متعلق فرمایا ہے: ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ الخ التوبہ ۲۵، ۲۶

اور یہ سب کچھ اس کے منافی نہیں ہے کہ منہ پھیرنا حرام ہے اور کبائر میں سے ہے۔ نیز اس کا یہ اقتضاء بھی نہیں ہے کہ آیتِ الانفال میں جو دو مستثنیٰ سبب بتائے گئے ہیں ان کے علاوہ ہر تولّی خدا کے غضبِ عظیم اور جہنّم کے بدترین ٹھکانے کا سبب بن جائے۔ بلکہ کبھی اس سے ہلکے نتیجہ و انجام کا باعث بھی ہوتی ہے۔ اور وہ اسی صورت میں آنے والی اپنے سے دگنی تعداد سے مُقیّد ہوتی ہے یا جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت میں ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، وہ اس کے عموم میں داخل ہوتی ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ: یعنی اے ایمان والو! کفار سے کبھی پیٹھ مت پھیرو کیونکہ تم اُن کی نسبت صبر و ثبات کے زیادہ حقدار ہو اور پھر اس طرح تمہیں الٰہی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو! تمہاری قلّتِ تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود اور کفار کے کثیر التعداد اور مسلّح ہونے کے باوجود جنگِ بدر

Marfat.com

میں کسی طرح تمہاری مدد کی گئی۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تائید، تمہارے دلوں کو مربوط کر دینے اور تمہیں ثابت قدم کر دینے کی وجہ سے ہوا۔ پس تمہارا انہیں یوں قتل کر ڈالنا کہ ان میں سے بہت کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، یہ تمہاری تعداد اور تیاری سے نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ہاتھوں سے قتل کیا ہے کیونکہ ملائکہ تمہیں روحانی تائید و تثبیت پہنچا رہے تھے اور اللہ نے کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا۔ بالکل یہی وہ مضمون ہے جو سورۂ توبہ میں یوں وارد ہوا ہے: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ (التوبہ : ۱۴)

مومن کافر کی نسبت صبر کا زیادہ مستحق اور اس کے زیادہ لائق ہے اور وہ نصرت کے عوامل میں سے بہت بڑا سبب ہے۔ مومن دوسروں کی نسبت دنیوی متاع کا کم حریص ہے، خدا سے اور قیامت کے دن کی کامیابی کے بارے میں اسے زیادہ امید ہے۔ اسی مضمون کو ایک اور آیت میں یوں مؤیّد فرمایا گیا ہے: وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ٥

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى : ریت کی مٹھی جو آپؐ نے ہوا میں پھینکی تھی، عام حالات میں تو اس کی یہ تاثیر نہیں ہو سکتی تھی جو بالفعل واقع ہوئی۔ یہ تاثیر اللہ نے پیدا کی تھی کہ اس مٹی کے قلیل ہونے کے باوجود سب کفار کے چہروں پر اسے پھینک دیا یا پہلے اسے کثیر بنایا اور پھر اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک کی آنکھوں تک پہنچایا۔ عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ بدر میں اللہ سے فریاد کی کہ: "اے میرے پروردگار اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری عبادت کبھی نہ ہو گی!" تو جبرئیلؑ نے آپ سے کہا کہ مٹی کی ایک مٹھی لے کر ان کفار کی طرف پھینک دیجئے۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ سو کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی

Marfat.com

آنکھوں، نتھنوں اور منہ میں وہ مٹی نہ پڑی ہو۔ اس کے نتیجہ میں انہیں شکست ہوگئی۔
مسلمانوں کے کافروں کو قتل کرنے میں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ان میں مٹی کی مٹھی سے مارنے میں فرق یہ ہے کہ پہلی چیز تو مسلمانوں کی قدرت میں داخل ہے اور خدا کی سُنن جو دنیوی اسباب میں ہیں ان کے تحت میں داخل ہے۔ لیکن دوسری چیز جوان سب تک پہنچی اور ہزیمت کا باعث ہوئی یہ اسباب عادیہ میں سے نہیں تھی! نہ تو اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا تھا جیسا کہ آپ کے اصحابؓ کا مشرکین کی گردنوں کو اڑانا دیکھا جا سکتا تھا، اور یہ غیر مُشاہد اسباب میں سے تھا۔ کیونکہ خاک کی ایک مٹھی ان سب کی آنکھوں میں جا پڑنے اور سب کے چہرے پھر جانے کا باعث نہیں ہو سکتی تھی، وجہ یہ کہ پھینکنے والا ان لوگوں سے دُور تھا اور ان سب کفار کا منہ پھینکنے والے کی طرف نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی ضرورت سمجھی کہ مسلمانوں کے فعلِ قتل کی کمی اور اس کے مستقل سبب نہ ہونے کو بیان فرمایا جائے اور یہ بیان کیا جائے کہ اگر خدا کی تائید اور مدد نہ ہوتی تو اُن کا کسب محض اس قتل تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ پیچھے گذر چکا ہے کہ ان میں سے بعض تو قتال ہی کو سرے سے ناپسند کرتے تھے اور اس بارے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے تھے کہ ہم لڑائی کے خیال سے کوئی تیاری کر کے نہیں آئے۔ پس مسلمان اگر اپنے ضعف وقلت اپنی حالت پر رہتے تو اسبابِ عادیہ کا تقاضاء یہ تھا کہ مشرک انہیں بالکل ہی مٹا ڈالیں۔
پس قتل میں خدا کے فعل اور رمی میں اس کے فعل میں یہ فرق ہے کہ پہلے سے مراد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے تمام عادی اسباب کی مانند اور نہ اختیاری کسب کے طور پر اسبابِ قتل کو مسخر فرما دیا تھا۔ پس تمام انسانی افعال اور کسب کی مانند غایت کا حصول صرف ان کے فعل و کسب پر منحصر نہ تھا بلکہ یہ اللہ کا فعل اور اس کی تسخیر تھی جو اس نے بظاہر مادی اسباب کے ضمن میں ٹھہرا دی تھی گو عادۃً ان کا کسب واختیار اس اسباب تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں بھی اس چیز کو واضح فرمایا ہے: " بھلا بتاؤ تو سہی تم جو کچھ

Marfat.com

بوتے ہو، کیا تم اُسے اُگاتے ہو یا ہم ہی اُگانے والے ہیں ؟" کیونکہ انسان زمین کو تیار کرنے اور اس میں بیج ڈالنے پر تو قادر ہے لیکن بارش اتارنے اور دانہ اُگانے پر قادر نہیں۔ نہ مٹی کے مختلف عناصر سے اسے غذا بہم پہنچا سکتا ہے اور نہ بعض تباہ کن مصائب و آفات کو اس سے دُور کر سکتا ہے۔

اور دوسری چیز یعنی رمی صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ کا فعل تھا اس کی تاثیر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عادی کسب کو کوئی دخل نہ تھا۔ بلحاظِ صدورت رمی کا فعل آپؐ سے واقع ہوا تاکہ یہ معجزہ آپؐ کے ہاتھ پر ظاہر کیا جائے آپؐ کا حال اس معاملے میں بالکل آپؐ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی مانند تھا کہ وہ عصا پھینکتے تو وہ فوراً ایک سانپ بن کر دوڑنے لگتا تھا۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا : یعنی جو اوپر بیان ہوا اللہ نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ اپنی حجت کو قائم کرے، اپنے رسولؐ کی تائید کرے اور مسلمانوں کی مدد کر کے، انہیں غنیمت دلوا کر اور ان کی اچھی شہرت سے ان کی آزمائش کرے۔

جنگِ بدر کے کچھ واقعات اور ان میں اللہ کی تدبیر و تقدیر بیان کر دینے کے بعد، اس کی مدد و نصرت کا بیان فرما دینے کے بعد، اور یہ ثابت کر دینے کے بعد کہ ایماندار اس موقع پر محض تقدیرِ الٰہی کے لئے ایک پردے کی حیثیت رکھتے تھے ورنہ واقعات کا رُخ اور ترتیب ظاہر کرتی ہے کہ حضورؐ کے مدینہ سے باہر تشریف لانے کے واقعہ سے لے کر مسلمانوں کے لئے تجارتی قافلے کی بجائے لشکر کو پسند کرنے تک، تاکہ کافروں کی جڑ کٹ جائے۔ حق کا حق اور جھوٹ کا جھوٹ نکھر کر سامنے آجائے۔ پھر فرشتوں کی مدد پہنچانے، اُن پر اونگھ طاری کر دینے، بارش نازل کر کے انہیں ظاہری و باطنی طور پر طاہر و پاک کرنے، شیطانی وسوسے

ل؎ فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۵۵ - ۲۶۵

Marfat.com

دور کرنے، اُن کے دلوں کو مضبوط کرنے اور انہیں ثابت قدم کرنے تک ہر چیز میں قدرتِ خداوندی اور اس کی نصرت و تدبیر کام کرتی نظر آتی ہے۔ پھر فرشتوں کو بھیجنے اور انہیں ایمانداروں کو ثابت قدم رکھنے کا حکم دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے کفار کے دلوں میں رعب ڈالتے ہیں، فرشتوں کو میدانِ قتال میں حرب و ضرب اور قتل میں شامل کرتے ہیں، پھر انہیں مالِ غنیمت دیتے ہیں اور ان کی بے سروسامانی کا ایک حد تک مداوا کرنے میں بھی تقدیر و تدبیرِ الٰہی کی کرشمہ سازیاں کارفرما نظر آرہی ہیں۔

ان سب واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ بدر کی فیصلہ کن فتح کا تعلّق انسانی تدبیر، تعداد کی قوت اور ساز و سامان کی قوت پر ہرگز نہ تھا بلکہ وہ خدا کی تدبیر و تقدیر اور نصرت و معونت پر مبنی تھا۔ نیز اس میں توکل علی اللہ، خدا سے دعا و التجا اور استغاثہ کا بھی کافی ہاتھ تھا۔ اور پھر خدا کی تدبیر و تقدیر کے مطابق عمل کرنے اور چل پڑنے پر بھی بہت کچھ مبنی تھا۔

یہ سب کچھ بیان کر چکنے کے بعد نہایت مناسب معلوم ہوا کہ ایمانداروں کو تقاضائے ایمان کے پورا کرنے کا حکم دیا جائے۔ یعنی فرمایا جائے کہ کافروں سے مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہیں۔ اور ہزیمت و فرار کے ذریعہ سے پیٹھ نہ پھیریں، کیونکہ فتح و شکست انسانوں کے ارادہ سے بلند تر کسی اور ارادے پر مبنی ہے۔ اور ان ظاہری اسباب کے علاوہ، جو ہمیں نظر آتے ہیں، کچھ اور اسباب کے ساتھ اس کا ربط ہے۔ خدا تعالیٰ جس طرح ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے وہ میدانِ معرکہ کی تدبیر بھی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ وہی ہے جو ایمانداروں کے ہاتھوں سے کافروں کو قتل کرتا ہے۔ وہی ہے جو تیر کو نشانے پر بٹھاتا ہے اور پیغمبر کی پھینکی ہوئی مٹھی بھر خاک کو ٹھیک مقام پر پہنچاتا ہے۔ اہلِ ایمان تو صرف قدرت کا پردہ ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انہیں جہاد اور قتال کی آزمائشوں کا ثواب مل جائے۔ وہی ہے جو کافروں اور دشمنوں کے

Marfat.com

دلوں میں رعب ڈالتا ہے، ان کی تدبیروں کو ناکام کرتا ہے اور انہیں دنیوی و اخروی سزا کا مزا چکھاتا ہے۔

تدبیر جنگ کے طور پر یا مرکزی جماعت سے رابطہ قائم کرنے کی غرض سے پسپا ہونا جائز ہے اور کسی صورت میں نہیں۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ حکم اہل بدر کے ساتھ خاص ہے یا جس جنگ میں حضورؐ بنفسِ نفیس موجود ہوں اُس کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک آیت عام ہے اور میدانِ جنگ سے بھاگنا کبائر میں سے ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے شرک، جادو، ناحق قتل نفس، سود خواری، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے منہ پھیرنا اور بے خبر مومن عورتوں پر جھوٹا الزام لگانا، ان سات چیزوں کو ہلاک کرنے والی چیزیں فرمایا ہے۔

امام ابوبکر الجصّاص نے احکام القرآن میں اس مسئلہ کی کچھ تفصیل بیان کی ہے اسے یہاں پیش کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اور مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ الخ ابونضرہ نے ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ حکم صرف یوم بدر کے لئے تھا۔ ابونضرہؒ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بدر میں وہ لوگ پیچھے ہٹ جاتے تو مشرکوں کا غلبہ ہو جاتا اور میدان کو چھوڑ کر وہ جاتے کہاں؟ اُن کے سوا دنیا میں اور کوئی مسلمان ہی کہاں تھا؟ لیکن ابونضرہ کا یہ قول مضبوط نہیں ہے کیونکہ مدینہ میں انصار کی ایک بڑی تعداد اس دن موجود تھی! جنہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی طرف نکلنے کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ وہ سمجھتے تھے کہ لڑائی ہوگی، وہ تو صرف تجارتی قافلے کا معاملہ سمجھتے تھے۔ پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو لے کر جو فوراً آسانی سے نکل سکے، تشریف لے گئے تھے۔ پس ابونضرہ کا یہ کہنا کہ اس وقت وہاں ان اہلِ بدر کے سوا کوئی مسلم

Marfat.com

نہ تھا اور اگر وہ جنگ سے ایک طرف کو بچ کر نکلنا چاہتے تو انہیں مشرکوں ہی کے پاس جانا پڑتا، ایک غلط قول ہے اور اس کی غلطی کی وجہ ہم نے اوپر بیان کر دی ہے۔"

"اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دن اصحاب بدر کے لئے جنگ سے جی چرانا جائز نہ تھا کیونکہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپؐ سے الگ ہونا جائز نہ تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "مدینہ والوں اور باہر کے بدوؤں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہنا جائز نہیں نہ اپنے آپ کو آپؐ کی ذات پر ترجیح دینا جائز ہے" پس ان کے لئے یہ جائز نہ تھا کہ اپنے نبی کی مدد کو ترک کر دیں، آپ سے منہ پھیر کر چل دیں اور آپؐ کو دوسروں کے حوالے کر جائیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مدد کی اور لوگوں سے آپؐ کو بچانے کی ذمہ داری لے رکھی تھی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ لیکن آپ کی نصرت اور آپ کے ساتھ رہنا ان پر فرض تھا چاہے ان کی تعداد کم ہو چاہے زیادہ ہو۔ نیز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود اس دن مسلمانوں کے لئے مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ اور جو شخص قتال سے ہٹنا چاہے اس کے لئے ایسا کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ (جنگی تدبیر کے لئے ایسا کرے یا) اس کا ارادہ مرکزی جماعت سے جا ملنے کا ہو (یعنی کسی ضروری مصلحت کی بنا پر!) اور بدر کے دن مسلمانوں کا فِئَة (مرکز) خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی، آپ کے سوا ان کا کوئی اور مرکز نہ تھا۔"

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک لشکر میں تھا۔ دشمن یک لخت مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور ہم مدینہ واپس لوٹ آئے۔ اور ہم نے کہا کہ ہم فراری ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارا مرکز ہوں (اور تم اپنے مرکز کی طرف واپس آئے ہو! اس لئے فراری نہیں ہو۔) پس جو شخص نبی کریم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو جب کفار سے پیچھے ہٹے گا تو ایسا کرنا اسے حضرت اس وقت جائز ہوگا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرکزیت کی طرف ہٹنا چاہتا ہو۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود مسلمانوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود ہوں گے تو کوئی مرکزیت باقی نہ ہوئی جس کی طرف مسلمان جنگ سے ہٹ کر جائیں لہٰذا اس صورت میں ان کے لئے فرار جائز نہ ہوگا۔ حضرت حسنؓ بصری نے فرمایا ہے کہ اس آیت لے: وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ فرمایا کر اہلِ بدر پر شدّت کر دی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا الخ یہ شدّت اس لئے فرمائی کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جنگ سے ہٹ گئے تھے۔ اسی طرح جنگِ حُنَین میں جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے (مکہ کے نومسلم) اللہ تعالیٰ نے انہیں عتاب و عقاب فرمایا جیسا کہ قرآن کہتا ہے: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝ پس جب مسلمان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے چاہے ان کی تعداد کم ہوتی یا زیادہ ہوتی، ان کا یہ حکم تھا۔"

اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے کہ: "اے نبی مومنوں کو قتال پر ابھارو۔ اگر تم میں سے دس صبر والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ایک سو ہوں تو ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔" اور یہ حکم (واللہ اعلم) اس وقت کے لئے ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود نہ ہوں۔ پس اس وقت بیس پر فرض تھا کہ دو سو سے لڑیں اور ان سے نہ بھاگیں۔ اور جب دشمن کی تعداد اس سے ....

Marfat.com

بھی زیادہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کسی مسلم جماعت کی طرف ہٹ آنا اور دوبارہ قتال کے لئے ان سے مدد حاصل کرنا جائز قرار دے دیا۔ پھر یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ ہوا کہ: "اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں ضعف پایا جاتا ہے۔ پس اگر تم میں سے ایک سو صبر والے ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے اور ایک ہزار ہوں تو خدا کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے۔" عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ تم پر فرض کیا گیا تھا ایک شخص دس دشمنوں سے نہ بھاگے۔ پھر دوسری آیت نے کہا اب اللہ تعالیٰ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور تمہارے ضعف کو جان لیا ہے۔ پس اب یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ ایک سو آدمی دو سو سے نہ بھاگیں ابن عباس نے فرمایا کہ اگر ایک شخص دو سے بھاگ اٹھا تو اس نے فرار کیا اور اگر تین سے بھاگا تو اس نے فرار نہیں کیا۔ اس فرار سے مراد وہ ناجائز فرار ہے جو آیت میں مراد لیا گیا ہے۔ اور اس آیت میں ایک مسلمان کو دو کے مقابلے سے نہ ہٹنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اگر کفار کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو اس وقت مسلمانوں کو اپنی نصرت کے لئے کسی مسلم جماعت کے مرکز کی طرف ہٹ آنا جائز ہو گا۔ لیکن اگر نصرت کی نیت سے فرار نہیں کرتا بلکہ ایسے مسلمانوں کی طرف ہٹ کر آتا ہے جو اس کی مدد کے قابل نہیں ہیں تو پھر وہ اس آیت کی وعید کا مستحق ہوا: وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اَنَا فِئَةُ كُلِّ مُسْلِمٍ" اور حضرت عمرؓ بن الخطاب کو جب معلوم ہوا کہ ابو عبیدؓ بن مسعود "یوم الجسر" کی لڑائی میں برابر لڑتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے لیکن لڑائی سے منہ نہ موڑا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ ابو عبیدؓ پر رحم فرمائے۔ اگر وہ میری طرف ہٹ آتا تو میں اس کے لئے فئہ (مرکز) تھا! اور جب ابو عبیدؓ کے ساتھی واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں

Marfat.com

تمہارا مرکز ہوں اور ان سے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا ۔"

" اور یہ حکم ہمارے (حنفیہ) کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ جب تک مسلمانوں کے لشکر کی تعداد ۱۲ ہزار تک نہ پہنچی ہو ان کے لئے اپنے سے دُگنی تعداد سے فرار کرنا اور پسپا ہونا جائز نہیں ہو گا، ہاں اس صورت میں جائز ہو گا کہ جنگ کے لئے چال کے طور پر ایسا کریں، مثلاً ایک مورچہ چھوڑ کر دوسرے میں جا کر لڑیں ۔ ایک طرف سے ہٹ کر دوسری طرف چلے جائیں اور اس سے غرض دشمنوں کے لئے مکر و تدبیر اور خفیہ چال ہو۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ایسی صورتیں اختیار کریں جن سے جنگ سے انحراف لازم نہ آئے۔ یا وہ اس نیت سے پیچھے ہٹیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت سے جا ملیں جو ان کی مدد کر سکیں ۔ اور جب لشکر کی تعداد ۱۲ ہزار کو جا پہنچے تو محمد بن الحسنؒ شیبانی نے کہا ہے کہ اتنی تعداد کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو دشمن سے فرار جائز نہیں چاہے دشمن کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو ۔ اس مسئلہ میں حنفیہ میں کوئی اختلاف نہیں ۔ اور امام محمدؒ بن الحسن نے اس حدیث سے حجّت پکڑی ہے جس میں عبداللہؓ بن عباس نے حضورؐ کی طرف سے بیان کیا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: " بہترین ساتھی چار ہیں ۔ بہترین سریّہ چار سو کا ہے ۔ بہترین لشکر چار ہزار ہے ۔ اور بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے کمزور نہ سمجھا جائے گا نہ مغلوب ہو گا" اور اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ فرمایا: " جس قوم کی تعداد بارہ ہزار ہو جائے جب تک ان میں اتفاق رہے گا وہ مغلوب نہ ہو سکیں گے ۔"

" امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے کہ امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا ہمارے لئے ان لوگوں کے قتال سے باز رہنے کی گنجائش ہے جو خدا کے احکام سے باہر نکل جائیں اور ان کے سوا اور کو معیارِ فیصلہ قرار دے لیں؟ تو امام مالکؒ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پاس تمہارے جیسے ۱۲ ہزار آدمی ہوں تو قتال سے باز رہنے کی گنجائش نہیں ہے ۔ ورنہ تم پیچھے رہ سکتے ہو ۔ امام مالکؒ سے

Marfat.com

سوال کرنے والا عبداللہ بن عمرؓ کا پڑپوتا عبداللہ تھا! اور امام مالکؒ کا یہ قول بھی امام محمدؒ بن الحسن کے اوپر والے قول کے موافق ہے اور اس کی بنیاد بھی وہی حدیث ہے جو اوپر گزری۔ پس اس تعداد کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے لئے کسی صورت میں بھی فرار جائز نہیں۔ چاہے کفار کی تعداد کس قدر ہو! ہاں حضورؐ نے اِذَا اجْتَمَعَتْ كَلِمَتُهُمْ فرما کر یہ شرط عائد فرمادی کہ مسلمانوں کو باہمی اتحاد رکھنا فرض ہے!

اور اسی طرح امام ابوبکرؒ ابن العربی نے احکام القرآن میں اس حکم کے مقصود پر اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"لوگوں میں اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا" فرار من الزحف کا" حکم جنگ بدر سے ہی خاص تھا یا قیامت تک ہونے والی سب اسلامی جنگوں کا یہی حکم ہے؟ ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ حکم جنگ بدر سے خاص ہے جس دن کہ مسلمانوں کا فئۃ (مرکز) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ نافعؒ، الحسن البصریؒ، قتادہؓ، یزیدؒ بن حبیب اور امام ضحاکؒ کا بھی یہی قول ہے"

"عبداللہ بن عباس اور باقی علماء سے منقول ہے کہ اس آیت کا حکم قیامت تک باقی ہے اور اس کے خلاف کہنے والوں کا قول شاذ ہے اور اس کی وجہ آیت کا یہ حصہ ہے: وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ۔ اس میں يَوْمَئِذٍ کے لفظ سے انہوں نے یوم بدر مراد لیا ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں، یہ تو یوم الزحف کی طرف اشارہ ہے نہ کوئی مخصوص دن بعینہٖ۔

" اور اس پر دلیل یہ امر ہے کہ یہ آیت جنگ بدر کے قتال کے بعد نازل ہوئی تھی۔ جب کہ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اور وہ دن اپنے سب واقعات سمیت ختم ہو چکا تھا۔ اور صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے کبائر کا شمار فرماتے ہوئے جنگ سے بھاگ جانے کو بھی ان میں شمار فرمایا تھا

Marfat.com

اور یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے جو اختلاف کو دور کر دیتی اور حکم کو صاف طور پر بیان کرتی ہے۔ اور ہم بتا چکے ہیں کہ اس حکم کے جنگ بدر سے خاص ہونے کے بارے میں لوگوں کو اشکال کیوں واقع ہوا تھا؟

سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں کہ ہم یہ رائے اختیار کرتے ہیں جیسے ابن العربیؒ نے ابن عباسؓ اور دوسرے باقی علماء کا قول قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ سے بھاگ جانا مطلقاً اس تشدید کا حقدار ہے ایک طرف تو اسلامی تحریک پر اس کے اثرات بہت بُرے ہوں گے اور دوسری طرف اس کا تعلق اصل عقیدہ کے ساتھ بھی ہے۔

مومن کا دل پُر یقین اور ثابت قدم ہونا چاہیئے تاکہ دنیا کی کوئی قوت اسے شکست نہ دے سکے، اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دلِ مومن اللہ کی قوت کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے ہر امر پر غالب اور اپنے بندوں پر پوری قوت و اقتدار کا مالک ہے تو اس کے ساتھ مل جانے والا قلب بھی یقیناً غیر مفتوح ہو گا۔ ہاں! یہ عین ممکن اور جائز ہے کہ مومن کے دل میں اضطراب پیدا ہو جائے کیونکہ یہ بتقاضائے فطرتِ بشریت ہے۔ مگر اس اضطراب کی حد فرار اور شکست خوردگی سے ورے ورے تک ہی ہے۔ اور جب زندگی اور موت خدا ہی کے ہاتھ میں ہے تو مومن کے لئے جائز نہیں کہ زندگی کا خوف رکھتے ہوئے میدان سے پیٹھ پھیر جائے، اس میں نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف بھی نہیں ہے کیونکہ مومن ایک انسان ہے جو اپنے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور وہ بھی انسان ہی ہے۔ اس حیثیت سے وہ دونوں ایک ہی زمین پر کھڑے ہیں۔ پھر مومن اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کا تعلق اُس غیر مغلوب قوت کے ساتھ ہے جو خدا کی قوت ہے، اگر زندہ رہا تو بھی خدا کے لئے اور اگر شہادت پا گیا تو بھی خدا ہی کی طرف اُسے جانا ہے۔ پس مومن ہر لحاظ سے اپنے مدِّ مقابل، اور دشمن سے زیادہ قوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ

Marfat.com

قاطع حکم دیا گیا کہ: "جو شخص لڑائی کے دن پیٹھ پھیر جائے وہ خدا کے غضب کا حق دار ہوا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین منزل و مقام ہے۔ ہاں جو شخص جنگ کے حیلے اور چال کے لئے ایسا کرے یا کسی گروہ یا مرکز سے ملنا چاہتا ہو، اس کا حکم یہ نہیں۔

ان آیات میں جو یہ الفاظ فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ اور وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ وارد ہوئے ہیں یہ شکست خوردگی کی حسی و مادی تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن اس کی شدید قباحت و شناعت بیان کرکے اور یہ تعریض وطنز کرکے کہ ایسے لوگ دشمن سے پیٹھ پھیرنے والے ہیں۔ پھر اس پر غضب الٰہی اور آخری بدترین ٹھکانا یعنی جہنم مستزاد ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ الخ: اس آیت میں ایک بڑی عجیب فصیح و بلیغ تعبیر و تمثیل سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ میدانِ بدر میں مسلمانوں کے کسب و اعمال کے پیچھے خدائی ہاتھ کام کر رہا تھا۔ وہ جو کچھ کر رہے تھے خدا کی نیابت میں اور اس کی تقدیر و مشیت کا آلہ بن کر کر رہے تھے۔ روایات میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مٹھی بھر روڑے پھینکنا اور شَاهَتِ الْوُجُوهُ فرمانا ثابت ہے لیکن آیت کی دلالت زیادہ عام ہے اور وہ مسلمانوں کی ظاہری حرکت کے پیچھے تدبیر الٰہی کی ایک تمثیل بیان کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا گیا ہے: وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں یہ توفیق دینا چاہتا تھا کہ میدانِ جہاد و قتال میں پوری جوانمردی و جاں نثاری کا ثبوت دیں اور اس پر اجر پائیں۔ پھر خدا کی مدد و نصرت کے بھی حقدار ٹھہریں اور دوسرا اجر حاصل کریں۔

وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ: جب مومنوں کے ساتھ خدا ہے وہ میدان میں ایک صف میں ہوں گے اور دوسری صف میں مشرکوں کے ساتھ

Marfat.com

ان جیسے ہی چند انسان ہوں گے تو معرکے کا انجام معلوم اور نتیجہ واضح ہے!
مشرکین عرب اس حقیقت کو جانتے تھے۔ خدا کے متعلق ان کی معرفت نہ اس قدر کم تھی جتنی آج کل سمجھی جاتی ہے اور نہ اس قدر سطحی اور نہ اتنی غامض تھی جتنی کہ لوگ تاریخی تعبیرات کے ضمن میں بعض دفعہ ان کے متعلق یہی تاثر قائم کرتے ہیں۔ مشرکین عرب کا شرک خداوند تعالیٰ سبحانہ کے انکار کی صورت میں نہ تھا اور نہ یہ بات تھی کہ وہ حقیقت کی معرفت نہ رکھتے تھے۔ ان کا شرک دراصل یہ تھا کہ وہ خدائی عبودیت میں مخلص نہ تھے۔ بندگی الٰہی سے منحرف ہونے کا مطلب ہے کہ زندگی کے نظام اور قوانین ضوابط کو خدا کے سوا کسی اور سے اخذ کیا جائے۔ یہی وہ چیز ہے جو ان کے اقرار الوہیت الٰہی اور اس کی حقیقت کی معرفت کے دعوے کے ساتھ متفق نہ تھی۔

جنگ بدر کے واقعات کے سلسلہ میں اوپر یہ قصہ گزر چکا ہے کہ خفاف بن ایماء بن رحضۃ الغفاری یا اس کے باپ ایماء بن رحضۃ الغفاری نے مشرکین قریش کو، جب وہ ان کے قریب سے گزر کر بدر کی طرف جا رہے تھے، بطور ہدیہ کچھ اونٹ بھیجے اور پیغام بھجوایا کہ اگر تم چاہو تو ہم ہتھیار دل اور آدمیوں سے بھی مدد کر سکتے ہیں۔ اس پر قریش نے اسے پیغام بھجوایا کہ تیری صلۂ رحمی کا شکریہ! تو نے حق ادا کر دیا ہے۔ واللہ اگر صرف انسانوں سے لڑنا پڑا تو ہم کافی مضبوط اور تعداد میں بہت ہیں۔ لیکن اگر خدا سے لڑنا پڑا — جیسا کہ محمدؐ کہتا ہے! — تو اس سے لڑنے کی طاقت تو کسی میں بھی نہیں ہے۔

اسی طرح ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اخنس بن شریق نے بنی زہرہ سے کہا تھا — اور وہ دونوں فریق مشرک تھے! کہ اے بنی زہرہ! خدا نے تمہارے مال بچا لیے ہیں اور تمہارے ساتھی مخرمہ بن نوفل کو خلاصی دے دی ہے!
اسی طرح یہاں ابوجہل کا استفتاح — فتح اور فیصلہ طلب کرنا — بھی تھا۔ جو حضورؐ کے ارشاد گرامی کے مطابق اس امت کا فرعون تھا! اس نے کہا تھا کہ:
"اے اللہ! ہم میں سے جو فریق زیادہ قطع رحمی کرنے والا اور زیادہ غیر معروف

Marfat.com

چیز پیش کرنے والا ہے اُسے صبح کو ذلیل کر دے۔"

اسی طرح حکیم بن حزام نے جب عتبہ بن ربیعہ کا پیغام لا کر ابو جہل کو دیا تھا تاکہ وہ قتال سے باز رہے تو ابو جہل نے کہا تھا: "ہرگز نہیں، واللہ ہم واپس نہیں جائیں گے حتیٰ کہ اللہ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان فیصلہ کر دے۔"

پس مشرکوں کا حقیقت الٰہیت کے بارے میں یہ تصوّر تھا، اور وہ اسے ہر مناسب موقع پر اس طرح یاد رکھتے اور ظاہر کرتے تھے۔ ان کا معاملہ یہ نہ تھا کہ وہ خدا کو جانتے تک نہ ہوں۔ نہ یہ کہ انہیں اس بارے میں کوئی شک و شبہ ہو کہ خدا کے سامنے کسی کی نہیں چل سکتی۔ اور یہ بھی نہیں کہ وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ خدا کا حکم و فیصلہ اور جنگ کے فریقین میں اُسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے اور کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں۔ پھر سوال پیدا ہوگا کہ ان کا شرک کیا تھا؟ سو ان کا شرک یہی تھا کہ وہ ضابطۂ حیات اور قوانین و ضوابطِ زندگی خدا کے سوا دوسروں سے حاصل کرتے تھے۔ آج کل کچھ مسلم کہلانے والے اور اپنے کو مومن جاننے والے بھی اسی شرک کے مرتکب ہیں۔ اُن کا یہ غلط دعویٰ اور جھوٹا گمان ہے کہ وہ دینِ محمدؐ پر ہیں۔ جس طرح مشرکینِ عرب کا دعویٰ اور گمان تھا کہ وہ دینِ ابراہیمؑ پر ہیں؛ حتیٰ کہ ابو جہل جیسا انسان بھی خدا سے دعا کرتے ہوئے وہ الفاظ بولتا ہے جو اوپر گزرے۔ ایک روایت میں اس کی دعا کے الفاظ یہ ہیں: "اے اللہ ہم دو فریقوں میں سے جو گمراہ تر ہے اور جو رشتہ کا قاطع تر ہے اسے کل صبح ذلیل و خوار کر دے۔"

رہے وہ بُت جن کے متعلق مشہور و معروف ہے کہ وہ ان کی پوجا کرتے تھے۔ سو یہ اس لئے ہرگز نہ تھا کہ وہ اللہ کی الوہیت کی مانند ان کی الوہیت کے قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی بتوں کے متعلق اعتقادی تصوّر کی حقیقت اور ان کے لئے مراسمِ عبادت ادا کرنے کا سبب واضح طور پر بیان فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا

Marfat.com

الی اللہ زلفیٰ۔ پس بتوں کے متعلق ان کا مبلغ اعتقاد و تصور یہی تھا کہ وہ صرف خدا کے ہاں سفارشی ہیں۔ پس ان مشرکوں کا حقیقی شرک اس بت پرستی کی جہت سے نہ تھا اور نہ ان میں سے اسلام لانے والوں کے اسلام کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان بتوں کو سفارشی ماننے سے باز آ گئے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو عرب کے وہ حنفاء جنہوں نے ان بتوں کی عبادت ترک کر دی تھی اور مراسم عبادت کو خدا کے لئے خاص کر لیا تھا، انہیں "مسلم" شمار کیا جاتا۔ حقیقت میں اسلام اعتقاد، شعائر عبادت اور حاکمیت کے ساتھ اللہ کو منفرد ماننے کا نام ہے۔ جو لوگ کسی زمانے میں یا کسی جگہ خدا کو حاکمیت کے ساتھ منفرد قرار نہیں دیتے وہ مشرک ہیں۔ انہیں ان کا زبانی نعرہ لا الٰہ الا اللہ مشرک ہونے سے نکال نہیں سکتا۔ نہ یہ بات بھی کافی ہے کہ وہ مراسم عبادت محض خدا کے لئے ادا کریں۔ کیونکہ یہاں تک حنفاء بھی ان کے ساتھ ہیں حالانکہ انہیں کوئی بھی مسلم نہیں مانتا۔ لوگ کسی کو مسلم صرف اس وقت مانیں گے جب کہ وہ زنجیر کی ساری کڑیاں مکمل کر دے اور ملا دے۔ یعنی اس میں اعتقاد بھی پایا جائے اور مراسم عبادت بھی اور اس کے ساتھ وہ حاکمیت کو صرف خدا کے لئے مانتا ہو۔ اور جو فیصلہ، قانون، ضابطہ، قیمت، وضع یا تقلید خدائے واحد سے ثابت نہ ہو اسے پرے پھینک دے۔ صرف اسی چیز کا نام اسلام ہے۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کا مدلول یہی ہے۔ اس شہادت کا تعلق اعتقاد کے علاوہ واقعاتی اور عملی زندگی سے بھی ہے پھر جو لوگ یہ شہادت دیتے ہیں ان سب کا جمع ہونا، ایک تحریک بننا، ایک مسلم قیادت کے ماتحت جاہلی تحریکوں اور جماعتوں کے مقابلے میں نکل کھڑا ہونا بھی لازم ہے۔

جو لوگ مسلم بننا چاہتے ہیں انہیں یہ چیز اچھی طرح جان لینی چاہیئے۔ اور محض اس دھوکا میں نہ رہنا چاہیئے کہ وہ اعتقاداً اور تعبداً مسلم ہیں۔ کیونکہ صرف یہی چیز کسی کو مسلم نہیں بنا سکتی جب تک کہ وہ حاکمیت کو اللہ وحدہ کے لئے خاص نہ کرے۔ بندوں کی حاکمیت سے نکل نہ جائے اور جاہلی جماعتوں اور جاہلی قیادت

Marfat.com

کے ساتھ اپنا پورا رشتہ الگ نہ ہو جائے۔

بہت سے پاک باز مخلصوں کو یہ دھوکا لگ جاتا ہے۔ وہ اپنے لئے اسلام چاہتے ہیں لیکن اسلام سے انہیں دھوکا اور فریب دُور لے جاتا ہے۔ ان کے لئے مناسب ہے کہ اسلام کی واحد حقیقی صورت پر یقین کریں۔ اور جان لیں کہ مشرکین عرب جو "مشرکین" کا لقب اٹھائے ہوئے ہیں، یہ ان سے کچھ بھی مختلف نہ تھے۔ کیونکہ وہ اللہ کو اس کی حقیقت کے ساتھ پہچانتے تھے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنے اصنام یا سے کچھ لوگوں کو سفارشی بنا کر خدا کے حضور پیش کرتے تھے۔ ان کا حقیقی شرک اعتقاد میں متمثل نہ تھا بلکہ مسئلہ حاکمیت میں متمثل تھا۔

وہ مسلم جماعت جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے زمین میں جدوجہد کر رہی ہے اسے اس حقیقت پر واضح طور پر اور گہرائی میں اتر کر یقین لانا فرض ہے۔ اس مرحلہ میں کسی اضطراب یا تذبذب کا شکار ہونا روا نہیں۔ لوگوں کے سامنے اسے واضح طور پر اور کھول کر بیان کرنا ضروری ہے، کیونکہ ابتدائی نقطۂ آغاز یہی ہے، اگر خدانخواستہ تحریک اسی سے منحرف ہو گئی — چاہے وہ انحراف معمولی سا ہی کیوں نہ ہو — تو وہ کبھی راستہ نہیں پا سکتی اور اس کی کوئی بنیاد ہی باقی نہ رہے گی۔ چاہے اس کے لئے کتنا اخلاص، صبر و ثبات اور عزم صمیم ہی کیوں نہ ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا

اے ایمان والو، حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اس سے مت

عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

پھرو سن کر اور ان جیسے مت ہو جنہوں نے

قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ

کہا ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں بیشک سب جانداروں سے بدتر

عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

اللہ کے نزدیک وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۗ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ

اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سنا دیتا اور اگر ان کو اب سنائے

لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾

تو ضرور بھاگیں منہ پھیر کر

[1] پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو ڈانٹ پلائی تھی اور فرمایا کہ اگر تم باز آجاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پہلے کی طرح اسلام کے خلاف اٹھو گے تو ہم بھی تمہیں سزا دیں گے اور نہ تمہاری تعداد وغیرہ کسی کام نہ آئے گی۔ اس کے بعد ان آیات میں مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کریں اور جب پیغمبر[2] انہیں دین کی حفاظت کے لئے جنگ و قتال کی طرف بلائیں تو ان کا فرض ہے کہ ان کی پکار پر لبیک کہیں۔ جو شخص دین کی نشر و اشاعت کی راہ میں حائل ہو اور اس کی دعوت کی تبلیغ کا راستہ روکے اس سے جہاد و قتال سے بھی نہ چوکنا۔

[2] آیت ۲۰: پہلے فرمایا تھا کہ: "اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے"

[1] تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۸۳ [2] فوائد القرآن ص ۲۳۲

Marfat.com

اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا خدا و رسولؐ کے ساتھ کیسا معاملہ ہونا چاہیئے؟ جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق ہوں۔ سو بتلا دیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا و رسولؐ کا فرماں بردار رہے۔ احوال و حوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں، مگر خدا کی باتوں کو سن کر جب وہ سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا تو قولاً و فعلاً کسی حال میں اس سے منہ نہ پھیرے۔

آیت ۲۱: یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ سُننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کو سن کر سمجھے نہیں؟ یا سمجھ کر قبول نہ کرے۔ پہلے یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: "سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا" (ہم نے سُن لیا مگر مانا نہیں) مشرکین کا قول آگے آتا ہے کہ: "قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا" (یعنی جو قرآن آپؐ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا۔ اور اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں) مدینہ کے بعض منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور اسی طرح دل سے منکر رہے جیسے پہلے تھے۔
بہرحال مومنِ صادق کی شان ان یہود اور مشرکین و منافقین کی طرح نہ ہونی چاہیئے اس کی شان یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، عمل سے، حاضر و غائب احکامِ الٰہیہ اور فرامینِ نبویہ پر نثار رہتا ہے۔

آیت ۲۲: جنہیں خدا نے بولنے کو زبان، سننے کو کان، اور سمجھنے کو دل و دماغ دیئے تھے، پھر انہوں نے یہ سب قوتیں معطل کر دیں۔ نہ زبان سے حق بولنے اور حق کو دریافت کرنے کی توفیق ہوئی، نہ کانوں سے حق کی آواز سُنی، نہ دل و دماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کی۔ غرض خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اس اصلی کام میں صرف نہ کیا جس کے لئے فی الحقیقت وہ عطا کی گئی تھیں، بلاشبہ ایسے لوگ جانوروں سے بدتر ہیں۔

آیت ۲۳: یعنی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اس وقت ملتی ہے جب اس کے دل میں طلب حق کی سچی تڑپ، اور نورِ ہدایت قبول کرنے کی استعداد ہو۔ جو قوم طلب حق کی روح سے یکسر خالی ہو

Marfat.com

چکی اور اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اس میں قبولِ حق کی لیاقت و استعداد بھی نہیں رہتی۔ اسی کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبولِ خیر و ہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی، اگر ان میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو اپنی آیتیں سُنا کر سمجھا دیتا، باقی بحالتِ موجودہ اگر انہیں آیات سُنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدّی اور مُعاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم اور قبول کرنے والے نہیں۔

۱؎ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا کی نسبت بعض مفسرین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کفّار نے آنحضرت علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ آپ قصّیٰ بن کلاب وغیرہ سینکڑوں برس کے مُردوں کو زندہ کر دیں۔ اگر وہ آپ کی نبوّت کی گواہی دیں گے تو ہم بھی مان لیں گے کیونکہ وہ عرب کے بزرگ ہیں۔ اس کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر ان میں قبولِ حق کی قابلیت ہوتی تو خدا ان کو سُنوا دیتا۔ مگر ان میں قابلیت ہی نہیں۔ اگر بالفرض وہ پہلے لوگ زندہ ہو کر گواہی بھی دے دیں اور یہ ان کی گواہی کو سُن لیں تب بھی نہ مانیں گے۔

۲؎ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ الخ یعنی جہاد کی طرف جانے میں خدا و رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اور جب وہ مال کے ترک کرنے کا مطالبہ کریں تو اسے ترک کر دو اور ان کی اطاعت سے اعراض مت کرو، نہ ان کا قول قبول کرنے اور جہاد میں ان کی مدد کرنے سے دریغ کرو۔ تم خدا کا کلام سن رہے ہو جس میں رسولؐ کی اطاعت کا وجوب اور ان کی سوالات و نصرت کا وجوب ثابت ہے۔ اس آیت میں وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ سے مراد ایسا سننا ہے جس سے سمجھنا اور تصدیق لازم آئے جیسا کہ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ یوں دعا کرے: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔ اگلی آیت میں

۱؎ تفسیر حقانی ج ۴ صـ ۱۹۰، ۲؎ تفسیر المنار ج ۹ صـ ۶۲۵-۶۳۱، تفسیر المراغی ج ۹ صـ ۱۸۴/۱۸۶

Marfat.com

ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی مانند مت ہوجاؤ جو سنتے ہوئے بھی نہیں سنتے یعنی نہ سمجھتے ہیں نہ تصدیق و قبول کرتے ہیں۔ یہ لوگ کفار معاندین اور منافقین کی جماعتیں تھیں۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الخ الدواب دابّہ کی جمع ہے ہر وہ چیز جو زمین پر رینگے دابہ کہلاتی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ۔ اور یہ لفظ انسان کے لئے نہایت کم استعمال ہوتا ہے، اس کا غالب استعمال حشرات الارض اور سواری کے جانوروں پر ہوتا ہے۔ اور جب یہ لفظ انسان کے لئے استعمال ہو تو اس سے مراد حقارت ہوتی ہے۔ جیسا کہ یہاں ان انسانوں کو جو غور و فکر سے حق کی معرفت نہیں حاصل کرتے اور پیغمبر کے موعظ حسنہ سے عبرت و نصیحت نہیں پاتے، نہ صرف دواب بلکہ شر الدواب فرما کر احتقار ظاہر کیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے چونکہ آلۂ سمع کی منفعت کو مفقود کر دیا ہے لہٰذا یوں ہو گئے ہیں گو ان کے پاس سننے کا آلہ ہی موجود نہیں۔ اس طرح وہ حق بولنے سے گونگے ہیں۔ لہٰذا یوں سمجھو کہ بولنے کا حاسہ ہی ان میں موجود نہیں۔ اور چونکہ حق و باطل اور خیر و شر میں فرق کو نہیں سمجھتے لہٰذا بے عقل ہیں۔ کیونکہ عقل ہوتی تو حق کو طلب کرتے اور اس کی طرف راہ پاتے کیونکہ اس میں فائدہ اور نفع ہی نفع ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ان لوگوں نے سمع، نطق اور عقل کی منفعت کو مفقود کر دیا ہے سو گویا ان حواس سے ہی عاری ہو گئے ہیں اور ان کی پیدائش ہی ناقص ہوئی ہے کہ یہ حواس انہیں ملے ہی نہیں۔ یا ملے تو تھے مگر ان پر ایسی آفات طاری ہو گئی ہیں جن سے یہ حواس جاتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ چارپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ کیونکہ چارپایوں کو تو یہ حواس سرے سے ہی نہیں دیئے گئے تھے، مگر انہیں یہ حواس ملے تھے اور انہوں نے فاسد کر دیئے ہیں

Marfat.com

اور ان کی پیدائش کی جو غرض تھی اس میں استعمال نہیں کئے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْہِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَہُمْ : اور اگر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا کہ ان لوگوں میں ایمان کی استعداد ہے اور یہ نورِ نبوّت سے فیض پانے کے اہل ہیں ان کا فسادِ تربیت اور بُری تقلید فطرت کی چنگاری کو فاسد نہ کر چکی ہوتی تو اللہ انہیں سمجھ سوچ کو کتاب و حکمت کو سننے کی توفیق دیتا۔ لیکن اسے معلوم ہے کہ ان میں کوئی خیر باقی نہیں رہی اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے دلوں پہ مُہر لگ چکی ہے اور اُن کے گناہ ان کا احاطہ کر چکے ہیں۔

وَلَوْ اَسْمَعَہُمْ لَتَوَلَّوْا وَّہُمْ مُّعْرِضُوْنَ : اگر اس علم کے باوجود کہ ان میں کوئی خیر باقی نہیں ہے، اللہ انہیں دلائل کتاب و حکمت سنائے تو یہ قبول و اذعان سے منہ پھیر لیں گے کیونکہ وہ تو اس سے پہلے ہی اپنے دلوں کو اس کے قبول سے اور اس پر عمل کرنے سے از راہِ کراہت و عناد پھیر چکے ہیں۔ وہ داعی اور اس کے اہلِ حق ساتھیوں کو ناپسند کرتے اور ان سے عناد رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حق اور خیر کو سننے اور قبول کرنے کی استعداد کو یہ لوگ بالکلیہ گم کر چکے ہیں۔ یہ بے استعدادی عارضی یا وقتی نہیں بلکہ دائمی بن چکی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنی کتاب کی رہنمائی کو قبول کرنے کا لوگوں سے مطالبہ کرتا ہے اس کے لحاظ سے "سماع" کے کئی درجے ہیں۔

(۱) جس پر کتاب اللہ پڑھی جائے وہ سرے سے اُس کے سننے کا ارادہ ہی نہ کرے اور شروع سے ہی اُس سے دشمنی کا اظہار کر دے اور اس بات سے ڈر جائے کہ کتاب اللہ کا تسلّط دلوں پر بیٹھ جائے گا لہٰذا اسے سنو ہی مت۔

(۲) کتاب اللہ کی طرف کان لگائے مگر اُسے سمجھنا اور غور و فکر کرنا نہ چاہے جیسا کہ منافقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : وَمِنْہُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ

Marfat.com

رالَيكَ حَتّٰی اِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا :

(۳) کوئی شبہ تلاش کرنے یا طعن و اعتراض کی نیت سے بغور سنے جیسا کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں مشرکوں اور اہلِ کتاب میں سے مُعاند لوگ کیا کرتے تھے اب بھی اور آئندہ بھی دشمن اس نیت سے قرآن کو سنتے اور اس میں غور و فکر کرتے رہیں گے۔

(۴) سننے والا اس نیت سے سُنے کہ اُسے سمجھے اور غور و تدبّر سے کام لے پھر قرآن کے فیصلوں پر گردن جھکا دے اور ان کے مطابق عمل درآمد کرے۔ یہی شخص منصف مزاج ہے۔ نظرِ تأمل سے پڑھ کر یا سُن کر ایمان لے آنے والوں کی تعداد کافی ہے۔ ایک فرانسیسی ڈاکٹر نے قرآن کا ترجمہ غور سے پڑھا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس میں جس قدر طبّی نظریات ہیں مثلاً طہارت، کھانے پینے میں اعتدال، اسراف سے بچنا، اور اسی قسم کے دوسرے مسائل جن میں صحت کی محافظت کا خیال رکھا گیا ہے، یہ سب نظریات جدید ترین نظریاتِ صحت و صفائی کے موافق ہیں جن پر جدید ترین علمائے طب کا اتفاق ہو چکا ہے۔ اس ڈاکٹر نے برضاء و رغبت اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح ایک انگریزی جہاز کے کپتان نے قرآن کا ترجمہ پڑھا اور اس میں ہواؤں اور سمندروں کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا اسے جمع کر لیا اور یہ گمان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بہت بڑے سمندری ملّاح گزرے ہیں! پھر اس نے اس بارے میں لوگوں سے پوچھا اور تحقیقات کی تو اُسے پتہ چلا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی سمندری سفر کیا ہی نہیں تھا۔ علاوہ ازیں آپ اُمّی تھے نہ کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ کسی کے شاگرد ہوئے تھے۔ اس پر وہ کپتان کہنے لگا کہ اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ قرآن آپ پر بذریعہ وحی اترا تھا کیونکہ اس میں ایسے حقائق بیان ہوئے ہیں جو اس شخص کے سوا کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ جو خود سمندروں کو کھنگال چکا ہو۔ یا کسی ماہر باخبر اور تجربہ کار سے یہ سب

Marfat.com

کچھ سیکھا ہو۔ پھر وہ مسلمان ہوگیا اور عربی زبان سیکھی۔

افسوس! بہت سے مسلمان قرآن کو سنتے ہیں اور اس کی تلاوت بھی کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس کے فہم و تدبر کی کس قدر حاجت ہے۔ بلکہ وہ صرف اس کی تجوید کی لذت حاصل کرنے کے لئے اسے سنتے ہیں اور تلاوت کو نغماتی قواعد پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر محض بہ نیت تبرک اسے سنتے ہیں۔ ان میں سے بعض رمضان المبارک کی راتوں میں اپنے پاس حفاظ قرآن کو بلاتے ہیں اور انہیں دربانوں کے حجروں میں بٹھلاتے ہیں یا دوسرے ملازموں کے کوارٹروں میں بٹھاتے ہیں اور اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ "بڑے لوگوں" اور "چودھریوں" سے مشابہت پیدا کریں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

لہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خدا و رسولؐ کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے اور انہیں اعراض و تولی سے ڈرا رہا ہے۔ تاکہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جو آیاتِ کتاب کو سُن کر ان سنی کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ گونگے بہرے ہو چکے ہیں اگرچہ ان کے کان کچھ آوازیں سنتے اور ان کی زبانیں کچھ کلمات بولتی ہیں۔ ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہے کیونکہ سُن کر رہنمائی قبول نہیں کرتے۔

یہ اطاعت کی دعوت اہلِ ایمان کو دی جا رہی ہے۔ اس سے قبل اس دعوت کے تمام مقدمات و تمہیدات بیان کر دی گئی ہیں۔ مثلاً میدانِ جنگ کے واقعات کا بیان، معرکہ میں قدرتِ الٰہی کا ہاتھ ہونا، اس کی تدبیر و تقدیر، اور مدد و نصرت اور یہ کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے اور کافروں کی تدبیر کو پارہ پارہ کر دینے والا ہے۔ اس سب کچھ کے بعد سوائے سمع و طاعت کے اور کس چیز کی مجال باقی رہ جاتی ہے؟ اور اس کے بعد پیغمبر اور اس کے احکام سے منہ پھیرنا اتنا قبیح اور

لہ فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۶۵-۲۶۶

بُرا ہے کہ کوئی صاحبِ دل اور صاحبِ عقل انسان اس پر اقدام کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہاں دواب کا لفظ وارد ہوا ہے جو دوسرے جانداروں کے ساتھ ساتھ انسان کو بھی مشتمل ہے کیونکہ وہ بھی زمین پر چلتا ہے لیکن اس لفظ کا استعمال اکثر حیوانات اور جانوروں پر ہوتا ہے۔ پس جب اس لفظ کو مطلقاً استعمال فرمایا گیا تو نہ سمجھنے والے گونگے بہرے "انسانوں" پر گویا حسّ اور خیال میں چارپائے کی صورت ڈال دی گئی۔ اور واقعی یہ لوگ ایسے ہی ہیں۔ کیونکہ اس صفت میں وہ چارپایوں ہی کی مانند ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر! کیونکہ چارپایوں کے کان تو ہیں مگر وہ محض مبہم آوازیں اور غیر مفہوم کلمات سنتے ہیں۔ ان کی زبانیں بھی ہیں لیکن ان سے سمجھی جانے والی آوازیں نہیں نکلتیں مگر بہائم اپنی زندگی کی ضروریات کے لئے فطرت سے رہنمائی پاتے ہیں۔ لیکن یہ چارپائے (ناسمجھ انسان) ادراک رکھنے کے باوجود نہیں سمجھتے اس لئے جانوروں سے بھی بدتر ہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا

إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ

يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (۲۴)

روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو اور یہ کہ اسی کے پاس تم جمع ہوگے

Marfat.com

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً

اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں خاص ظالموں ہی پر

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا

اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور یاد کرو

اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ

جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے

اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

کہ اُچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو

[1] پچھلی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وجوب اور بوقت جہاد منہ نہ پھیرنے کا حکم بیان فرمایا گیا تھا۔ ان آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ دین کی ہدایت و احکام کے لئے پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہنا فرض ہے۔ کیونکہ اس میں فطرۃِ انسانی کی تکمیل اور دنیا و آخرت میں اس کی سعادت ہے۔ ان آیات میں نداء کو پھر اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے لفظ سے مکرر لایا گیا ہے تا کہ مومنوں کو بعد میں آنے والی اوامر و نواہی کے سننے کے لئے تیار کیا جائے۔ اور اس

[1] تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۸۶-۱۸۷

Marfat.com

میں یہ اشارہ بھی ہے کہ پیغمبرؐ کی دعوت کو سُننے اور قبول کرنے کے وجوب کا سبب یعنی ایمان انہیں حاصل ہو چکا ہے (یعنی پیغمبرؐ کی اطاعت اور اس کی دعوت و پکار پر فوراً چلے آنے کے لئے اصل چیز ایمانی تقاضا ہے جب ایک شخص ایمان لا چکا تو اب کسی ہچکچاہٹ کا سوال خارج از بحث اور تقاضائے ایمان کے خلاف ہے! مؤلف)

آیت ۲۴ : یعنی خدا و رسولؐ تم کو جس کام کی دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اُس میں از سرتا پا تمہاری بھلائی ہے۔ اُن کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیاتِ ابدی کا پیغام ہے۔ پس مومنین کی شان یہ ہے کہ خدا و رسولؐ کی پکار پر فوراً لبیک کہیں جس وقت اور جدھر وہ بلائیں اشغال چھوڑ کر ادھر ہی پہنچیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ : یعنی حکم بجا لانے میں دریغ نہ کرو شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے۔ اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتدائً نہیں روکتا نہ اُس پر مُہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثالِ احکام میں سُستی اور کاہلی کرتا ہے تو اُس کی جزاء میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنا لے تو مُہر کر دیتا ہے۔

بعض نے يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ کو بیانِ قرب کے لئے لیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اُس کا دل بھی اتنا قریب نہیں۔ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (ق ع) تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو۔ خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال و سرائر پر مطلع ہے۔ خیانت اس کے آگے نہیں چل سکے گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے

لہ فوائد القرآن ص ۲۳۲

Marfat.com

مکنونات وسرائر کھول کر رکھ دئے جائیں گے۔

آیت ۲۵: یعنی فرض کیجئے کہ ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وتیرہ اختیار کر لیا، کچھ لوگ جو اس سے علیحدہ رہے انہوں نے مداہنت برتی، نہ نصیحت کی نہ اظہارِ نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے جس کی لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مداہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئے گا تو حسب مراتب سب اس میں شامل ہوں گے، کوئی نہ بچے گا۔ اس تفسیر کے موافق آیت سے مقصود یہ ہوگا کہ خدا و رسول کی حکم برداری کے لئے خود تیار رہو اور نافرمانوں کو نصیحت و فہمائش کرو، نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو۔ باقی حضرت شاہ عبد القادرؒ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فساد (گناہ) سے بالخصوص بچنا چاہیئے جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ خدا و رسولؐ کا حکم ماننے میں ادنیٰ تاخیر اور کاہلی نہ کرے، کہیں دیر کرنے کی وجہ سے دل نہ ہٹ جائے۔ اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں گے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے اور جو رسم بد پھیلے گی اس کا وبال سب پر پڑے گا۔ جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں۔ پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔

آیت ۲۶: یعنی اپنی قلت و ضعف کا خیال کر کے خدا کا حکم (جہاد) ماننے میں سستی مت دکھلاؤ۔ دیکھو ہجرت سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی۔ سامان بھی نہ تھا۔ تمہاری کمزوری کو دیکھ کر لوگوں کو طمع ہوتی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں۔ تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنانِ اسلام کہیں نوچ کھسوٹ کر نہ لے جائیں۔ مگر خدا نے تم کو مدینہ کا ٹھکانا دیا۔ انصار و مہاجرین میں عدیم النظیر رشتۂ مواخات قائم کر دیا۔ پھر معرکۂ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد بہم پہنچائی۔ کفار کی جڑ کاٹ دی۔ تم کو فتح الگ دی، مالِ غنیمت اور فدیۂ اُساری الگ دیا۔ غرض حلال طیب ستھری چیزیں اور انواع و اقسام کی نعمتیں

Marfat.com

عطا فرمائیں۔ تاکہ تم اس کے شکر گزار بندے بنے رہو۔

[1] ابو سعید بن المعلّیٰ کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپؐ نے مجھے آواز دی لیکن میں نماز میں ہونے کے سبب حاضر نہ ہو سکا۔ نماز پڑھ کر پہنچا تو فرمایا کہ تم اب تک کیوں نہ آئے؟ کیا تم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں کہ جب خدا کا رسولؐ تمہارے ہی بھلے کے لئے زندگی بخش چیز کی طرف تمہیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ میں یہاں سے چلنے سے قبل تمہیں قرآن کی ایک عظیم سورت کی تعلیم دوں گا۔ غرض حضورؐ کی آواز پر فوری تعمیل کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ابو سعیدؓ الخدری کا ہے۔ اور جو سورت تلقین فرمائی تھی وہ سورۃ الفاتحہ ہے۔

لِمَا يُحْيِيكُمْ: "زندگی بخش چیز" سے مراد حق، قرآنِ مجید، اسلام لانا اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا اور جہاد و قتال لیا گیا ہے۔ یہ سب معنے اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ غرض یہ ہے کہ حضورؐ کے احکام و دعوت سراسر زندگی اور عزّت و سعادتِ دارین کا باعث ہیں۔ ان پر فوراً لبیک کہنا فرض ہے۔

يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ کا معنیٰ امام قتادہؒ نے یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے دل سے بھی قریب تر ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اس کا شاہ رگ سے بھی قریب تر ہونا بیان فرمایا ہے اور بہت سی احادیث میں یہی مضمون ثابت ہو چکا ہے۔ قتادہؒ کے علاوہ دوسرے حضرات مثلاً ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور سُدّیؒ سے اس کا یہ معنیٰ منقول ہے کہ تعمیلِ حکم میں دیر لگانے سے کہیں دل کی حالت ہی نہ بدل جائے۔ کیونکہ اعمال کا مدار نیّت پر ہے پس نیکی میں جلدی کرنا لازم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیّت میں تبدیلی آجائے۔ کئی احادیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے مُقلّب القلوب اور مُصرّف القلوب کے الفاظ وارد ہوئے ہیں بالخصوص

---

[1] تفسیر ابن کثیر پ ۹ ص ۸۸ - ۹۱

Marfat.com

نبوی دعاؤں میں۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً:

ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر یہ منقول ہے کہ مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ بدی کو اپنے اندر چلنے نہ دیں، جہاں کہیں برائی کو دیکھیں اُسے فوراً کچل دیں۔ ورنہ اگر بدی کا چلن ہو گیا تو سب لوگ اس کے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ خواص کے عمل کی وجہ سے عوام کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ لیکن جب بدی کسی قوم میں پھیل جائے اور لوگ اس کو رد کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اپنے اقتدار کو کام میں لا کر رد نہ کریں تو پھر عمومی عذاب آجاتا ہے جس کی لپیٹ میں خاص و عام سب گرفتار بلا ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے رہو گے تو عذاب نہ آئے گا۔ لیکن جب تم ایسا کرنا چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر شدید عذاب بھیج دے گا پھر تم لاکھ دعا کرو گے مگر قبول نہ ہو گی، اللہ تم پر دوسری قوموں کو مسلّط کر دے گا پھر تمہاری ساری دعائیں بے کار ہو جائیں گی۔

ابوالرقادؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام کو حذیفہؓ کی خدمت میں بھیجا تو اس وقت وہ یہ فرما رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر کوئی شخص ایسی ایک بات بھی کہہ دیتا تھا تو لوگ اسے منافق سمجھنے لگتے تھے لیکن آج میں ایک نشست میں تم میں سے ایک شخص کی زبان سے ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں۔ تمہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لازم پکڑنا اور خیر کی طرف دعوت دینا چاہیے۔ ورنہ تم سب کے سب عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یا عذاب اس نوعیت کا ہو گا کہ برے لوگ تمہارے حاکم بن جائیں گے پھر تمہاری دعائیں بھی نہیں سنی جائیں گی۔

Marfat.com

ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا معاصی جب میری امت میں عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ عذاب عام بھیج دے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت نیک لوگ بھی تو ہوں گے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ بھی عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اسی مضمون کو حضورؐ نے ایک کشتی کی مثال سے واضح فرمایا کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار ہیں۔ اوپر کی منزل والوں کو نچلی منزل والوں سے یہ تکلیف پہنچتی ہے کہ نیچے والے پانی لینے آتے ہیں تو اوپر والوں کا سامان اور راستہ وغیرہ خراب ہو جاتا ہے۔ اوپر والوں کے احتجاج پر نچلی منزل والے چاہتے ہیں کہ کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر نیچے سے ہی پانی حاصل کر لیں تاکہ اوپر والوں کو ہماری وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اب اگر اوپر والے نیچے والوں کے ہاتھ پکڑ کر انہیں جہاز میں نقب لگانے سے باز رکھیں گے تو سب بچ جائیں گے ورنہ سب ہی غرق ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر تم خدا کی حدود توڑنے والوں کو اس فعل بد سے باز رکھو گے تو بہتر ورنہ سب لوگ عذاب کا شکار ہوں گے۔ گناہگار گناہوں کی وجہ سے اور دوسرے لوگ انہیں نہ روکنے کے سبب۔

[۵] إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ: پیغمبرؐ کے احکام و ارشادات خدا کے حکم سے ہیں اور ایمانداروں کی روحانی زندگی کا سبب ہیں۔ مثلاً خدا کی خلق میں اس کی سنن و قوانین کا علم، حکمت و فضیلت جس کی وجہ سے نفس انسانی سرفراز ہوتا ہے اور مراتب کمال میں ترقی کرتے کرتے خدا کے قرب پر اور دنیوی و اخروی رضوان پر فائز ہو جاتا ہے۔ پس ایمانداروں کو پیغمبر کی پکار پر عزم و توثق سے لبیک کہنا چاہیئے۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے

خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[۵] تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۳۱ - ۶۴۱، تفسیر المراغی جلد ۹ ص ۱۸۷ - ۱۹۱

اطاعت آپ کی دُنیوی زندگی میں بھی واجب تھی اور بعد از موت بھی واجب ہے۔ اس دعوت کا تعلق ان امور سے ہے
جن کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے ان امور دین کی طرف عام دعوت دی ہے مثلاً قول و فعل سے نماز کی صفت کا بیان کیونکہ
آپؐ نے اپنے اصحابؓ سمیت نماز پڑھی اور فرمایا: "اس طرح نماز پڑھو جس
طرح مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو"۔ اسی طرح حج کی عبادات کے متعلق فرمایا:
"ارکان و عبادات حج کا علم مجھ سے حاصل کرو"۔ اسی طرح آپؐ نے زکوٰۃ کی
مقداریں مفصل بیان فرمائیں۔ علیٰ ہذا القیاس آپؐ کی متواتر سنتِ عملی اور متواتر
اقوال پر بھی عمل کرنا واجب ہے۔ پس ہر وہ شخص جس نے تحقیق سے حضورؐ کی
کوئی سنت و ارشاد معلوم کر لیا یا معتبر اور قابلِ اعتبار علماء کی تحقیق سے یہ
امر ثابت ہو گیا تو اس کے مطابق عمل واجب ہے۔

لیکن سنت کا جو حصہ روایت و دلالت کے لحاظ سے قطعی یا متواتر نہیں ہے
تو وہ محلِ اجتہاد ہے اور علماء امتؒ نے احکام کی پانچ اقسام بیان کی ہیں: وجوب
استحباب، حرمت، کراہت، اور اباحت۔ ان میں سے ہر ایک کے ثبوت کے
الگ الگ احکام و دلائل موجود ہیں۔ اور عملی اجتہادی امور میں دلیل کے اندر اور
اس کی دلالت میں ظنِ راجح (غالب) کافی ہے۔ لیکن مسلمانوں میں سے کوئی شخص اپنے
اجتہاد کو شرعِ عام اور قانونِ اسلام بنانے کا مجاز نہیں کہ دوسروں پر اسے لازم قرار
دے اور اس کی مخالفت پر نکیر کرے۔ ہاں "ائمہ" "اولوالامر" کی اطاعت ان
کے قانونی اور سیاسی اجتہادات میں واجب ہے جب کہ وہ خدا کی شرع کو قائم
کرنے اور نظامِ عام کی حفاظت و صیانت کے لئے ایسا کریں۔ سلفِ صالح اور
دنیا بھر کے ائمۂ اسلام اسی پر عامل رہے ہیں۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپؐ کے
زمانہ میں آپ کی زندگی تک تو واجب تھی اور آپؐ کے بعد فقط قرآن پر عمل مدار جیسا
ہے، یہ لوگ زندیق ہیں، خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا
ارادہ یہ ہے کہ اسلام کو دعوئی اسلام کے ذریعہ سے ملیامیٹ کر دیں۔ حضورؐ کی

Marfat.com

اطاعت اور آپؐ کی سنت وطریقہ پر عمل کرنا قیامت تک کے لئے ہر زمانے میں واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو مطلق رکھا ہے کسی زمان و مکان کا پابند نہیں بنایا۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ سُنن وارشادات جن کا تعلق محض عادات سے ہے مثلاً لباس، کھانا پینا اور رکھنا وغیرہ انہیں سلف وخلف کے ائمہ وعلماء میں سے کسی نے بھی "دین وشریعت" قرار نہیں دیا۔ بلکہ امور عادیہ کو دین کا نام دینا ایک بہت بُری بدعت ہے کیونکہ یہ حکم خداوندی کے خلاف قانون سازی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو چیزوں پر تنبیہ فرمائی ہے جن کا تعلق انسان کی اخروی سعادت کے ساتھ ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی یہ ایک قائم وجاری سنت ہے کہ وہ آدمی اور اس کے دل میں حائل ہو جاتا ہے۔ دل ہی احساس ووجدان اور ادراک کا مرکز ہے جس کا ارادے اور عمل پر تسلط واقتدار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی غافل ہو جائے اور اللہ کے معاملے میں تفریط کرنے لگے تو وہ اس کے دل کو مردہ کر دیتا ہے اور اس کی بیماریوں اور علتوں کے علاج ومعالجے کی فرصت جاتی رہتی ہے اور وہ ارادۂ الٰہیہ کے مطابق دوبارہ صحیح وسالم اور تندرست نہیں ہو سکتا۔ متقی آدمی کو سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ غفلت وتفریط طاری ہو گئی تو دل مردہ ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک گنہگار انسان جب کہ رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہو چکا ہو اس کے لئے سب سے زیادہ اگر کسی چیز میں امید ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے۔ دل اس کے اُلٹ پھیر کا مشاہدہ ہم روزانہ کرتے ہیں بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو راہِ ہدایت پر چل رہے ہوتے ہیں اور

Marfat.com

اُن راستوں سے بچتے ہیں جو انہیں ہلاکت کے گڑھوں میں گرائیں۔ لیکن اچانک ان کے دل کچھ تیز آندھیوں سے ایسے پلٹتے اور بدلتے ہیں کہ انہیں صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیتے ہیں مثلاً کوئی ایسا شبہ جو اعتقاد کو متزلزل کر دے یا کوئی ایسی شہوت و آرزو جس کی وجہ سے گمراہی نیکی پر غالب آ جائے، سوا ایسے لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور شیطانی وساوس کا اتباع شروع کر دیتے ہیں۔

اس آیت میں اشارہ موجود ہے کہ بخوشی محنت کر کے اطاعت خداوندی کرنے والا خدا کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ ہو، مبادا اپنی اطاعت فرماں برداری سے دھوکا کھا جائے اور خود پسندی کا شکار ہو جائے۔ اور اطاعت سے روگردانی کرنے والا گنہگار خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو مبادا اپنی ہوائے نفس ہی کا بندہ بن کر رہ جائے حتی کہ اس کے گناہ اسے گھیر لیں۔ اور جو شخص عذاب خداوندی سے بے خوف نہ ہو اور رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ دل کی نگرانی اور مراقبہ کر سکے، خواطر پر اپنے نفس کا محاسبہ کر سکے اور بگاڑ کی شہوات پر اپنے نفس کو سزا دے سکے تاکہ وہ صراط مستقیم پر چلتا رہے۔

خدا تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ انسان کے بارے میں خدا کی سنت یہ بھی ہے کہ جو شخص ہوائے نفس کا تابع ہو جائے اس کا ارادہ کمزور ہو جاتا ہے اور پھر وہ شہوات اور خواہشات سے بچنے میں ہوائے نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، ایسی حالت میں تو تذکیر و وعظ اسے فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ راہ دکھانے والی عبرتیں اور عقل کے تذکرے۔

بخاری اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگر کبھی قسم کھاتے تو فرمایا کرتے تھے: لَا وَمُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ۔

(۲) دوسری نہایت ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اس بات کو یاد رکھیں کہ خدا کے

Marfat.com

پاس ہمارا حشر ہوگا اور وہ ہمارے قلبی و بدنی اعمال پر ہمارا محاسبہ فرمائے گا اور پھر یا سزا دے گا یا انعام سے نوازے گا۔ اس لئے ہمیں نیک اعمال کرنے کی ہر فرصت کو غنیمت شمار کرنا چاہیئے اور جب بھی وقت ملے نیکی میں جلدی کرنی چاہیئے۔

اوامر کا حکم دینے اور نواہی سے منع فرمانے کے بعد جن کا تعلق انسان کے اختیاری افعال سے ہے، اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اجتماعی فتنوں سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ فتنے صرف ظالموں سے ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ دوسروں تک بھی متعدی ہوتے ہیں اور نیک و بد سب ان کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً:

فتنہ کا معنی ہے ابتلاء و آزمائش۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ ان فتنوں کے وقوع سے ڈرو اور بچو جن کا اثر صرف ان لوگوں تک ہی محدود نہ رہے گا جو ان میں پڑیں گے بلکہ ان پر اور دوسروں پر چھا جائے گا۔ جیسے کہ قومی فتنے جو اُمتوں کے اندر مصالح عامہ مثلاً حکومت، لیڈری، دین و شریعت میں فرقہ بازی اور دینی و سیاسی فرقوں کی گروہ بازی وغیرہ کے سلسلے میں واقع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بدعات کا ظہور، جہاد میں سستی، اپنے سامنے برائی ہوتی دیکھ کر خاموش رہنا اور امر بالمعروف میں مداہنت کرنا وغیرہ امور بھی قومی گناہ ہیں۔ ان اجتماعی گناہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ چلی آتی ہے کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں قومیں اُن کی سزا میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔

ابوالشیخ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے علماء و فقہا اس آیت کے نزول کے وقت سمجھ گئے تھے کہ عنقریب فتنے پیش آئیں گے۔ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ اپنے اندر برائی کو برداشت نہ کریں اور

Marfat.com

اس کے پاؤں نہ جمنے دیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب عام بھیجے گا۔
کئی صحابہ اور جلیل القدر تابعین سے مروی ہے کہ جناب خلیفۂ مظلوم عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وقت کا فتنہ اس امت کا پہلا فتنہ تھا جس میں رائے اور اجتہاد میں اختلاف واقع ہوا اور اہل حل و عقد کے درمیان اعمال کا اختلاف واقع ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی زندیقوں اور مجوسیوں وغیرہ کے فسادیوں کو کھل کھیلنے کے لیے صاف میدان اور کھلی فضا مل گئی۔ پھر اس کے بعد صفین کے مقام پر معرکۂ جمل کا فتنہ پیش آیا۔ پھر بنی امیہ کے ساتھ عبداللہ بن الزبیرؓ کے اختلافات کا فتنہ آیا۔ پھر کربلا میں جناب حسینؓ کے قتل کا فتنہ واقع ہوا۔ الغرض فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور ان سے اسلام و اہل اسلام کو شدید نقصان پہنچا۔ اگر یہ حضرات شروع سے ہی ان فتنوں کا تدارک اور قلع قمع اس طرح پر کر لیتے جس طرح کہ خلیفۂ رسولؐ ابوبکرؓ نے فتنۂ ارتداد کا علاج کر دیا تھا تو بڑے بڑے یہ فتنے واقع نہ ہوتے۔ ان سب میں سے عظیم ترین فتنہ خلافت و سلطنت کا جھگڑا، مختلف آراء کا فتنہ اور دینی و سیاسی مذاہب کا فتنہ تھا۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ: وہ افراد اور امتیں جو خدا کی غیر متبدل سنت کی مخالفت کا ارتکاب کرتی ہیں یا اس کے دین کی ہدایت کا، جو نفوس کے تزکیہ اور دلوں کی تطہیر کا سبب ہے، مخالفت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کے لئے بڑا شدید ہے۔

اس سزا کا جو حصہ دنیا میں ملتا ہے وہ تو عام طور پر معلوم و مشہور ہے کیونکہ اس میں امت اسلامیہ بھی خیر القرون کے بالکل پہلے ہی قرن میں مبتلا ہوئی تھی اور باوجودیکہ اس قرن کے لوگ بعد والوں سے بہرحال افضل اور بہتر تھے پھر بھی چونکہ انہوں نے اس اولین فتنہ کے مٹانے میں تقصیر کی تھی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر سخت سزا دی۔ پھر سزا تو نہ دیں

Marfat.com

جب کبھی اس قسم کی تقصیر واقع ہوتی رہی، اللہ کا عذاب آتا رہا۔ پھر مذہبی فتنے سیاسی فتنوں سے خلط ملط ہو گئے۔ ان سیاسی فتنوں کا باعث ملک گیری سلطنت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب خلافت میں وہ باہم تنازعہ وتناقض میں مبتلا ہو کر لڑنے لگے اس کی صفیں ہی لپیٹ دی گئیں۔

یہ سزا کبھی کبھی افراد پر بھی واقع ہوتی ہے لیکن وہ اکثر اس کا شعور نہیں رکھتے کیونکہ وہ ایسی تدریج اور آہستگی سے آتی ہے کہ اس کا احساس بہت کم ہوتا ہے۔

اور جہاں تک اُخروی سزا کا تعلق ہے اس کا معاملہ خدائے عالم الاسرار کے سپرد ہے جس نے سزاؤں کو ان گناہوں کا طبعی نتیجہ بنا دیا ہے جن کا ارتکاب افراد و اُمم کرتی ہیں۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ:
یہ خطاب مہاجرین کو ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں انہیں ان کی پہلی حالت یاد دلا کر عبرت دلا رہا ہے جس میں وہ نہایت کمزور اور تعداد میں قلیل تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ خطاب نزولِ قرآن کے دور کے سب مسلمانوں سے ہو جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسری طاقتور اقوام مثلاً فارس و روم کے مقابلہ میں امتِ عربیہ کا ضعف یاد دلایا ہے۔

تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ: یعنی تم اسلام کی ابتداء سے ہجرت تک اس بات سے ڈرتے تھے کہ مشرکینِ عرب (قریش وغیرہ) اُچک نہ لیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمہیں خوف تھا کہ دشمن اچانک تیزی سے تمہیں آ کر پکڑ لیں گے اور ختم کر ڈالیں گے جس طرح کہ حدِ حرم سے باہر وہ زمانہ جاہلیت میں ایک دوسرے پر آ پڑتے اور اچک لیتے تھے۔ اور جزیرۂ عربیہ کے اطراف سے دوسری طاقتور قومیں انہیں قتل و غارت اور غلامی کا نشانہ بنا لیا کرتی تھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا

Marfat.com

اَمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ الآیة

فَاٰوٰكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اسلام کو انصار کے گھروں میں پناہ دی اور پھر مہاجرین و انصار کو غزوات میں مدد دی۔ اور اپنی کتاب کریم میں کئے گئے وعدوں کے مطابق عنقریب تمہیں اہل فارس و روم وغیرہ پر غالب کرے گا۔ اور اس نے تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا تاکہ تم ان انعامات کا شکریہ ادا کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو مزید انعامات ملیں گے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ الخ

وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ الخ

امام ابن جریر نے قتادہ سے اس آیت: وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ الخ کی یہ تفسیر روایت کی ہے کہ امت عربیہ سب لوگوں سے زیادہ ضعیف و ذلیل تھی، ان کی گزران نہایت قابل رحم تھی، پیٹ کے لحاظ سے وہ سب سے بھوکے تھے، جسم کے اعتبار سے سب سے ننگے تھے، ان کی گمراہی سب سے واضح تر تھی، وہ فارس و روم کے درمیان بت پرستی پر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے علاقے میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس پر کوئی ان سے رشک و حسد کرتا۔ جو ان میں سے زندہ رہتے تھے وہ شقاوت کا شکار رہتے تھے اور جو مر جاتے تھے انہیں جہنم میں پھینک دیا جاتا تھا۔ لوگ انہیں کھائے جاتے تھے اور وہ کسی قوم کو نہ کھا سکتے تھے۔ روئے زمین کی کوئی قوم اس وقت ان سے زیادہ بری حالت میں نہ تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو لایا اور اس کے ذریعے سے انہیں دنیا میں حکومت و سلطنت عطا فرمائی۔ ان کا رزق وسیع کر دیا اور انہیں دوسروں پر حاکم و صاحب اقتدار بنا دیا۔ جو کچھ تم دیکھتے ہو وہ انہیں سب کچھ اللہ نے اسلام کی وجہ سے عطا فرمایا ہے۔ سو اے مسلمانو تمہارا فرض ہے کہ اس نعمت عظمیٰ پہ اللہ کا شکریہ ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ منعم ہے۔ شکریہ کو پسند فرماتا ہے اور شاکروں کو مزید انعام دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں جو عبرت ہے ایمانداروں کا فرض ہے کہ اسے یاد رکھیں

Marfat.com

وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت پر عمل کرنے والوں کو دنیاوی سعادت بخشی، اقتدار دیا، اہلِ ایمان کو دنیا میں غلبہ و نصرت دی، اور جو کچھ انہیں اس دین کی وجہ سے مل گیا ہے اس کی وہ امید تک نہیں کر سکتے تھے۔ پھر آخرت میں ان کے لئے کامرانی و رضوان اور خدا کی طرف سے فوز و فلاح کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اگر وہ اس دین کی رہنمائی پر چلیں گے تو انہیں جنت نعیم اور راحت و آسائش کی زندگی ملے گی۔

جب تک وہ دین کی ہدایت پر عامل رہے انہیں دوگونہ سعادت میسر رہی لیکن جب انہوں نے اس سے اعراض کیا اور اس کی طرف سے پہلو پھیر لیا تو سُنَنِ الٰہیہ کے مطابق وہ سب کچھ ان پر گزرا جو تنزل پذیر قوموں کا نصیب ہوتا ہے۔ انہوں نے ملک و سلطنت کو ضائع کر دیا۔ ان کے دشمن ان پر مسلط کئے گئے۔ مسلمانوں کو اس سزا سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ اور اپنے اسلاف کی تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ان کی روشنی سے نور و ضیاء حاصل کرنی چاہیئے۔ اور ہوش سے کام لے کر رشد و ہدایت کی طرف پھرنا چاہیئے۔ شاید کہ اللہ ان کی پچھلی میراث اور گزشتہ عزت و شوکت انہیں واپس لوٹا دے: اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

[1] ان آیات میں ایمانداروں کو دوبارہ ترغیب و ترہیب سمیت خدا و رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہنے کا حکم ہوا ہے۔ بات ماننے کی صورت میں ترغیب اور اعراض کے لئے ترہیب وارد ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خدا کی نعمت کی یاد دہانی بھی کرائی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمانداروں کے لئے ایک کامل زندگی کی حامل ہے۔ آپؐ ایک عقیدے کی طرف بلاتے ہیں جو دلوں اور عقلوں کو زندہ کرتا ہے

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۶۷ - ۲۷۱

اُنہیں جہالت و خرافات کے بندھنوں سے آزاد کرتا ہے، وہم و گمان کی گھٹن سے نکالتا ہے، محض ظاہری اسباب پر بھروسہ کرنے کی ذلت ناک عاجزی سے چھڑاتا ہے، غیر اللہ کی بندگی، بندوں کے سامنے ذلت اور شہوات کی غلامی سے آزاد کرتا ہے۔

آپؐ انہیں ایک من جانب اللہ شریعت و قانون کی طرف بلاتے ہیں جو انسان کی آزادی اور اکرام کا اعلان کرتی ہے کیونکہ وہ کسی مخلوق کی بنی ہوئی نہیں بلکہ اللہ وحدہٗ کی تیار کردہ ہے۔ اس کے سامنے سب انسان برابری اور مساوات کی صف میں کھڑے ہیں۔ کوئی فرد کسی قوم کا حاکم نہیں بن سکتا، نہ اُمت میں کوئی طبقہ دوسروں پر اپنا تحکّم و استبداد قائم کر سکتا ہے۔ کوئی جنس دوسری جنس پر فضیلت نہیں رکھتی نہ اسے دبا سکتی ہے۔ کوئی قوم کسی دوسری قوم کی "حاکم" نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب مساوی اور آزاد ہیں اور اپنے خالق و رب کے قانون میں برابر ہیں۔

پھر آپؐ کی دعوت زندگی، فکر اور تصوّر کے ایک نظام و ضابطے کی طرف ہے جو انہیں فطرت کے ضوابط کے سوا ہر قانون و ضابطے سے آزاد کرتا ہے۔ وہ نظام خود خالق انسان و انسانیت کا بنایا ہوا ہے۔ اس نظام کا وضع کرنے والا اپنی مخلوق کی فطرت و ضروریات کا عالم ہے۔

آپؐ انہیں قوّت و عزّت اور غلبے کی طرف بلاتے ہیں جو ان کے عقیدے اور نظام حیات سے حاصل ہوں گے۔ اگر اہل ایمان اپنے دین اور پروردگار پر بھروسہ رکھیں تو عزّت و شوکت انہی کے لئے ہے۔ آپؐ کی دعوت یہ ہے کہ انسان کو ہر قسم کی آزادی دلانے کے لئے زمین میں نکل پڑو۔ اور بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کر کے صرف ایک خدا کی غلامی میں لاؤ۔ انسان کی اس انسانیت کو ثابت و قائم کر دو جو اللہ نے ہی اسے بخشی ہے مگر طاغوتوں نے چھین رکھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت "جہاد فی سبیل اللہ" کی طرف ہے

تاکہ خدا کی زمین میں اسی کی الوہیت کو نافذ کیا جائے اور انسان کی زندگی میں فقط یہی ایک الوہیت قائم ہو۔ نام نہاد خداؤں کی جو دراصل بندے ہیں، الوہیت کو ختم کر دیا جائے کیونکہ انھوں نے خدائی حقوق پر چھاپہ مار رکھا ہے اور اس کی حاکمیت و سلطنت میں دست درازی کر رہے ہیں۔ انہیں ایک خدا کی حاکمیت کے آگے جھکاؤ۔ صرف اسی وقت دین سارا فقط اللہ کا ہوگا۔ اگر ایمانداروں کو اس جہاد میں موت آجائے تو وہ شہادت کی موت ہوگی جو دراصل ایک دائمی اور اعلیٰ حیات ہے۔

دین چونکہ ساری زندگی کے ضابطے اور قانون کا نام ہے، کوئی پوشیدہ عقیدہ نہیں، ایک عملی نظام ہے جس کے سائے میں زندگی کو نشوونما اور ترقی ملتی ہے اس لئے رسولؐ کی اس دین کی طرف دعوت پوری زندگی اور کامل حیات کی طرف دعوت ہے۔ قرآن نے ایک مختصر جملے میں پوری حیات اور اس کے سارے شعبوں کو سمو دیا ہے:

اِسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ۔ جب پیغمبر تمہیں "حیات بخش چیز" کی طرف بلائے تو تم خدا اور رسولؐ کی بات مانو! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے حکم مانو، اگرچہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اگر چاہے تو تمہیں زبردستی منوا لے! وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ۔ آیت کے اس حصے میں خداوند تعالیٰ کی مہیب خوفناک اور لطیف قدرت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ یہ تصویر دائمی بیداری، ہمیشہ کے پرہیز اور دائمی احتیاط کو لازم قرار دیتی ہے تاکہ انسان اپنے دل کی دھڑکن تک کا بیدار رہ کر جائزہ لیتا رہے۔ ہر گزرنے والے خیال سے ڈرتا رہے اور جھکاؤ سے پرہیز کرے مبادا وہ پھسلنے کا موجب نہ بن جائے۔ اسی طرح اللہ سے دائمی تعلق رکھے تاکہ کہیں غفلت و سہو کا شکار ہو کر اس کا دل کہیں پلٹ نہ جائے۔ یہ معاملہ ایسا اہم اور خوفناک ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باوجود خدا

Marfat.com

کے معصوم پیغمبر ہونے کے اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ - پھر اس سے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ عام لوگ کس شمار و قطار میں ہیں جب کہ نہ وہ رسولوں میں سے ہیں، نہ معصوموں میں سے!

یہ تصویر واقعی دل کو ہلا ڈالتی ہے اور جب کبھی مومن خلوت میں چند لمحے اپنے دل پر نظر کرتا ہے تو از سر تا پا کانپ اٹھتا ہے - کہ اگرچہ دل کو میں اپنے پہلو میں اٹھائے پھرتا ہوں مگر وہ قاہر و جبار خدا کے قبضہ میں ہے - جب اس آیت کے مضمون پر غور کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایماندروں سے کہہ رہا ہے کہ میں تمہیں ہدایت پر مجبور کرنے پر قادر ہوں، اگر چاہتا تو ایسا ہی کر ڈالتا - اسی طرح وہ تمہیں اپنی بات منوانے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے - لیکن اللہ سبحانہ تمہیں عزت بخشتا ہے - وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ اپنی رضا و رغبت اور خوشی سے اس کی بات مانو اور اس پر اجر پاؤ - تمہارے ارادے کا ظہور ہو جس سے تمہاری انسانیت ابھر کر سامنے آئے اور اس امانت کا بار اٹھانے کے قابل اپنے آپ کو ثابت کر سکے جو انسان کے سپرد کی گئی ہے - یعنی با اختیار ہدایت کی امانت، سوچ سمجھ کر حق نیابت ادا کرنے کی امانت قصد و معرفت کے ساتھ تصرف کرنے والے ارادے کی امانت -

وَاَنَّهٗ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ: تمہارے دل اس کے ہاتھوں میں ہیں اور اس کے بعد تمہیں اس کے ہاں جمع کیا جائے گا، تم تو اس سے بھاگ کر کہیں جا ہی نہیں سکتے، نہ دنیا میں نہ آخرت میں! لیکن وہ اس کے باوجود تمہیں پکارتا ہے تاکہ تم اس کی پکار پر آزادانہ لبیک کہو اور اجر پاؤ - نہ کہ ایک مقہور و مجبور غلام کی مانند اس کے حکم پر کان دھرو!

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً الخ

فتنہ کا معنی ابتلاء یا خود بلاء (مصیبت) ہے - جو جماعت اپنے کسی فریق کو ظلم کی صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے — اور سب سے

Marfat.com

بڑا ظلم خدا کے قانون اور نظام زندگی کو پرے پھینک دینا ہے! اور وہ جماعت ظالموں کے سامنے ان کی راہ روک کر کھڑی نہیں ہوتی نہ فسادیوں کی راہ بند کر دیتی ہے، یہ ایسی جماعت ہے جو اس بات کی مستحق ہے کہ ظالم فسادیوں کے ظلم و فساد کی پاداش میں اس پر گرفت کی جائے۔ اسلام ایک کلّی اور ایجابی نظام حیات پیش کرتا ہے۔ جس میں اس امر کی گنجائش نہیں کہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور ظلم و فساد پھیلتا رہے۔ وہ نہ صرف یہ دیکھتے رہیں کہ دین خداوندی کا اتّباع نہیں کیا جا رہا، بلکہ یہ بھی ان کے سامنے ہوتا رہے کہ خدا کی الوہیّت کا انکار ہو رہا ہے اور اس کی جگہ بندوں کی خدائی قائم ہو رہی ہے! اور وہ گم صم بیٹھے رہیں۔ پھر اس کے بعد وہ یہ امید بھی رکھیں کہ اللہ انہیں فتنے سے نکال دے گا کیونکہ وہ ذاتی طور پر صالح اور نیکوکار ہیں۔

پھر چونکہ ظلم کا مقابلہ کرنے سے جانی و مالی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس مسلم جماعت کو جن میں ابتداءً قرآن اُترا تھا وہ ضعف و قلّت تعداد یاد دلا رہا ہے جن سے وہ گزر چکی تھی اور وہ تکالیف اور خوف جن کا وہ سامنا کر چکی تھی۔ اور جس طرح اللہ نے اسے ٹھکانا دیا تھا اور عزت اور پاکیزہ رزق بخشا تھا۔ پس اس جماعت کا فرض ہے کہ اس "حیات" سے گریز نہ کرے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بلا رہے تھے۔ اور یہ کہ وہ زندگی کی تکالیف سے نہ گھبرائیں اور اس عزت و حمایت کی قیمت ادا کریں جو انہیں بخشی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے: وَاذْكُرُوٓا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِى الْأَرْضِ الخ

یعنی اپنی وہ پہلی حالت یاد کرو تاکہ تم کو یقین ہو جائے کہ پیغمبر تمہیں زندگی بخش دعوت دے رہے ہے۔ اسے ہر وقت یاد رکھو تاکہ ظلم کی ہر صورت کا مقابلہ کر سکو ضعف و خوف کا زمانہ یاد کرو۔ وہ وقت یاد کرو جب کہ ابھی تم پر قتال فرض

Marfat.com

نہیں ہوا تھا۔ پھر جب قتال فرض ہوا تو پیغمبرؐ نے تمہیں مشرکوں کی پُرشوکت جماعت (مکی فوج) کا مقابلہ کرنے کے لئے پکارا تھا۔ پھر دیکھو کہ اس زندگی بخش دعوت کے بعد تم کس طرح معزز و منصور ہوئے تھے، تمہیں اجر و ثواب بھی ملا تھا اور رزق کے دروازے بھی تم پر کھول دیئے گئے تھے۔ یہ اس لئے ہوا تھا کہ تم اس ذات حق کا شکریہ ادا کرو اور جس طرح پہلے اطاعتِ خدا و رسولؐ پر تمہیں یہ عزت و شوکت حاصل ہوئی تھی اس طرح اب اس شکریئے کے بعد تم خدا کے فضل و اجر اور ثواب کے حق دار بن جاؤ۔

اس آیت نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ حق کے پرستاروں کو ہمیشہ ان مرحلوں سے گزرنا پڑے گا۔ وہ قلیل و ضعیف ہوں گے مگر اپنے صبر و اطاعت کے باعث اللہ تعالیٰ کے ایواء و نصرت کے مستحق بنیں گے اور ان کے ذریعے سے اللہ کے وعدے اس دنیا میں پورے ہوں گے۔ پھر انہیں رزقِ طیّب دیا جائے گا اور دوبارہ ان سے اس کے شکریئے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

ہر دور میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے جدّوجہد کرنے والوں کو یہ حقائق پیشِ نظر رکھنے لازم ہیں!

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَخُونُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا۟

اے ایمان والو خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو

أَمَٰنَٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ

آپس کی امانتوں میں جان کر اور جان لو کہ بے شک تمہارے مال

وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ ع

اور اولاد خرابی میں ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے

Marfat.com

ل خیانت کا لغوی معنیٰ ہے کہ خائن سے جس بات کی توقع اور امید رکھی اس نے وہ نہیں کی بلکہ اس کے برخلاف اس میں نقص ڈال دیا۔ مثلاً جب تلوار نشانے سے چوک یا اچٹ جائے تو کہتے ہیں: خَانَهُ سَيْفُهُ۔ اور جب کوئی آدمی چلنے پر قادر نہ رہے تو کہتے ہیں خَانَتْهُ رِجْلَاهُ۔ اور اسی قبیل سے وہ آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے: عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ الآیۃ۔ یعنی بعض لذات جو تمہارے لئے حلال تھیں تم اپنی جانوں کو ان سے پورا استفادہ نہ کرنے دیتے تھے۔ پھر خیانت کا لفظ امانت ووفاء کے مقابلہ میں بولا جانے لگا۔ کیونکہ جب کوئی شخص دوسرے سے خیانت کرتا ہے تو اس کا نقصان کرتا ہے۔ امانت کا معنیٰ ہے ہر وہ مادی یا معنوی حق جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا۔ فتنہ کا معنیٰ ہے ایسی چیزوں سے کسی کو جانچنا یا اس کا امتحان لینا جن کا کرنا یا ترک کرنا، قبول کرنا یا اس سے انکار کرنا نفس پر شاق گزرتا ہے۔ پس اس کا تعلق اعتقادو اقوال اور افعال واشیاء سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ مومنوں اور کافروں، صادقوں اور منافقوں، سبھی کو جانچتا ہے اور ان کی آزمائش کا نتیجہ جو مرتب ہوتا ہے یعنی حق کا اتباع یا باطل کا اتباع، نیک عمل یا بدعملی، اس پر انہیں جزاء وسزا دیتا ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ ابوسفیان مکہ سے نکلا اور اس کے خروج کا باعث ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایماندار وں کی عداوت ہوتی تھی!) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ابوسفیان کے اس خروج کی اطلاع دے دی اور ایک منافق نے ابوسفیان کو خط لکھا کہ محمد تمہارے

ل تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۹۲-۱۹۳

Marfat.com

تعاقب میں ہیں، ذرا بچ کر رہنا! اس پر یہ آیت نازل ہوئی: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ الخ

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت ابو لبابہ کے بارے میں اتری تھی۔ ابو لبابہؓ یہود بنی قریظہ کا حلیف تھا۔ یہودیوں کی متواتر عہد شکنیوں اور شرارتوں کی بناء پر جب بنو النضیر کو جلاوطن کیا گیا اور بنو قریظہ کا محاصرہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کر لیا۔ تو محاصرے سے تنگ آکر بنو قریظہ نے سعدؓ بن معاذؓ کے فیصلہ و حکم پر رضاء کا اظہار کرتے ہوئے قلعوں سے اترنا منظور کر لیا، اور سعدؓ بن معاذ کو انہوں نے ثالث اس لئے بنایا تھا کہ وہ ان کی غداریوں اور نقضِ عہد سے قبل ان یہود کے حلیف تھے، تو ابو لبابہ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے انہیں سمجھایا کہ سعدؓ بن معاذ کا فیصلہ ان کے خلاف اور ان کے قتل و ذبح پر مبنی ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابو لبابہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابھی اپنی جگہ سے قدم بھی نہ ہٹائے تھے کہ مجھے علم ہو گیا کہ میں نے خدا و رسولؐ کی خیانت کی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو لبابہؓ کی بیوی سے دریافت کیا کہ آیا وہ نماز روزہ اور غسلِ جنابت کا پابند ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہاں! وہ نماز روزہ اور غسل جنابت کا پابند ہے اور خدا و رسولؐ سے محبت بھی رکھتا ہے۔ (مطلب یہ کہ اس سے گو لغزش ہو گئی ہے مگر وہ ایماندار ہے منافق نہیں)

حدیث میں آتا ہے کہ ابو لبابہؓ نے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ واللہ! میں کھانا پانی نہیں چکھوں گا حتی کہ مر جاؤں یا اللہ میری توبہ قبول فرمالے۔ اس پر سات دن اسی حالت میں گزر گئے۔ اس نے کھانا پانی نہیں چکھا حتی کہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ پھر اللہ نے اس کی توبہ قبول کی اور ابو لبابہؓ کو بتایا گیا کہ تمہاری توبہ قبول ہو چکی ہے۔ اس نے کہا واللہ! میں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی کھولیں تو

Marfat.com

کھول دیں۔ پس حضورؐ تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے ابولبابہؓ کو کھول دیا!

[1] خدا اور رسولؐ کی خیانت یہ ہے کہ اُن کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں۔ یا جس کام پر خدا و رسولؐ نے مامور کیا ہو اس میں دخل فصل کیا جائے۔ یا مالِ غنیمت میں چوری کی جائے وَنَحْوُ ذَالِکَ بہرحال ان تمام امانتوں میں جو خدا و رسولؐ یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں، خیانت سے بچو۔ اس میں ہر قسم کے حقوق اللہ و حقوق العباد آ گئے۔

روایت میں ہے کہ یہود بنی قریظہ نے جب حضورؐ سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو بنی النضیر کے ساتھ ہوا ہے، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعدؓ بن معاذ کو حَکَم بنالو۔ جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کریں وہ تمہیں منظور ہونا چاہیئے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ کو حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے ہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعدؓ بن معاذ کی تحکیم منظور کر لیں یا نہ کریں۔ ابولبابہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے، اس لئے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا (یعنی اگر سعدؓ بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ گے!) ابولبابہؓ اشارہ تو کر گزرے مگر معاً تنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسولؐ کی خیانت کی۔ واپس آ کر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتیٰ کہ موت آ جائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے۔ فاقہ سے غشی طاری ہو گئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری

---

[1] فوائد القرآن صفحہ ۲۳۲

Marfat.com

توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے میری رسّی نہ کھولیں۔ آپؐ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا۔ ابن عبدالبرؒ کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بنا پر پیش آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

آیت ۲۸: آدمی اکثر مال و اولاد کی خاطر خدا کی اور بندوں کی چوری کرتا ہے اس لئے متنبہ فرمایا کہ امانت داری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے وہ یہاں کے مال و اولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ آیت ۲۷ کا شانِ نزول ابولبابہ عبدالمنذر کے واقعہ سے مانا جائے[1]۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ بہ لحاظ مضمون یہ آیت قتلِ عثمانؓ کی پیش گوئی سے متعلق ہے۔ کیونکہ امیر کو فتنہ و فساد پیدا کر کے شہید کر دینا اللہ و رسولؐ کی خیانت ہے۔

پھر حضرت علامہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ آیت میں عمومیت ہے اگرچہ یہ درست ہے کہ آیت کا شانِ نزول ایک سبب خاص ہے اور علماء کے نزدیک عموم لفظ کا اعتبار ہے خصوص سبب کا نہیں۔ خیانت میں چھوٹے بڑے، لازم و متعدی سب ہی گناہ شامل ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ الخ فتنہ سے آزمائش اور امتحان مراد ہے۔ کہ اولاد دے کر آزماتے ہیں کہ تم شکر کرتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں بجا لاتے ہو یا نہیں۔ یا یہ کہ ان کی محبت میں خدا سے غافل ہو جاتے ہو۔ ایک اور آیت میں فرمایا ہے کہ ہم خیر و شر کے ذریعے سے تمہیں آزمائیں گے ایک اور آیت میں ہے کہ اے مومنو! تمہاری اولاد اور تمہارے اموال خدا کی یاد سے تم کو غافل نہ بنا دیں، اگر ایسا ہوگا تو تم بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ ایک اور

---

[1] تفسیر ابن کثیر پ ۹ صـ ۹۱-۹۳

Marfat.com

جگہ ارشاد ہے کہ بعض دفعہ اولاد اور بیویاں دشمن ہوتی ہیں۔ لہذا ان سے بچ کر رہنا چاہیئے اور احتیاط کو مدِّ نظر رکھنا چاہیئے۔ ایک حدیث صحیح میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا کی قسم تمہیں ایمان نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی جان و مال اور اولاد سے زیادہ مجھے نہ چاہو!

لہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اور مسلمانوں کی پہلی حالت جتلائی ہے۔ یہ چیز اطاعت و توکل کی محرک ہے۔ یہاں خدا و رسولؐ کی اور آپس کی خیانت سے منع فرمایا ہے۔ یہ خیانت باہمی اتفاق و محبت میں خلل انداز اور اسلامی جماعت میں رخنہ پیدا کرنے والی چیز ہے۔ اور خیانت کا باعث چونکہ بیشتر اولاد اور مال کی محبت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو "فتنہ" قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دارِ آخرت میں اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

لہ لَا تَخُونُوا اللّٰہَ وَالرَّسُولَ: خدا سے خیانت مت کرو یعنی اس کے فرائض کو معطل نہ کرو۔ اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس کے محارم کو مت توڑو جو اس نے اپنی کتاب میں تمہارے لئے بیان کر دئے ہیں۔ اور رسولؐ سے خیانت مت کرو یعنی اس نے خدا کی کتاب کا جو بیان و تفسیر (قولاً و فعلاً) پیش فرمائی ہے اسے چھوڑ کر اپنی اہواء و خواہشات، اپنے بڑوں کی آراء، اپنے آباء و اجداد کے خیالات اور اپنے حکام کے اوامر کو مت اختیار کرو۔ نہ اس کی سنت کو چھوڑ کر اپنے آباء و زعماء کا طریقہ اختیار کرو، اس سلسلہ میں تمہارا یہ زعم باطل ہے کہ وہ لوگ تم سے خدا اور رسولؐ کی مراد کو زیادہ جاننے والے تھے۔

وَتَخُونُوا اَمٰنٰتِکُم: آپس میں مالی معاملات وغیرہ میں ایک دوسرے کی امانت میں خیانت مت کرو۔ ادبی شغلوں اور اجتماعی معاملات میں بھی یہ حکم نافذ ہے مثلاً کسی کا بھید کھولنا خیانت اور حرام ہے۔ اور اس کے بھید اور راز ہوتے

لہ تفسیر حقانی ج ۴ ص ۱۹۱ لہ تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۴۱-۶۴۶-۶۴۸ لہ تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۹۳-۱۹۵

Marfat.com

کی یہی دلیل کافی ہے کہ بات کرنے والا دوسرے سے کہے: "کیا ہماری بات کوئی سن تو نہیں رہا؟" یہ بات چیت کرتے وقت اِدھر اُدھر دیکھے کہ کوئی دوسرا نہ آجائے۔ چنانچہ بیوی کے باہمی معاملات سب امانتوں سے بڑھ کر چھپانے کے لائق ہیں اور دونوں کو ان کی حفاظت کرنا فرض ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے عوام اور حکام کے درمیان سیاسی یا جنگی معاملات کو افشاء کرتا ہے اور دشمن کو ان کی اطلاع دیتا ہے جس سے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کر سکے، تو وہ بھی اس آیت کے مطابق امانت میں خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے۔

خیانت منافقین کی صفت ہے اور امانت مومنوں کا وصف۔ امام احمد بن حنبلؒ کی روایت کے مطابق حضرت انسؓ بن مالک کا ارشاد ہے کہ حضورؐ نے کم ہی کوئی خطبہ دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ: لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ — "جو عہد کا پابند نہیں وہ ایماندار نہیں"۔

بخاری و مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "منافق کی تین علامتیں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے، اگرچہ وہ روزہ رکھے، نماز پڑھے اور مسلم ہونے کا دعویٰ کرے"۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: یعنی تم خیانت کے مفاسد، خدا کا اسے حرام ٹھہرانا اور اس کا دنیوی و اخروی انجام بد جانتے ہو۔ یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ خیانت ہے، یعنی اس کا خیانت ہونا بالکل واضح ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص پر کسی فعل کے خیانت ہونے کا حکم مخفی رہ گیا ہو تو یہ لاعلمی اس کے حق میں عذر ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ فعل "ضروریاتِ دین" میں سے نہ ہو۔ یا عقل اسے واضح طور پر خیانت نہ جانتی ہو۔ یا دل سے فتویٰ پوچھ کر اس کا خیانت ہونا معلوم ہو جاتا ہے جیسا کہ

Marfat.com

ابو لبابہؓ نے جو کچھ یہود کی حمایت میں کیا، وہ کر تو بیٹھے لیکن فوراً احساس ہو گیا کہ محض مال و اولاد کی حرص میں یہ خیانت کا فعل سرزد ہو گیا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ : یعنی اموال و اولاد کا فتنہ اتنا عظیم ہے کہ عقل مندوں سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اموال پر تو انسان کی گذران اور مرغوبات و خواہشات کے حصول کا دارومدار ہے اور یہ انسان سے بہت سی ناپسندیدہ چیزوں کو دور کرنے کا باعث ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آدمی ان کے کمانے میں مشقتیں برداشت کرتا اور تکالیف اٹھاتا ہے۔ اور اسی لئے شرع نے حکم دیا ہے کہ حلال کا التزام کیا جائے اور حرام سے پرہیز ہو۔ نیز قانونِ شرع مال کے معاملے میں اسے قصد و اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ مال کی اہمیت اس سے بھی معلوم ہو سکتی ہے کہ انسان اسے محفوظ رکھنے میں بہت جدو جہد کرتا اور تکلیف اٹھاتا ہے اور خرچ کرتے وقت کئی خیالات اور وسوسے اسے پیش آتے ہیں۔ پھر شارع علیہ السلام نے مال میں بہت سے معیّن اور غیر معیّن حقوق مقرر فرمائے ہیں مثلاً زکوٰۃ، اولاد کا نفقہ اور ازواج کا خرچ وغیرہ۔

رہی اولاد، سو اس کی محبت فطرتی ہے کیونکہ وہ والدین کے نزدیک دلوں کا پھل اور جگر کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ یہی چیز ہے کہ جو والدین کو امکان بھر اولاد کے لئے مال، صحت، اور راحت کی قربانی پر آمادہ کرتی ہے۔ ابو سعید الخدری سے مرفوعاً روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اولاد دل کا پھل ہے، جو والدین کو بزدل، بخیل اور غمگین بنانے کا سبب ہوتی ہے۔"

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ اولاد کی محبت والدین کو گناہ کرنے، ان کی تربیت اور انہیں خرچ دینے میں حدود الٰہی کو توڑنے اور ان کے لئے مال جمع کرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ چیزیں ضرورت کے وقت حق کا

Marfat.com

دفاع کرنے، امت کی خدمت و دفاع کرنے اور زکوٰۃ وغیرہ فرضی نفقات میں بخل پر آمادہ کرتی ہیں اور ثابت شدہ حقوق کی ادائیگی سے روکتی ہیں۔ اسی طرح اگر خدانخواستہ اولاد میں سے کوئی مرجائے تو ان کی جدائی والدین کو خدا کی ناراضگی اور اس پر اعتراض وغیرہ پر ابھارتی ہے، مثلاً ماؤں کا نوحہ و بین کرنا، کپڑے پھاڑ دینا اور جسم کو پیٹنا وغیرہ۔ الغرض اولاد کا فتنہ کئی وجوہ سے مال کے فتنہ سے بھی عظیم تر ہے، کیونکہ آدمی ان کی خاطر مالِ حرام کماتا اور لوگوں کا مال ناجائز ذرائع سے کھاجاتا ہے۔

پس مومن پر واجب ہے کہ ان دونوں فتنوں سے بچتا رہے۔ پہلے سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ مال کو حلال ذرائع سے کمائے اور نیکی و احسان میں خرچ کرے۔ دوسرے سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ اس کے لئے حرام میں نہ پڑے اور حدیث گزشتہ کے مضمون کے مطابق بزدلی، بخل اور غم و حزن سے محفوظ رہے۔ نیز دین نے جس طرح اولاد کی اچھی تربیت فرض کی ہے اور انہیں نیکی کا عادی بنانا اور برائیوں سے بچانا واجب ٹھہرایا ہے، اس پر عمل درآمد کرے۔

آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اجرِ عظیم اللہ ہی کے ہاں ہے۔ پس تمہارا فرض ہے کہ اموال و اولاد میں اس کے احکام کی مراعات کرکے اس اجر کو پانے کی کوشش کرو۔ اور اس کی پرواہ نہ کرو کہ اس طرح تمہیں دنیوی فوائد سے محرومی ہوگی۔[1]

[1] مال و اولاد بعض دفعہ خدا و رسولؐ کی بات ماننے سے خوف اور بخل کے باعث روک دیتے ہیں جس زندگی کی طرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں وہ بہت باعزت زندگی ہے، جس کی راہ میں تکلیف اٹھانا اور قربانیاں کرنا ضروری ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے مال و اولاد کے فتنہ پر تنبیہ کرکے اس حرص کا علاج کیا ہے یہ فتنہ ابتلاء و امتحان اور جانچے جانے کا مقام ہے۔ اس امتحان میں سے گزرتے

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۱۷۱-۴۷۲

ہوئے ضعف کا احتمال تھا لہذا اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ دعوت جہاد سے پیچھے رہ جانے سے ڈرایا گیا ہے۔ امانت، عہد اور بیعت کی تکالیف سے منہ پھیرنے سے ڈرایا گیا ہے۔ خدا و رسولؐ سے پیچھے رہنے کو خیانت قرار دیا گیا ہے امّت مسلمہ کے سپرد زمین کی جو امانتیں کی گئی ہیں ان میں خیانت سے ڈرایا گیا ہے یہ امانت کیا ہے؟ خدا کے کلمہ کو بلند کرنا اور بندوں کے لئے صرف ایک خدا کی الوہیّت کو ثابت کرنا، عالم بشریت کو حق و عدل کی وصیّت کرنا اور خود اس پر عمل پیرا ہونا! آخر میں فرمایا ہے کہ خدا کے ہاں جو تمہارے لئے اجرِ عظیم مقرر کیا گیا ہے وہ اموال و اولاد سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے ان کی محبّت میں قربانی اور جہاد سے مُنہ مت موڑو۔

اس زمین میں امّتِ مسلمہ کے ذمّہ جو فرائض و تکالیف عائد کی گئی ہیں، ان سے بچنے کی کوشش کرنا اور فرائض کی ادائیگی سے گریز کرنا خدا و رسولؐ سے خیانت ہے! اس دین کا سب سے پہلا قضیّہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا عہد ہے۔ یعنی الوہیّت کو صرف ایک خدا کے لئے قائم کرنا، اور اس سلسلے میں جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا ہے اسے مضبوطی سے تھام لینا۔ بشریت اپنی ساری تاریخ میں خدا کی بالکل منکر کبھی نہیں رہی۔ بلکہ اُسے مان کر دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتی رہی ہے۔ یہ شرک کبھی کبھی اعتقاد و عبادت میں ہوتا رہا ہے اور اکثر حاکمیت و اقتدار میں! زیادہ تر شرک کی یہی دوسری قسم رائج رہی ہے۔ یہی باعث ہے کہ اس دینِ حق کا سب سے بڑا تقاضا فقط یہی نہیں رہا کہ لوگوں کو محض عقیدے کی حد تک خدا کی الوہیّت منوا دے۔ بلکہ اس کا تقاضا دراصل یہ رہا ہے کہ لوگوں کو صرف ایک ہی خدا کی الوہیّت کا عقیدہ منوائے اور ان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرائے۔ یعنی ان کی زمینی زندگی میں ان سے صرف خدائے واحد کی حاکمیت کا اعتراف کرائے جیسا کہ وہ نظامِ کائنات میں اس کی واحد حاکمیت کے قائل ہیں۔ اسی طرح

Marfat.com

اس آیت کا مضمون ثابت و قائم ہوگا: وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۔ اسی طرح اسلام کا تقاضائے اولین یہ بھی ہے کہ الٰہ واحد کی طرف سے تبلیغ کرنے والا فقط پیغمبر ہے لہٰذا جو کچھ وہ پہنچاتا ہے اسے لازم پہچاننا واجب ہے! اس حقیقت کو لوگوں سے منوایا جائے۔

اس دین کا یہی تقاضا ہے کہ اعتقادی طور پر فقط خدا کی الوہیت، کو ضمیر میں جاگزیں کر دیا جائے اور عملی طور پر ایک تحریک کی حیثیت سے اسے زندگی میں نافذ کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قضیۂ الوہیت سے علیحدگی یا اسے نافذ کرنے کی جدوجہد سے علیحدگی خدا و رسولؐ سے خیانت ٹھہری۔ اللہ تعالیٰ اس مسلمان جماعت کو جو اس عقیدہ پر ایمان لا چکی تھی اور اس کا برسرِ عام اعلان کر چکی تھی، اس سے ڈرا رہا ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس مسلم جماعت کے ذمّہ یہ واجب کر دیا گیا کہ دین کے اس قضیّہ کے حقیقی مطالب و مدلول کو ثابت کرنے کی راہ میں جہاد کرے اور اس راہ میں جان و مال اور اولاد کی قربانی دے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلم جماعت کو اس بات سے بھی ڈرا رہا ہے کہ اس امانت میں مبادا خیانت کرے جو اس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت اٹھائی تھی۔ اسلام صرف ایک زبانی کلمے کا ہی نام نہیں، صرف چند عبادتوں اور دعاؤں کا مجموعہ ہی نہیں، بلکہ وہ زندگی کا ایک پورا ضابطہ ہے جس پہ عمل پیرا ہونے کے راستے میں مشقتیں اور گھاٹیاں عبور کرنا پڑتی ہیں۔ وہ ایک ضابطۂ حیات ہے جو لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی بنیاد پر قائم ہے۔ لازم ہے کہ لوگوں کو ان کے برحق پروردگار کی بندگی کی طرف لوٹایا جائے اور اجتماعی نظام کو خدا کی حاکمیت و شریعت کی طرف لوٹایا جائے۔ اور وہ طاغی اور حد سے گزرنے والے جنہوں نے خدا کی الوہیت و اقتدار پر چھاپا مارا ہے انہیں اس سے باز رکھا جائے۔ سب

Marfat.com

لوگوں کے لئے حق وعدل کو پرامن بنا دیا جائے۔ ان کے درمیان حق کی ثابت شدہ ترازو سے انصاف کو قائم کیا جائے۔ اور خدا کی زمین میں اس کی نیابت کا حق ادا کرنے کے لئے تکالیف و مصائب برداشت کی جائیں۔

یہ سب امانتیں ہیں، جو شخص ان کی ادائیگی کے لئے آمادہ نہ ہو جائے گویا اس نے ان میں خیانت کی۔ خدا کے عہد کو توڑ ڈالا اور پیغمبرؐ سے کی ہوئی بیعت کے نقض کا مرتکب ہوا۔

یہ تمام امانتیں قربانی اور ضبط و تحمل کی متقاضی ہیں۔ ان کی ادائیگی کے لئے مال و اولاد کے فتنہ پر غالب آنا واجب ہے۔ تبھی آدمی خدا کے ہاں اجرِ عظیم کا حقدار ہو گا۔

قرآن کریم انسانی فطرت سے خطاب کرتا ہے۔ اس طرح کہ اس کا خالق اس کی مخفی ترکیب کو جانتا ہے، اس کے ظاہر و باطن سے واقف ہے اور اس کے راستوں، کج پیچ پگڈنڈیوں اور انحراف کو خوب سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فطرتِ انسانی کی کمزوریوں اور اس کے نازک اور کمزور مواقع کو خوب جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ مال و اولاد کی حرص انسانی فطرت کے کمزور مقامات میں سے ہے۔ اسی لئے وہ انسانی فطرت کو بتاتا ہے کہ ان کا بخشنے والا اللہ ہے اور یہ چیزیں امتحان کے مقامات ہیں۔ زندگی کی زینت انہی سے ہے اور اس زینت میں بھی خدا کا امتحان وابتلاء ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندہ ان میں کیسے تصرف کرتا اور کس طرح امتحان میں پورا اترتا ہے۔ کیا شکریہ ادا کرتا اور حقِ نعمت ادا کرتا ہے یا نہیں؟ آیا ان میں کھپ کر خدا کے حق کی ادائگی سے تو غافل نہیں ہو جاتا؟ امتحان خیر و شر دونوں میں ہے فقط شدّت و محرومی میں ہی نہیں بلکہ راحت و آسائش میں بھی ہے۔

جب دل اس امتحان کے لئے بیدار ہو جائے تو یہ چیز انسان کی بیداری اور حزم و احتیاط میں مددگار بنتی ہے۔ ایسا شخص محبت میں مستغرق ہو کر ابتلاء و امتحان کو بھول نہیں جاتا۔

Marfat.com

اور چونکہ یہ قربانی بہت بڑی ہے اس لئے اس کا اجر بھی بہت بڑا رکھا گیا ہے۔ اس اجرِ عظیم کے اعلان سے انسان اپنے فطرتی ضعف پر غلبہ پانے اور امتحان میں کامیاب ہونے کا سروسامان پا سکتا ہے۔ یہ تربیتِ الٰہی ہے جس نے ضعفِ انسانی کا علاج بھی خود ہی فرما دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا

اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلہ

(۲۹) وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اور دور کر دے گا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ کا فضل بڑا ہے

لہ تقویٰ کا معنی ہے گناہوں اور برائیوں کو چھوڑ دینا، اور حسبِ استطاعت دینی واجبات اور طاعات کا ادا کرنا۔ دوسرے لفظوں میں تقویٰ کا مطلب ہے، ان چیزوں سے بچنا جو انسان کو اس کی جان اور جنس میں ضرر دیں اور ان چیزوں کو ترک کر دینا جو انسان میں اور اچھے مقاصد اور بلند نصب العین میں حائل ہوں۔

فرقان کا اصل معنی ہے دو چیزوں یا بہت سی چیزوں میں فرق اور جدائی کرنا، اور یہاں اس سے مراد وہ نورِ بصیرت ہے جو حق و باطل اور مفید و مضر چیزوں میں فرق کرے بالفاظِ دیگر فرقان سے مراد علمِ صحیح اور بہتر فیصلہ ہے۔ یہ لفظ تورات و انجیل اور قرآن پر بھی بولا گیا ہے، بالخصوص قرآن پر اس کا اطلاق بہت ہوا ہے ارشادِ الٰہی ہے: تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝ اس اطلاق کا باعث یہ ہے کہ کلامِ الٰہی عقیدہ و عمل کے لحاظ سے ایمان

لہ تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۹۵-۱۹۶

Marfat.com

اور کفر میں فرق و امتیاز کر دیتا ہے۔ اور حق و باطل، عدل و ظلم اور خیر و شر میں جدائی کر دیتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد کے فتنہ سے ڈرایا تو اس کے بعد اس آیت میں ایمانداروں سے تقویٰ کا مطالبہ فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مال و اولاد کی محبت میں اپنے میلانات و خواہشات کو ترک کر دیا جائے۔

[1] یعنی اگر خدا سے ڈر کر راہِ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دے گا۔ دنیا میں بھی تم کو عزت دے گا اور ان کو ذلیل یا ہلاک کرے گا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعیم مقیم و دائم میں رہو گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (یٰس ع) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ (المرسلات ع) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے۔ اس کے علاوہ ایک بات حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے لکھی ہے کہ "شاید فتحِ بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے، حضرتؐ سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ میں نہ ستائیں۔ سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جائے گا، تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے"

[2] اس آیت میں مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے کفر و شرک اور کبائر سے بچو گے تو ہم تمہارے لئے تین باتیں کریں گے۔ اول تم میں اور کافروں میں فرق کر دیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تمہارے دل منور، چہرے روشن ہوں گے اور مکارم اخلاق و غلبہ تمہیں دیں گے

---

[1] فوائد القرآن صد ۲۳۳ [2] تفسیر حقانی ج ۴ صد ۱۹۱ - ۱۹۲

Marfat.com

آخرت میں نجات، جنت اور کافروں کے لئے دونوں جگہ اس کے برخلاف ہوگا فرقان کے معنی "مجاہدؒ نے دنیا و آخرت کی رستگاری اور مقاتلؒ بن حیان نے دینی شبہات سے چھٹکارا اور عکرمہؒ نے خوفناک چیزوں سے نجات پانا بیان کئے ہیں۔ یہ رجحان کی مانند اسی وزن پر مصدر ہے۔ دوم تمہاری برائیاں چھپا دیں گے۔ سوم آخرت میں تمہیں معاف کر دیں گے۔ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم میں دنیا و آخرت کی بڑی بڑی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے[۱]
یہی مضمون ایک اور آیت میں یوں وارد ہوا ہے: اے مومنو! خدا سے ڈرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو، خدا تم پر دہری رحمت نازل فرمائے گا۔ وہ تمہیں ایک نور دے گا کہ اس کی رہنمائی میں چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

جو خدا سے ڈرے گا، اس کے احکام بجا لائے گا اور اس کی نواہی سے پرہیز کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے حق و باطل کی معرفت عطا فرمائے گا، یہ چیز اس کی نجات اور مدد کا باعث ہوگی اور اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔
[۲] اگر تم اس کے دین کے اوامر کا اتباع کرو گے، خوف خدا کو اختیار کرو گے اور اس کی مخلوقات کے نظام میں جو اس کے قوانین و ضوابط ہیں ان کے مقتضیٰ پر چلو گے تو وہ تمہارے دلوں میں علم کا ایک ایسا ملکہ پیدا کر دے گا جس سے تم حق و باطل میں فرق کر لو گے اور مفید و مضر اشیاء کو پہچان لو گے۔ علم کے اس نور کی طرف طالب علم کی رسائی صرف تقویٰ سے ہوتی ہے۔ اسی کو قرآن نے حکمت سے تعبیر فرمایا ہے: وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ۝
اللہ کا تقویٰ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ انسان کے بارے میں غور التعلی

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۹ ص ۳ ۹ [۲] تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۴۰-۶۵۰ التفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۹۶-۱۹۷

Marfat.com

کی انفرادی سُنن اور انسانی جماعت میں اس کی اجتماعی سُنن کی معرفت حاصل نہ ہو۔ قرآن کے متعدد مقامات پر خدا کی آیات اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ یہی باعث ہے کہ تقوی کا ثمرہ ملکۂ فرقان کا حصول قرار دیا گیا ہے۔ اسی سے انسان پیش آمدہ اشیاء و مواقع میں علم و حکمت کے تقاضے کے مطابق فرق و امتیاز کرنے اور صحیح عمل اختیار کر کے مناسب کو اختیار اور نامناسب کو ترک کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ متقی کو ایسی قوتِ تمیز (فرقان) دے دیتا ہے جس سے وہ ہدایت و ضلالت میں امتیاز کر سکے۔ اسی لئے صحابہؓ و تابعین میں سے جو خلفاء و حکام ہوئے وہ زمین میں خدا کے سب بندوں سے زیادہ عادل ثابت ہوئے حتیٰ کہ بعض فرنگی مورخین نے کہا ہے کہ تاریخ نے عربوں سے بڑھ کر عادل اور زیادہ رحمدل فاتح کوئی نہیں دیکھا۔

[1] سورۃ الانفال کے اس قطعہ میں ایمانداروں کو آخری حکم تقوی کا دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ انسانی قلوب احکام الٰہی کے بھاری بوجھ کو اٹھانے کے قابل تبھی ہو سکتے ہیں جب کہ ان کے سامنے راستہ بالکل واضح ہو، ایسا نور ان کے پاس موجود ہو جو شبہات کو دور کر دے، وساوس کو زائل کر دے اور کانٹوں بھرے طویل راستے پر قدموں کو ثابت کر دے۔ یہ فرقان صرف تقوی کے احساس اور نورِ خداوندی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

تقوی ہی زادِ راہ اور سفر خرچ ہے۔ یہ دلوں کو زندہ و بیدار کرتا اور ان میں احتیاط و حذر پیدا کرتا ہے۔ خدا کا دیا ہوا نور راستوں کے پیچ و خم اور نشیب و فراز کو واضح کرتا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ایسے شبہات پیدا نہیں ہو سکتے جو راستے کی پوری اور صحیح معرفت سے روک سکیں۔ پھر تقوی ہی کوتاہیوں

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۷۴ - ۲۷۵

Marfat.com

لغزشوں اور گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے۔ اسی سے اطمینان اور قرار و سکون پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے خدا کے عظیم فضل کی امید بندھتی ہے۔ یہی سفر خرچ اس دن کام آئے گا جب کہ زادِ راہ ختم اور اعمال میں تقصیر نظر آئے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تقویٰ دل میں ایک نورِ فرقان پیدا کرتا ہے جس سے راستے کے موڑ واضح ہوتے ہیں لیکن یہ حقیقت ایسی ہے جس کا مزا ——— عقیدہ کے تمام حقائق کی مانند ——— وہی جان سکتا ہے جس نے عملاً اسے چکھ لیا ہو۔ ع

ذوقِ ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

حق و عقل میں معاملات غیر واضح رہتے ہیں، نظر و فکر میں راستے ٹیڑھے میڑھے نظر آتے ہیں اور چوراہوں پر باطل حق سے ملا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ حجت و دلیل خاموش تو کر دیتی ہے مگر مطمئن نہیں کرتی یہی وجہ ہے کہ قلب و عقل دلیل کی آواز پر لبیک نہیں کہتے۔ بحث و جدل بیکار اور مناقشہ و مناظرہ عبث کوشش بن جاتا ہے۔ جب تک تقویٰ نہ ہو یہی حال رہتا ہے۔ جب تقویٰ پیدا ہو جائے تو عقل روشن، حق واضح اور راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ دل مطمئن ہو جاتا ہے، ضمیر میں سکون، قدم میں ثبات اور مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے

حق اپنی ذات میں فطرت پر مخفی نہیں ہوتا بلکہ فطرت اور حق کے درمیان مصالحت ہوتی ہے۔ اسی مصالحت کو آدمی اپنے گرد و پیش زمین و آسمان میں پاتا ہے۔ لیکن ہوائے نفس حق و فطرت کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ یہی ہوائے نفس ہے جو اندھیرا پھیلاتی ہے، حجاب پیدا کرتی اور راستے تاریک بنا دیتی ہے۔ ہوائے نفس کا علاج دلیل نہیں بلکہ تقویٰ ہے، خدا کا خوف اور کھلے چھپے اس کا مراقبہ ہی وہ چیز ہے جو خواہشات پر غالب آسکتا ہے۔ اسی لئے اسے فرقان کہا گیا ہے جو بصیرت کو منوّر کر دیتا ہے، التباس کو اٹھا دیتا اور راستہ روشن کر دیتا ہے۔

یہ ایک ایسا امر ہے جس کا اندازہ کسی بھی قیمت سے نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ

Marfat.com

ربّ کریم کا فضلِ عظیم ہے۔ اسی سے تکفیرِ خطایا اور مغفرتِ ذنوب حاصل ہوتی ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ

اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں

أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ

یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا۔ اور اللہ کا داؤ

الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا

سب سے بہتر ہے اور جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم سن چکے

لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾

اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں ایسا یہ کچھ بھی نہیں مگر احوال ہیں اگلوں کے!

ؒ لِيُثْبِتُوكَ یعنی آپ کو (خدانخواستہ) کس کر باندھ دیں اور قید و حبس میں ڈال دیں تاکہ آپ حرکت تک نہ کر سکیں۔ مکر وہ خفیہ تدبیر ہے جس کے ذریعہ سے بے خبری کی حالت میں کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ اور زیادہ تر مکر کا استعمال بری اور مذموم چیزوں مثلاً جھوٹ اور حیلوں میں ہوتا ہے۔ اور جب اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو محض لفظی مشاکلت و مشابہت کے طور پر ہوتی ہے اور اس سے مراد دشمن کی تدبیروں کو ناکام کرنا یا انہیں سزا دینا ہوتا ہے۔ أَسَاطِير کا واحد اُسطُورَة ہے جیسے اُرجوحة کی جمع اراجیح

ؒ تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۹۷

اور احدوثہ کی احادیث۔ اساطیر سے مراد وہ قصے کہانیاں ہیں جنہیں کتابوں میں ان کی صحت کو جانے بغیر اور بلا بحث و تمحیص درج کر دیا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ اساطیر سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں کوئی نظم و ضبط نہ ہو۔ اس کا واحد اسطار، اسطیر اور اُسطور ہے اور ان کے مؤنث (اسطارہ، اسطیرہ اور اُسطورہ) بھی آتے ہیں۔ اس لفظ کا مادّہ سطر ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کی صف جیسے کتاب کی سطریں یا درختوں کی قطار۔

اوپر کی آیات میں مومنوں پر خدا کا عام احسان یوں بیان فرمایا گیا تھا وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ الخ زیر تفسیر آیات میں اللہ تعالیٰ کا خاص احسان جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا اُس کا بیان ہے اللہ نے اپنی نصرت سے مشرکوں کی تدبیر اور خفیہ مکر کرنے والوں کے ارادوں کو ناکام بنایا، آپ کی ایذا رسانی کے ارادوں میں انہیں نامراد کیا۔ حالانکہ انہوں نے باہم مشورہ کر کے ایک رائے پر اتفاق کر رکھا تھا اور اس کے لئے پوری طرح تیار ہو چکے تھے!

لہ آیت ۳۰ : ہجرت سے پیشتر کفارِ مکہ نے "دار الندوہ" میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کیا جائے۔ انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں، کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کر لیں جس کا مقابلہ دشوار ہو۔ اس وقت رائیں مختلف تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ قید کیا جائے اور خوب زخمی کئے جائیں کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خلفشار سے نجات ملے۔ اخیر میں ابوجہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آن واحد میں ان پر

لہ فوائد القرآن صد ۲۳۳

تلوار کا ہاتھ بجھوڑیں، تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کر سکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے۔ یہاں تو وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، اُدھر ان کے توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی۔ حضورؐ کو فرشتہ نے اطلاع دی۔ آپؐ اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹا کر اسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپؐ کے قتل کے لئے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ آپؐ کا اور حضرت علیؓ کا بال بھی بینکا نہ ہوا اور دشمن خائب و خاسر رہے۔ پھر جنہوں نے آپؐ کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہی قتل کئے گئے۔ اس سے بتلا دیا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور جس طرح اس نے اپنے پیغمبرؐ کو بچا لیا، تمہارے گھر بار کی اور اہل و عیال کی بھی، جو مکہ میں ہیں، حفاظت کر سکتا ہے۔ ع

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

آیت ۳۱: نضر بن الحارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا لائیں، اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے؟ مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی پر رکھتا تھا۔ پھر چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا تھا کہ میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے مگر چلتا نہیں۔ بہر حال پچھلی قوموں کے احوال سن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے، وعدۂ عذاب تم پر بھی آیا جیسا پہلوں پر آیا تھا۔

[1] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرداران قریش کی جماعت نے مشورہ کیا اور آپؐ کی اذیت کے درپے ہوئے۔ اس مجلس میں ایک ابلیس بھی ایک بڈھے بزرگ کی صورت میں آشامل ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں اہل نجد کا شیخ ہوں۔ میں نے سنا کہ تم لوگ

---

[1] تفسیر ابن کثیر پ ۹ ص ۹۳-۹۴

مجلس شوریٰ کر رہے ہو تو میں بھی چلا آیا تاکہ تم لوگ میری نصیحت اور مشورے سے محروم نہ رہو۔ لوگوں نے کہا آئیے، ضرور آئیے! وہ کہنے لگا کہ تم لوگ اس شخص کے بارے میں خوب غور و فکر اور تدبیر سے کام لو، ورنہ ممکن ہے کہ یہ تم پہ چھا جائے۔

چنانچہ ایک نے رائے دی کہ اسے قید کرنا چاہیئے حتیٰ کہ قید ہی میں ہلاک ہو جائے جیسا کہ زہیر اور نابغہ شاعروں کو اس سے پہلے قید کر دیا گیا تھا اور وہ تا دم مرگ قید ہی میں پڑے مرتے رہے تھے، اور یہ بھی تو ایک شاعر ہی ہے اس پہ وہ شیخ نجدی (ابلیس) چیخ اٹھا کہ میری تو ہرگز یہ رائے نہیں۔ خدا کی قسم اس کا رب اس کو وہاں سے نکال لے جائے گا، وہ اپنے ساتھیوں میں پہنچ جائے گا پھر حملہ کر کے تم سے سب کچھ چھین لے گا اور تمہارے شہروں سے تم کو نکال باہر کرے گا۔ لوگوں نے کہا شیخ نے سچ کہا، کوئی دوسری تجویز پیش کرو۔

دوسرے نے رائے دی کہ اس کو اپنے ملک سے ہی نکال باہر کرو اور چین پاؤ۔ جب وہ یہاں رہے گا ہی نہیں تو تمہیں اس سے پھر کیا اندیشہ ہے؟ اس کا تعلق تمہارے علاوہ کسی اور سے رہے گا، تمہیں کیا واسطہ؟ یہ سن کر اس "شیخ نجدی" نے کہا کہ واللہ یہ رائے بھی درست نہیں۔ کیا تمہیں اس کی شیریں بیانی کی خبر نہیں؟ وہ اپنی باتوں سے سب کا دل موہ لیتا ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ باہر جا کر سارے عرب کو اپنے ساتھ ملا لے گا۔ اس کے سارے حمایتی مل کر تم پہ حملہ کر دیں گے اور تمہیں وطن سے نکال دیں گے۔ اس صورت میں تمہارے شرفاء قتل ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا کہ شیخ سچ کہتا ہے کوئی اور تجویز پیش کرو۔

اس پہ ابوجہل نے کہا کہ میں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ اگر تم سوچو تو اس سے بہتر اور کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔ ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان چن لو

Marfat.com

جو بہادر اور شریف ہو۔ ہر ایک کے پاس تلوار ہو، وہ سب مل کر دفعتہً وار کریں۔ جب وہ قتل ہو جائے گا تو اس کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ بنی ہاشم کا ایک قبیلہ قریش کے دوسرے قبائل سے لڑائی مول لے۔ مجبوراً بنی ہاشم کو اس کے قتل کی دیت قبول کرنا پڑے گی۔ ہم سب مل کر دیت دے دیں گے اور ہمیں چین حاصل ہو جائے گا شیخ نجدی نے کہا کہ واللہ! یہ رائے ٹھیک رہی! اس سے بہتر اور کوئی مشورہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس پر اتفاق رائے ہو گیا اور مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی۔

اب حضرت جبرئیلؑ آئے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آج کی رات آپؐ بستر پر نہ سوئیں اور کافروں کی خفیہ تدبیر اور مشورے کی اطلاع آپؐ کو دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی رات آپؐ کو ہجرت کا حکم دے دیا اور آپؐ تشریف لے گئے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وہ انعام و احسان یاد دلایا ہے جو ہجرت کے سلسلے میں آپؐ پر اور اہل ایمان پر ہوا۔ کافروں نے آپؐ کو ایذاء پہنچانے کی خفیہ تدبیر کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو الٹ دیا اور ان کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اس واقعہ میں آپ کے دعوئ نبوت کی صداقت اور خدا کے وعدۂ نصرت کے برحق ہونے کی دلیل موجود ہے۔

کفّار مکہ کی خفیہ تدبیر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ کو تین طریقوں میں سے ایک کے ذریعہ اذیت دی جائے۔ یا تو آپؐ کو محبوس کر دیا جائے تاکہ لوگوں سے نہ مل سکیں اور دعوتِ اسلام کا سلسلہ رک جائے۔ یا آپؐ کو قتل کر دیا جائے لیکن اس کا طریقہ ایسا اختیار کیا جائے کہ انجام کار اس کا ضرر ان کفا

---

[1] تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۵۰-۶۵۵ تفسیر المراغی ج ۹ ص ۱۹۸-۲۰۰

Marfat.com

کو نہ پہنچے۔ اور یا پھر آپؐ کو وطن سے نکال کر جلاوطن کر دیا جائے۔ آخر کار قتل پر سب کی رائے متفق ہو گئی۔ اور اس کا طریقہ یہ سوچا گیا کہ ہر قبیلہ کا ایک مضبوط اور قوی دل نوجوان چنا جائے۔ یہ سب آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیں اور جب آپؐ باہر نکلیں تو یک لخت آپؐ پر حملہ کر کے آپؐ کو قتل کر ڈالیں اس طرح آپؐ کا خون سارے قبائل میں پھیل جائے گا اور بنو ہاشم انتقام نہ لے سکیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رات آنے سے پہلے ہی ہجرت کا حکم اور قریش کا مشورہ وغیرہ پہنچا دیا۔ چنانچہ آپؐ اس حکم کے مطابق ہجرت کر کے مکہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اور کفار کا مکر دھرا کا دھرا رہ گیا۔ نہ صرف آپؐ کو ہجرت کا حکم ملا بلکہ تھوڑے سے عرصہ کے بعد قتال کا حکم بھی نازل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا کر دیا۔

کفار جانتے تھے کہ آپ اُمّی ہیں اور آپ نے کسی شخص سے تاریخی واقعات پڑھے یا سیکھے نہیں ہیں۔ وہ آپؐ کو جھوٹ کا الزام بھی نہ دے سکتے تھے کیونکہ وہ خود جانتے اور مانتے تھے کہ آپؐ صادق القول اور امین ہیں۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے: فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ لیکن وہ اہل عرب کو آپؐ کی تعلیم سے روکنے اور قرآن کی تاثیر سے بچانے کے لئے اس قسم کی باتیں کہا کرتے تھے کہ "قرآن تو افسانہ طرازی اور قصہ گوئی ہے۔ اس قسم کے قصے کہانیاں ہم بھی تصنیف کر سکتے ہیں" حالانکہ بار بار کی تحدّی کے باوجود کسی سے یہ نہ بن پڑا کہ اس کلام جیسی تین چھوٹی چھوٹی آیتیں ہی بنا لاتا۔

نضر بن الحارث کے متعلق مروی ہے کہ اس قول کا قائل وہی تھا۔ ممکن ہے سب سے پہلے یہ بات اسی کی زبان سے نکلی ہو اور دوسرے لوگ بھی اس کی دیکھا دیکھی ایسا کہنے لگے ہوں۔ لیکن وہ لوگ دل سے جانتے

Marfat.com

جانتے تھے کہ ان کا یہ قول غلط ہے، قرآن کوئی گھڑا ہوا افسانہ یا قصہ کہانی نہیں ہے۔ نہ انہیں یہ یقین تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور امی ہونے کے باوجود ایسا کر سکتے ہیں۔ اسی کی مانند قرآن میں ایک اور آیت بھی ہے: وَقَالُوا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا۔

بعض روایات میں ہے کہ اسی نضر بن الحارث کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا۔ نضر الحارث نے ایک خوبصورت گانے والی لونڈی خریدی تھی جو لوگوں کو قرآن سننے سے روکنے کے لئے گزشتہ زمانے کے قصے کہانیاں خوش آوازی سے گا کر سنایا کرتی تھی۔

سرداران قریش مثلاً نضر بن الحارث، ابوجہل، ولید بن المغیرہ وغیرہم لوگوں کو قرآن کے سننے سے روکتے تھے اور باہم پکے قول و قرار کیا کرتے تھے کہ خود بھی قرآن کو نہ سنیں گے۔ پھر رات کو فرداً فرداً چوری چھپے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف جایا کرتے اور خفیہ طور پر قرآن سنا کرتے تھے وہ اسے سن کر حیران رہ جاتے اور دلوں پر اس کی تاثیر اور غلبے کا اعتراف کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ولید بن المغیرہ نے ایک مرتبہ وہ بات کہہ دی جو ہمیشہ کے لئے مشہور و معروف ہو کر رہ گئی۔ اس نے کہا کہ: "یہ کلام بلند اور سرفراز و غالب ہے، کوئی کلام اس پر سبقت نہیں لے جا سکتا، یہ ہر دوسرے کلام کو پیس ڈالتا ہے۔" جب یہ بات چل نکلی اور کفار کو خدشہ ہوا کہ لوگ اسے سن کر قرآن کی طرف مائل ہو جائیں گے تو ولید سے باصرار انہوں نے ایک بات کہلوائی جس سے لوگوں کے دلوں میں قرآن سے نفرت پیدا ہو۔ اس نے کافی سوچ بچار اور ہچکچاہٹ کے بعد کہا کہ یہ ایک قدیم جادو ہے! حالانکہ اس کا یہ قول بھی غلط تھا۔ اس کے غلط ہونے کا اعتقاد خود قائل کو بھی تھا

Marfat.com

اور دوسروں کو بھی۔ محض ازراہِ عناد و جحود ایسا کہا گیا تھا تاکہ لوگ حق سے متنفّر ہو جائیں! مؤلّف)

ل ان آیات میں ماضی کو حاضر کے مقابلہ میں پیش فرمایا گیا ہے تاکہ مسلم جماعت جو حق و باطل کے معرکہ میں گھسی اور بفضلِ خدا غالب آئی تھی۔ اس کے سامنے موجودہ حالت کے ساتھ ساتھ ماضی کے واقعات بھی آجائیں۔ اور اسے یہ بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے فضل و تدبیر سے اس جماعت کی مدد فرمائی۔ اس مدد و نصرت کے پیشِ نظر اس پر مشقّتیں برداشت کرنا اور قربانیاں پیش کرنا آسان ہو جائے اور انفال و غنائم کا معاملہ بالکل معمولی ہو کر رہ جائے۔

اس سے قبل گزر چکا ہے کہ مکّہ میں مسلمانوں کی حالت کس قدر کمزور تھی اور جنگِ بدر سے قبل تک وہ ضعف باقی تھا۔ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ ان کے پاس ساز و سامان، اسلحہ اور مال و متاع بھی برائے نام ہی تھا۔ اور وہ ڈرتے رہتے تھے کہ مبادا دشمن انہیں اُچک لے جائیں۔ لیکن اس حالت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پناہ دی، اُن پر انعامات و احسانات کی بارش فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے انہیں ہر طرح معزّز فرما دیا۔

ہجرت سے کچھ دیر قبل مکّہ میں پے در پے جو واقعات پیش آئے اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح اسلام اور اہلِ اسلام کی مدد فرمائی یہ اس بات کا پیش خیمہ تھی کہ مستقبل میں اس دین کا اور اہلِ دین کا انجام بہت شاندار اور مضبوط ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت سے ایسی تدبیر فرما رہا تھا جس سے اسلام بتدریج غالب آجائے اور اہلِ اسلام کو عزّت و شوکت نصیب ہو جائے۔ یہ ماضی کا حال تھا۔ اس کے مقابلہ میں وہ مسلم جماعت جو نزولِ قرآن کی پہلی مخاطب تھی، اس وقت جس امن و اطمینان کی حالت میں تھی

ل فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۷۶-۲۸۳

Marfat.com

اور جس طرح وہ ماضی اور حال دونوں کے مختلف حالات کا بذاتِ خود تجربہ کر چکی تھی وہ ان آیات کی گہرائی میں اتر کر خوب جانتی مانتی اور سمجھتی تھی کہ تدبیرِ خداوندی کس طرح اسلام اور اہلِ اسلام کو تنگی کے حال سے آسانی کی طرف لئے جا رہی ہے چونکہ ان پر دونوں احوال خود گزر چکے تھے لہذا وہ ان آیات کا کھینچا ہوا نقشہ جس طرح دیکھ سکتے تھے کسی اور کے لئے ایسا ممکن نہیں ہے۔ ان کے سامنے یہ واقعات گزرے تھے کہ مشرکوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تدبیریں کیں لیکن الہی تدبیر ان کی سب تدبیروں پر غالب آ کر رہی اور اسلام کو فتح اور غلبہ نصیب ہوا۔

مشرکوں نے باہم مشورہ کیا تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس کر باندھ دیں اور پھر قید و حبس میں ڈال دیں یہاں تک کہ وہیں آپ کی موت واقع ہو جائے یا آپ کو قتل کر کے خلاصی پالیں اور یا آپ کو بے یار و مددگار معاذ اللہ ذلت و نامرادی کے ساتھ مکہ سے نکال باہر کریں۔ یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر ان کی رائے آخر اس پر آ کر ٹھہری کہ حضورؐ کو سب قبائل کے جوان مل کر بیک وقت حملہ کر کے مار ڈالیں۔ اس طرح آپ کا قتل تمام قبائل میں متفرق ہو جائے اور بنو ہاشم ان سب سے لڑائی سے عاجز آ کر آخر دیت لینے پر راضی ہو جائیں اور یہ معاملہ یوں آسانی سے ختم ہو جائے۔

امام احمدؒ بن حنبل نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ قریش نے ایک رات کو مکہ میں باہم مشورہ کیا۔ بعض کی رائے تھی کہ صبح کو حضورؐ کو کس کر باندھ لو اور محبوس کر ڈالو۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ اسے قتل کر ڈالو۔ کچھ اور لوگ بولے کہ نہیں اسے مکہ سے نکال ڈالو۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ساری کارروائی کی اطلاع دے دی۔ پس حضورؐ کے بستر پر علی رضی اللہ عنہ نے رات گزاری اور حضورؐ ابو بکر صدیقؓ سمیت غار میں جا پہنچے۔ کافر رات بھر آپ کے گھر کا پہرہ دیتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ آپ اپنے بستر پر استراحت فرما ہیں۔ جب صبح

Marfat.com

ہوئی اور وہ لوگ یک دفعہ بستر تک پہنچے تو وہاں آپ کی بجائے علیؓ کو پایا اور غائب و خاسر ہو گئے۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارا یہ ساتھی کہاں ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم! کفار آپؐ کے نشانہائے قدم پر چل پڑے جب جبلِ ثور تک پہنچے تو آگے معاملہ گڑ بڑ ہو گیا، بعض کہتے تھے کہ ادھر کو گئے ہیں بعض کہتے نہیں وہ ادھر کو گئے ہیں۔ آخر وہ پہاڑ پر چڑھے اور غارِ ثور تک بھی پہنچے مگر اس کے دروازے پر مکڑی کا جالا دیکھا اور کہنے لگے کہ اگر وہ اندر گھستے تو غار کے منہ پر مکڑی کا جالا نہ رہ سکتا تھا۔ حضورؐ تین دن رات اسی غار میں تشریف فرما رہے۔

" ویمکرون ویمکر اللہ " کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کفارِ قریش کے مشورے اور مکر و تدبیر کی ایک نہایت مؤثر تصویر کھینچ رہا ہے۔ کہ ایک طرف تو وہ مشورہ و تدبیر اور مکر و فریب کے تانے بانے بُن رہے ہیں مگر دوسری طرف اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کی تدبیروں کے توڑ میں مصروف ہے۔ پھر بھلا عاجز انسانوں کی تدبیر اس کا کیا بگاڑ سکتی تھی جس کے بچاؤ کے لئے خود اللہ تعالیٰ تدبیر کر رہا تھا؟ یہ تصویر نہایت برمحل اور مؤثر ہے جسے دیکھ سن کر دل کانپ جاتے اور شعور کی گہرائیاں تک متحرک ہو جاتی ہیں!

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ الخ اس آیت میں معاند مشرکین کا ایک باطل افتراء و ادّعاء بیان فرمایا گیا ہے۔ اس قول کا قائل، جیسا کہ امام ابنِ کثیرؒ نے سعید بن جبیرؓ، سُدّیؒ اور ابن جریجؒ وغیرہم سے نقل کیا ہے، نضر بن الحارث تھا جسے جنگِ بدر کے قیدیوں میں سے بامرِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیا گیا تھا۔ امام ابن جریر طبریؒ نے سعیدؓ بن جبیر سے روایت کی ہے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں سے تین آدمیوں کو قتل کیا گیا تھا جو یہ ہیں! عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی اور نضر بن الحارث

Marfat.com

نضر کو مقدادؓ بن الاسود نے قید کیا تھا۔

کفار کا یہ قول کہ قرآن محض افسانہ گوئی اور پچھلے لوگوں کی قصہ کہانیاں ہیں، ان کے مکروفن کے ان ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار تھا، جن کے ذریعہ سے وہ حق کی راہ روکنا اور قرآن کی تاثیر فطری سے لوگوں کی توجہ ہٹانا چاہتے تھے۔ ورنہ وہ خود محسوس کرتے تھے کہ قرآن کا خطاب انسانی فطرت سے ہے۔ اور یہ کہ وہ انسانی فطرت کی گہرائیوں میں موجود حق وضمیر کی آواز کو بیدار اور ہوشیار کرنا چاہتا ہے۔ انسانی فطرت اُسے سُن کر متحرک ہوتی اور اس کی آواز پر متوجہ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے زبردست اقتدار کے ساتھ دلوں میں اتر جاتا ہے اور وہ کانپ اٹھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ کفار اس کا راستہ روکنے کے لئے اس قسم کے اقوال کی کھوکھلی تدبیروں کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ قرآن قصہ کہانی اور افسانہ گوئی کی کتاب نہیں لیکن پھر بھی عوام کو دھوکا دینے اور ان کی توجہ کو قرآن سے پھیرنے کے لئے وہ قرآن میں اس قسم کی کوئی قصہ گوئی اور افسانہ طرازی تلاش کیا کرتے تھے جو ان کے اردگرد مختلف اقوام میں اور خود عرب میں عام تھی۔ وہ عوام کی بندگی کی زنجیروں کو کس رکھنے کے لئے اور اپنے مرتبہ ومقام کی حفاظت کی خاطر یہ دھوکا بازی کیا کرتے تھے۔

سرداران قریش عربی زبان کے مدلولات کو خوب جانتے تھے اور اسلامی دعوت کی فطرت وطبیعت سے بھی خوب واقف تھے۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی اقتدار سے اعلان بغاوت کیا جارہا ہے، بندوں کی حاکمیت سے خروج اختیار کیا جارہا ہے اور صرف ایک خدائے واحد کی الوہیت وحاکمیت کی طرف فرار اس کلمۂ طیبہ کی حقیقت ہے۔ صرف خدا کی عبودیت کا یہ سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دیا جارہا ہے نہ کہ ان لوگوں کی معرفت جو کوئی خدائی

یا اللہ کا محض نام لے کر دراصل اپنی خدائی کا تخت جمانا چاہتے ہیں۔ قریش یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ جو لوگ توحید و رسالت کی شہادت دیتے ہیں وہ ہماری قیادت وحاکمیت اور تسلّط و اقتدار سے باہر نکل جاتے ہیں اور اس تحریک سے وابستہ ہوجاتے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں چل رہی ہے۔ اس طرح وہ آپؐ کی قیادت و تسلّط سے وابستہ ہوجاتے ہیں اور خاندان، قبیلہ، ذات برادری، بزرگوں اور جاہلیت کی قیادتوں سے دامن چھڑا لیتے ہیں ان کی ولایت و محبت صرف اس جدید تحریک اور اس کے لیڈر سے قائم ہوجاتی ہے اور مسلم جماعت کا ایک ناقابلِ شکست حصّہ بن جاتے ہیں۔

الغرض لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کا یہ مدلول تھا۔ واقعاتی اور عملی زندگی میں یہی کچھ پیش آرہا تھا اور سرداران قریش اس کا مشاہدہ بچشم سر کر رہے تھے۔ اس سے انہیں اپنے وجود کے لئے خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور ان کی اجتماعی، سیاسی، اقتصادی و معاشرتی زندگی کا نظم و ضبط سخت خطرے میں پڑتا محسوس ہوتا تھا۔

کلمۂ شہادت کا مدلول وہ نہ تھا جو آج کل کے مسلمان کہلانے والوں نے اختیار کر لیا ہے کہ محض زبان سے چند الفاظ کہہ دیتے ہیں اور چند عبادتی رسوم کی خالی خولی ادائگی پہ اکتفاء کر لیتے ہیں۔ دراں حالیکہ خدا کی الوہیت کا زمین میں اور لوگوں کی زندگی میں کوئی نام و نشان تک موجود نہیں ہے۔ اور دراں حالیکہ دنیا کے اجتماعی معاملات کا انتظام و انصرام جاہلی قیادت اور جاہلی قوانین کے ہاتھ میں ہے!

اس میں شک نہیں کہ مکہ میں ابھی اسلامی شریعت و قانون نافذ نہیں ہوا تھا، نہ اسلام کے پاس فی الحال کوئی طاقت و سلطنت ہی تھی۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھ لینے والے اپنے تمام معاملات

Marfat.com

کو فی الفور اس جدید محمدیؐ قیادت کے سپرد کر دیتے تھے، ان کی ولایت و محبت کا مرکز فوراً مسلم جماعت بن جاتی تھی۔ وہ یک لخت جاہلی قیادت سے نکل جاتے اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے تھے اور اپنی ولائیت و نصرت کی مرکزیت خاندان، قبیلے، ذات برادری اور جاہلی قیادت سے قطع کر کے اس جدید اسلامی تحریک سے منسلک ہو جاتے تھے۔ یہ محض ایک بے جان اور کھوکھلا نعرہ نہ ہوتا تھا بلکہ زوردار بامعنی اور بامقصد اقرار و شہادت تھی جو توحید و رسالت کے اعتراف و عقیدہ کی صورت میں ان سے سرزد ہوتی تھی۔ یہ ایک واقعی اور عملی حقیقت تھی جس پر اسلام قائم ہے۔

اسلام کی روز افزوں طاقت سے اور قرآن سے قریشی سرداروں کے چڑنے اور خوف کھانے کا اصل باعث یہی تھا۔ مسلمانوں سے پہلے کچھ "حنفاء" نے مشرکوں کے عقائد و عبادات کو چھوڑ کر ان سے عملاً کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی۔ مگر یہ چیز کفر اور سرداران کفر کے لئے خطر کا باعث نہ تھی۔ ان "حنفاء" نے ایک اللہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھا صرف خدا کی عبادت کی اور اصنام کی عبادت و رسوم شرک کو ترک کر دیا تھا۔ مگر اس سے مشرکین نہیں بھڑکے تھے کیونکہ اس کی چوٹ ان کی جاہلیت اور مشرکانہ اجتماعی قیادت پر نہ پڑتی تھی۔ شرکیہ ماحول میں چند الگ تھلگ بے ضرر لوگوں سے انہیں کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ جاہلی طاغوت کو اس قسم کی کارروائی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ محض سلبی اعتقاد سے اور چند عبادتی رسوم سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اسی لئے یہ چیز "اسلام" نہیں ہے جیسا کہ آج کل بھی بعض "نیک پاک لوگ" چاہتے ہیں کہ مسلمان اسی قسم کا سلبی رویہ اختیار کر لیں۔ لیکن یہ بزرگ اسلام کی حقیقت اور اس کی یقینی معرفت سے بے بہرہ ہیں۔ اسلام اس تحریک

Marfat.com

نام ہے جو شہادتین (توحید و رسالت) کے اقرار و تصدیق کے بعد عملی اور واقعاتی زندگی میں شروع ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جاہلیت کے تمدن و تہذیب، معاشرے، تصورات، خیر و شر کے معیار و قیم، قیادت و تسلط اور ضوابط و قوانین سے پوری بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کیا جائے، دعوتِ اسلامیہ کی قیادت سے عملی وابستگی کا ثبوت دیا جائے وہ مسلم جماعت جو عملی طور پر اسلام کو دنیا میں نافذ کرنے اٹھی ہو اس کے ساتھ انسلاک و تعلق قائم کیا جائے۔ یہی وہ چیز ہے جس نے سرداران قریش کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ وہ عجیب و غریب طریقوں سے اس کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ قرآن پر افتراء کیا جائے۔ اسے قصہ گوئی اور افسانہ طرازی ٹھہرایا جائے اور باوجودیکہ انہیں قرآن کی طرف سے بارہا مقابلہ کا چیلنج دیا جا چکا تھا اور وہ ہر بار عاجز اور خائب و خاسر ثابت ہو چکے تھے، پھر بھی یہ دعویٰ کرتے نہ شرماتے تھے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام بنا سکتے ہیں۔

اَساطیر اُسطورہ کی جمع ہے جس کا معنی ہے ایسی حکایت جو غالباً معبودانِ باطل کے متعلق تصورات سے پُر ہو۔ پرانے لوگوں کے دیومالائی قصّے اور خرافات اور باطل "طلسم ہوشربا" قسم کی چیزیں اس میں پائی جاتی ہوں ایسی حکایات کا تانا بانا محض خیالی، وہمی اور خرافاتی تخیلات پر مبنی ہوتا ہے (جیسا کہ مشرکین ہند اور یونانی علم الاصنام کی پیچ در پیچ خیالاتی کہانیاں اسی قسم کی ہوتی ہیں! مؤلف)

مشرک سردار قرآنِ پاک کے بیان کئے ہوئے تاریخی واقعات، خوارق و معجزات، مومنوں کی فتح اور مشرکوں کے عذاب کے واقعات کو لیتے تھے اور عوام سے کہا کرتے تھے کہ یہ "اَساطیر الاوّلین" ہیں۔ محمدؐ نے ان حکایات کو جمع کرنے والوں سے سُن کر انہیں لکھوا رکھا ہے اور وہی باہر

Marfat.com

لا کر تمہارے سامنے پڑھ دیتا ہے! اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اسے بذریعۂ وحیٔ الٰہی معلوم ہوا ہے۔ نضر بن الحارث رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مجلس جمایا کرتا تھا اور لوگوں کو فارسی تہذیب کے باطل خرافاتی قصے سنایا کرتا تھا تاکہ لوگوں کو یہ تأثر دے سکے کہ محمدؐ بھی (معاذ اللہ) اسی قسم کے قصے بیان کرتے ہیں! دیکھو! وہ تو مدعیٔ وحی و نبوت ہے اور میں ایسا دعویٰ نہ رکھنے کے باوجود تمہیں ویسی ہی چیزیں سناتا ہوں! ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ مشرکین کے اس شور و غل اور معاندانہ پروپیگنڈے کا جاہلی معاشرے میں کچھ نہ کچھ اثر ضرور تھا۔ بالخصوص دعوتِ اسلامیہ کے ابتدائی دور میں، جب کہ ابھی تک خرافاتی افسانوں اور قرآن کریم میں فرق لوگوں پر واضح نہیں ہوا تھا، اس ادّعاء و افتراء سے کافی لوگ متاثر تھے۔ یہیں سے ہم اس واقعہ کی تہ تک بھی پہنچ سکتے ہیں کہ معرکۂ بدر سے پہلے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منادی بر سرِ عام کیوں کروائی تھی کہ نضر بن الحارث کو قتل کر دیا جائے؟ پھر جب وہ گرفتار ہو کر آیا تو عام قیدیوں کی مانند اس سے فدیہ کیوں قبول نہ کر لیا گیا؟ اس کے بجائے چند اور معاند سرداروں سمیت اسے جہنّم واصل کیوں کرنے کا حکم صادر فرمایا گیا تھا؟

لیکن آخر کار مکہ میں کفار کی یہ سازشیں اور پروپیگنڈا ناکام ہو کر رہ گیا اور کچھ دیر کے بعد اس کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ قرآن خدا کی طرف سے جو ایک زبردست اقتدار و تسلّط لے کر آیا ہے، آخر وہ رنگ لا کر رہا۔ قرآن کا لایا ہوا گہرا اور ثابت و قائم حق، جس کے ساتھ فطرتِ سلیمہ بہت جلد مصالحت کر لیتی ہے، مشرکین کی ان سازشوں کو بہا کر لے گیا۔ اس کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکی اور قریش کے سردار بھنّا کر یہ کہتے رہ گئے: "اس قرآن کو مت سنو اور شور و غل مچا دیا کرو، شاید اسی ترکیب سے تم غالب آ سکو!" خود مشرک سردار مثلاً ابوسفیان، ابوجہل اور اخنس بن شریق لوگوں کی نظریں بچا کر

Marfat.com

چپکے چپکے اور ایک دوسرے سے پوشیدہ اس قرآن کو سنتے پائے گئے۔ حتیٰ کہ جب انہیں ایک دوسرے کی یہ چوری معلوم ہو گئی تو انہوں نے باہم عہد کر کے پختہ قسمیں کھائیں کہ آیندہ ایسا نہ کریں گے۔ مبادا نوجوان نسل کو معلوم ہو جائے اور وہ اس قرآن اور اس دینِ حق کے "فتنے" میں پھنس جائیں۔

نضر بن الحارث کا قرآن کے خلاف یہ جھوٹا پروپیگنڈا اور لوگوں کو اس سے پھیرنے کی معاندانہ سازش کوئی آخری سازش نہ تھی۔ ہر دور میں معاندینِ اسلام اور اعدائے دین لوگوں کو، بلکہ خود مسلمانوں کو، دین و کتاب سے باز رکھنے اور پھیرنے کی ایسی ہی کوششیں کرتے رہے ہیں۔ اور جب وہ ناکام رہے تو انہوں نے ایک نہایت گہری چال چلی۔ وہ یہ کہ قرآن کو محض ایک گانے کی قسم کی چیز بنا ڈالا جسے قاری لہک لہک کر پڑھیں اور سننے والے ان کی خوش گلوئی سے خوش ہو جائیں۔ کچھ لوگوں نے قرآن کو محض "چھومنتر" اور تعویذ کی قسم کی چیز بنا دیا کہ لوگ برکت کے لئے اور مصائب و مضار سے بچنے کی خاطر اسے جیب میں لئے پھریں، سینے سے باندھ رکھیں یا تکیئے کے نیچے رکھ لیا کریں۔ آہ! ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ "مسلم" ہیں اور انہوں نے اس کتابِ حق اور دینِ حق کا حق ادا کر دیا ہے! اناللہ و انا الیہ راجعون!

افسوس! صد افسوس!! اب یہ قرآن لوگوں کی زندگی کا رُخ بدلنے کا مصدر و منبع نہیں رہا۔ اس دین کے دشمنوں نے قرآن کی بجائے مسلمانوں کو کچھ اور چیزیں ڈھال دی ہیں، کچھ اور مصدرِ توجہ بنا دیئے ہیں، کچھ اور مرکز کھڑے کر دیئے ہیں جہاں سے وہ ہدایت و رہنمائی پائیں، اپنے عقائد و تصوّرات انہی سے حاصل کریں، اپنے قوانین و شرائع اور ضوابطِ زندگی انہی سے اخذ کریں، اپنی قیمتیں اور میزانیں انہی سے لیں۔ پھر ان دشمنانِ دین نے مسلمانوں سے کہا کہ اس دین کا ہم احترام کر رہے ہیں، اس قرآن کو محفوظ و مصئون رکھے ہوئے ہیں۔ صبح و شام بلکہ ہر وقت اس کی تلاوت ہو رہی ہے۔ گانے والے اسے ترنم سے

پڑھ رہے ہیں۔ قاری اسے ترتیل سے ادا کر رہے ہیں۔ اب تم اس ترنّم اور ترتیل کے سوا اور کیا چاہتے ہو؟ اس سے بڑھ کر تمہارا مطالبہ ہم سے اور اس کتاب سے اور کیا ہے؟ رہ گئے تمہارے عقائد و تصوّرات، نظامِ حیات اور وضعِ زندگی، شرائع اور قوانین، قیَم و موازین سوال ان کے لئے اس قرآن کے علاوہ ایک اور قرآن ہے جس کی طرف تمہیں رجوع کرنا ہو گا! ان چیزوں کا مصدر وہ دوسرا قرآن ہے تمہیں اس کی مرکزیت کو ماننا ہو گا۔

یہ بعینہ نضر بن الحارث کی سازش ہے، محض پرانی شراب نئی بوتل میں ڈال کر پیش کی گئی ہے۔ یہ سازش "ترقی یافتہ" زمانے کی ترقی یافتہ صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دین کے خلاف جو بے شمار سازشیں کی گئی ہیں ان میں سے ایک خطرناک سازش یہ بھی ہے۔ سازش کی صورت تو بدل گئی ہے مگر حقیقت تبدیل نہیں ہوئی۔ جسم مختلف ہے رُوح وہی نضر بن الحارث والی ہے!

لیکن اس قرآن کا حال بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ سازشوں کے طول و عرض پیچیدگی اور ترقی کے باوجود یہ برابر غالب رہا ہے اور اب بھی غالب رہی ہے! اس کتاب میں عجیب و غریب خصائص اور فطرتِ انسانی پر اس کا زبردست تصرّف و تسلّط ہے۔ اس پر روئے زمین کی جاہلیت کی خفیہ تدبیریں، سارے شیطانوں کی سازشیں اور یہودیوں اور صلیبی عیسائیوں کی عداوتیں غالب نہیں آ سکیں۔ صیہونیت اور صلیبیت کی عالمی تنظیمیں، سازشیں اس کا اثر مٹا ڈالنے میں ناکام ہیں۔

یہ کتاب ہمیشہ سے دنیا بھر کے اعدائے دین کی گردنوں کو جھکائے رہی ہے۔ آج بھی یہ دشمن دنیا بھر کے ریڈیو سٹیشنوں سے اس کی نشر و اشاعت (مخالفانہ طور پر ہی سہی!) کر رہے ہیں۔ یہودی، صلیبی عیسائی اور ان کے خفیہ "مسلمان" ایجنٹ اس کو براڈ کاسٹ کر رہے ہیں!

Marfat.com

گو یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ یہ اعدائے دین اس کی رُوح نکال کر اور "مسلمانوں" کے نفوس میں اس کی حیثیت محض موسیقی و ترنّم اور نغمہ کی بنا کر اس کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں! یا اسے محض تبرّک کے تعویذ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان دشمنوں نے نظامِ حیات سے اسے نکال باہر کیا ہے۔ اسے مصدرِ شرائع و قوانین نہیں رہنے دیا۔ اور اس کے بجائے زندگی کے معاملات کو چلانے کے لئے اور مصادر ٹھہرا دئے ہیں۔ اس کے باوجود ایک مسلم جماعت ہمیشہ ایسی موجود رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی، جو اسے مصدرِ حیات اور منبعِ شرائط تسلیم کرتی ہے اور اسے نافذ و قائم کرنے کی جدّوجہد میں لگی ہوئی ہے۔ یہ ان کی جدّوجہد اور صبر و ثبات پر موقوف ہے کہ اللہ کے وعدہ ہائے نصرت و تمکین کب پورے ہوتے ہیں؟ اور مکر و سازش، مخالفت و مخاصمت، عداوت و مقابلہ اور قتل و جلا وطنی کی حالت کب ختم ہوتی ہے۔ ایک بار ایسا ہو چکا ہے اور ناگزیر ہے کہ تاریخ پھر اپنے آپ کو بالضرور دہرائے!

وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

اور جب وہ کہنے لگے کہ اے اللہ! اگر یہی دین حق ہے تیری طرف سے

فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ

تو ہم پر برسا دے پتھر آسمان سے یا لا ہم پر کوئی عذاب

أَلِيمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ط

دردناک اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان پر جب تک تو رہتا اُن میں

Marfat.com

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۳۳)

اور اللہ ہرگز عذاب نہ کرے گا ان پر جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ

اور ان میں کیا بات ہے کہ اللہ ان پر عذاب نہ کرے اور وہ تو روکتے ہیں

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ

مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار والے نہیں اس کے اختیار والے تو وہی ہیں

اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴)

جو پرہیزگار ہیں لیکن اُن میں اکثر کو اس کی خبر نہیں ۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً

اور ان کی نماز نہیں تھی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (۳۵)

سو چکھو عذاب بدلا اپنے کفر کا

ؔ حدیث میں ہے کہ جب نضر بن الحارثؓ نے قرآن کے بارے میں کہا، کہ یہ تو فقط گزشتہ لوگوں کے قصے کہانیاں اور افسانے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تیرا ستیہ ناس ہو یہ تو رب العالمین کا کلام ہے

ؔ تفسیر المراغی ج ۹ صد ۲۰۱

اس پر نضر نے کہا: اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ الخ
آیت ۳۲ [۵] اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوندا اگر واقعی یہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس قدر شدّ و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر کیوں دیر ہے؟ گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسا دیا جاتا؟ یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلاء کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ کہتے ہیں کہ یہ دعاء ابوجہل نے مکّہ سے نکلتے وقت کعبہ کے سامنے کی۔ آخر جو کچھ مانگا تھا اُس کا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا۔ وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کمزور اور بے سرو سامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ستّر سترا اسیری کی ذلّت میں گرفتار ہوئے۔ اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ بیشک قوم لوطؑ کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو خدائے تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگ باری کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

آیت ۳۳: سنّتہ اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ خدا نے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے عذاب میں پکڑے گئے۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ نزولِ عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں: ایک ان کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا، دوسرے استغفار۔ یعنی مکّہ میں حضرت کے دم قدم سے عذاب اٹکا رہا تھا، اب ان پر عذاب آیا۔ اسی طرح جب تک

---

[۵] فوائد القرآن صہ ۲۲۳ - ۲۲۴

Marfat.com

گنہ گار رہا ہو رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا، اگرچہ بڑے سے بڑا گنہ گار ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ گنہ گاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں: ایک میرا وجود اور دوسرے استغفار (موضح القرآن) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُم کے جو معنے یہاں کئے گئے ہیں یہ بعض مفسرین کے موافق ہیں، لیکن اکثر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے مشرکین جس قسم کا خرق عادت عذاب طلب کر رہے تھے جو قوم کی قوم کا دفعۃً استیصال کر دے، ان پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں: ایک حضور کا وجود با جود کہ اس کی برکت سے اس امت پر خواہ امت دعوت ہی کیوں نہ ہو، ایسا خرق عادت مستاصل عذاب نہیں آتا۔ یوں کسی وقت افراد و احاد پر آجائے تو وہ اس کے منافی نہیں۔ دوسرے استغفار کرنے والوں کی موجودگی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، جیسا کہ منقول ہے کہ مشرکین بھی تلبیہ و طواف وغیرہ میں غفرانک، غفرانک کہا کرتے تھے۔ باقی غیر خارق معمولی عذاب مثلاً قحط یا وبا یا قتل کثیر وغیرہ اس کا نزول پیغمبر یا بعض مستغفرین کی موجودگی میں بھی ممکن ہے۔ آخر جب وہ لوگ شرارتیں کریں گے تو خدا کی طرف سے تنبیہ کیوں نہ کی جائے گی۔ آگے اسی کو بیان فرمایا ہے:

آیت ۳۴: یعنی عذاب کا نہ آنا ان دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے، ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آجانا چاہیئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہو گا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے۔ بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لئے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گزار بندے یہاں آنے نہ پائیں۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لئے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی ہیں، با اختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں۔

Marfat.com

یہ ہمارا حق ہے۔ حالانکہ اول تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز
عبادت سے روکے۔ دوسرے حق تولیت ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف
کے متولی صرف متقی اور پرہیز گار بندے ہو سکتے ہیں۔ مشرک اور بدمعاش
اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں سے اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے
ہیں کہ ہم اولادِ ابراہیمؑ فلاں قبیلہ سے ہیں۔ تولیت کعبہ ہمارا موروثی حق ہے
جس کے لئے کوئی خاص شرط و قید نہیں۔ سو بتلا دیا کہ اولادِ ابراہیمؑ میں جو
پرہیز گار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ
آپ ناخوش ہوئے اسے وہاں نہ آنے دیا۔

آیت ۳۵: یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود ان کی
نماز کیا ہے؟ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور
تالیاں بجانا۔ جیسے آج بھی بہت سی قومیں گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی
عبادت سمجھتی ہیں۔ غرض نہ خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے
دیتے ہیں۔ ان بے معنی اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے۔ بعض نے
کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لئے
ہوتا تھا یا از راہِ استہزاء و تمسخر ایسا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

۱؎ مشرکین مکہ کی یہ بد دعا کہ: "اگر اسلام دینِ حق ہے تو ہم پر پتھراؤ ہو جائے
یا دردناک عذاب آجائے"۔ از راہِ کمالِ جہل و شقاوت اور نادانی و عناد
تھی۔ ورنہ اگر ان کے اندر کچھ عقل و خرد اور سعادت ہوتی تو وہ یہ دعا
کرتے کہ: "اگر دینِ اسلام برحق ہے تو ہمیں اسے اختیار کرنے کی توفیق دے"!
اس قسم کی دس آیات بقولِ حضرت عطاء قرآن میں موجود ہیں جن میں کافروں
اور مشرکوں نے ہدایت کی بجائے عذاب کی دعا مانگی تھی۔ مثلاً قوم شعیبؑ کا

۱؎ تفسیر ابن کثیر پ ۹ ص ۹۶-۹۸

Marfat.com

یہ کہنا کہ اے شعیبؑ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان گرا دو۔ یا یہ کہ اے خدا! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے سنگ باری کر دے۔

ان پر عذاب نہیں آ سکتا تھا جب تک کہ حضورؐ ان کے درمیان رہتے کیونکہ خدا کا طریقہ یہی رہا ہے کہ معذّب بستیوں سے پہلے پیغمبروں کو نکال کر پھر عذاب آتا رہا ہے۔ جب آپؐ ہجرت کر کے مکّہ سے تشریف لے گئے تو بھی کچھ مسلمان وہاں رہ گئے تھے جو نماز پڑھتے اور استغفار کرتے تھے۔ عذاب عام ان کی موجودگی میں نہ آ سکتا تھا۔ اور خود وہ مشرک بھی دل سے حضورؐ کی بزرگی اور صداقت کے قائل تھے اور استغفار کرتے رہتے تھے مثلاً تلبیہ و طواف میں غفرانک کا لفظ بولتے تھے۔ جنگِ بدر کی صورت میں جو عذاب اہلِ مکہ پر آیا وہ شہر مکہ سے باہر آیا تھا اور اس کے اثر سے ہجرت کر سکنے والے مسلمان محفوظ رہے تھے۔ نیز یہ عذاب عام نہ تھا۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی قیامت تک لوگوں کو استغفار عذاب سے بچاتا رہے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا: "اے خدا تیری عزت و جلال کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں جان موجود ہے میں انہیں بہکاتا رہوں گا"۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "مجھے میری عزت کی قسم! جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا"۔

[1] وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ الخ حضورؐ کی مکہ میں موجودگی اور آپؐ کی ہجرت کے بعد کچھ اہلِ ایمان کی وہاں موجودگی جو استغفار کرتے تھے نزولِ عذاب سے مانع تھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ اب یہ مشرک عذاب سے بالکل محفوظ ہو چکے ہیں۔ نہیں بلکہ ان میں عذاب کے اسباب موجود تھے جنہیں

---

[1] تفسیر حقانی ج ۴ ص ۱۹۳

Marfat.com

اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ وہ خود نا اہل اور مشرک ہونے کے باوجود اہلِ ایمان کو جو کعبہ کے اصلی متولی ہیں، کعبہ سے روکتے تھے اور دوسرا سبب یہ کہ وہ کعبہ کے پاس گستاخانہ اور لغو حرکتیں کرتے اور انہیں عبادت کا نام دیتے تھے مثلاً تالیاں پیٹنا اور سیٹیاں بجانا جس سے مسلمانوں کی نماز میں خلل پڑتا تھا۔

[ا] وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ الخ : آیت میں یہ ایماء موجود ہے کہ مشرک اگر قرآن اور اسلام کو برحق بھی جان لیتے تب بھی وہ اس کا اتباع نہ کرتے بلکہ اتباع پر آسمانی سنگ باری یا کسی اور شدید والیم عذاب کو ہی ترجیح دیتے۔ پھر اس آیت میں کفار کی طرف سے تہکّم کا اظہار اور جزم ویقین کا اعلان ہے کہ یہ قرآن اور دینِ حق خدا کا فرستادہ نہیں ہے! (معاذ اللہ) اور اس سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ ان کی یہ دعاء کفر وعناد کی وجہ سے تھی، نہ اس وجہ سے کہ قرآن اور اسلام انہیں جس طرف بلاتے تھے وہ قبیح اور ضرر رساں تھی!

روایات میں آیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے علاقہ سباء کے ایک شخص سے کہا: ”تمہاری قوم کس قدر جاہل تھی کہ اس نے ایک عورت کو بادشاہ بنا لیا؟“ اس شخص نے فوراً جواب میں کہا کہ: ”میری قوم سے زیادہ جاہل آپ کی قوم (قریش) تھی جس نے خدا سے یہ دعا تو نہ کی کہ اگر اسلام برحق ہے تو ہمیں اس کی طرف ہدایت کر بلکہ اُلٹی یہ دعا مانگی کہ اگر یہ دین برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھراؤ کر دے یا کسی اور شدید عذاب میں مبتلا کر دے!“

ان کی اس بد دعاء کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دیئے اور دعاء کی قبولیت میں توقف کا باعث بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنّت اور اس کی رحمت وحکمت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ جب تک اے پیغمبرؐ! آپ

[ا] تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۵۵-۶۶۱/تفسیر المراغی ج ۹ ص ۲۰۲-۲۰۴

Marfat.com

ان میں موجود رہتے انہیں عذاب سے محفوظ رکھا جاتا۔ کیونکہ اللہ نے آپ کو رحمت و انعام بناکر بھیجا ہے عذاب و نقمت بناکر نہیں۔ اور خدا کی سنت پیغمبروں کے مکذبین کے بارے میں یہ بھی رہی ہے کہ جب تک پیغمبر اس قوم کے اندر رہتے انہیں عذاب نہ دیا جاتا، بلکہ عذاب سے پہلے ہی پیغمبروں کو وہاں سے نکال لیا جاتا تھا جیسا کہ ہودؑ، صالحؑ اور لوطؑ کے واقعات میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

نیز اس قسم کا مستاصل (جڑ سے مٹا دینے والا) عذاب جیسا کہ پچھلی قوموں کو ہوتا رہا، ان لوگوں کو نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ بعض ضعیف اور ہجرت نہ کر سکنے کے قابل مسلمان ان کے اندر موجود تھے جو نماز و عبادت اور دعا و استغفار میں مصروف رہتے تھے۔

علامہ ابن جریرؒ طبری فرماتے ہیں کہ آیت: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ کا تعلق اس حالت کے ساتھ ہے جب کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما تھے اور آیت: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ کا مضمون اس حالت کے بارے میں ہے جب کہ حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا چکے تھے اور کچھ کمزور ایماندار ابھی تک مکہ میں موجود تھے جو استغفار و دعاء کیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ بھی وہاں سے نکل گئے تو اگلی آیت کا مصداق ظاہر ہو گیا جس میں فرمایا گیا ہے: وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الآیۃ پس یہی وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کا حکم بھیجا۔ مشرکین مکہ سے جس عذاب عام کا وعدہ فرمایا تھا وہ یہی فتح مکہ معظمہ کا واقعہ تھا!

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ الخ یعنی موانع نہ ہوتے ہوئے عذاب استیصال سے کم درجے کا عذاب آجانے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے

Marfat.com

کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ حالاں کہ ان کا مقصد محض ادائے عبادت ہے۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ کوئی مسلمان مسجد حرام میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص حالتِ ایمان میں مکہ آجاتا تو اسے سخت عذاب و تکلیف کا نشانہ بناتے تھے اور اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک خود ان مشرکوں ہی میں سے کوئی اسے اپنے جوار اور پناہ میں نہ لے لیتا تھا۔ اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے اس سے مراد عذاب بدر ہے کیونکہ اس معرکہ میں ابوجہل بہت سے سردارانِ کفر سمیت قتل ہو گیا تھا اور بہت سے سردار گرفتار کر لئے گئے تھے۔

وَمَا كَانُوْا اَوْلِيَاءَهٗ : یہ مشرک اپنے شرک اور بداعمالیوں مثلاً عورتوں اور مردوں کا ننگا طواف وغیرہ کے باعث مسجدِ حرام کے متولی ہونے کے ہرگز اہل و مستحق نہیں۔ اس آیت میں مشرکوں کے اس قول کا رد ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: "ہم کعبہ اور حرم کے متولی ہیں جسے چاہیں اس سے روک دیں اور جسے چاہیں اس میں داخل ہونے کی اجازت دیں۔" اس پر فرمایا گیا ہے کہ اِنْ اَوْلِيَاؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۔ کعبہ اور مسجدِ حرام کے متولی تو صرف نیکوکار اور متقی لوگ ہی ہو سکتے ہیں، کافر اور صنم پرست ہرگز نہیں ہو سکتے!

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ : یعنی وہ اپنے متولی بیت اللہ بننے کے حقدار ہونے سے بے خبر اور جاہل ہیں۔ نہ یہ جانتے ہیں کہ حرم کی تولیت فقط نیکوکاروں کے لئے ہی ہے۔ کیونکہ یہی لوگ ہیں جو خدا کی مخلوق میں اس کے عدل کے تقاضاء کے مطابق اس کے عذاب سے محفوظ اور اس کے گھر کی تولیت کے اہل و حقدار ہیں۔

اس حصۂ آیت میں اس جہل کی نسبت ان میں سے اکثر کی طرف کی گئی ہے کیونکہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اپنی جاہلیت و ضلالت اور شرک

سمجھے بے خبر نہ تھے اور وہ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھے کہ اللہ ان سے راضی نہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو دل سے ایماندار تھے مگر فتنہ و ابتلاء کے خوف سے ایمان کا اظہار نہ کرتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو سلامت فطرت کی وجہ سے ایمان کی استعداد رکھتے تھے۔ قرآن کا قاعدہ اس قسم کے مواقع پر یہ ہے کہ حکم و فیصلہ میں نہایت باریک بینی (زندقیق) سے کام لیتا ہے، صرف حق بات فرماتا ہے اور لوگوں کی طرح یہ نہیں کہتا کہ قلیل کا کوئی اعتبار نہیں۔

آج مسلم عوام کا بھی یہ حال ہو چکا ہے کہ وہ ولایت الہٰی، اور اولیاء اللہ سے جاہل و بے خبر ہو چکے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دیوانے، پاگل و مجنوں اور مجذوب لوگ "ولی اللہ" ہیں جن کی باچھوں سے تھوک بہہ رہا ہو اور حشرات الارض نے ان کے کپڑوں اور جسموں کو چراگاہ بنا رکھا ہو۔ اسی طرح جاہل عوام بعض دجالوں اور ارباب خرافات کو بھی "اولیاء اللہ" مانتے ہیں جو ازراہ دجل و بطالت کرامات کے باطل دعوے کرتے ہیں اور اس کی تائید میں بعض انبیاءؑ و اولیاء کا خواب میں دکھائی دینا وغیرہ بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

اگلی آیت میں حرم کے ان متولیوں اور "آل اللہ" ہونے کے دعویداروں کی نام نہاد "صلوٰۃ و عبادت" کا حال بیان کیا گیا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ قریش ننگے ہو کر سیٹیاں بجاتے ہوئے کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ ابن عباسؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ مشرک مرد عورتیں ننگے ہو کر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کعبہ کا طواف کرتے تھے اور اس دوران میں سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ سعیدؓ بن جبیر سے روایت ہے کہ حالت طواف میں قریش مکہ تمسخر اور شور و غل سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتے تھے، اس آیت میں اسی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان کی نماز و عبادت اور طواف لہو و لعب کی قسم سے ہوتا تھا چاہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایسا کریں

یا از خود بطور عبادت!

فَذُوقُوا الْعَذَابَ الخ یعنی تم نے عذاب خود مانگا تھا، اب بدر میں اس کا مزا چکھ لو! تمہارے بڑے بڑے جفا دری سرداران کفر و شرک قتل ہو گئے ہیں اور کچھ ذلت و رسوائی سے قید و بند میں گرفتار کر لئے گئے ہیں!

[1] حق و صداقت کے مقابلے میں مشرکین مکہ کی ایک عجیب و غریب حرکت کا ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے حق کو قبول کرنے کی بجائے ازراہ کبر و عناد آسمانی سنگ باری یا کسی اور سخت عذاب کی دعا کی تھی۔ گویا حق اگر حق ہے تو ہوتا رہے۔ وہ اسے کبھی نہ مانیں گے موت اور ذلت قبول کریں گے مگر سلطانِ حق اور اقتدارِ صداقت کے سامنے سر تسلیم نہیں جھکائیں گے۔

واقعی یہ ایک عجیب و غریب دعا ہے جو شدید قسم کے "جامع عناد" کی تصویر کھینچ رہی ہے۔ وہ عناد جو ہلاکت کو اذعانِ حق پر ترجیح دیتا ہے۔ اگرچہ وہ حق اس معاند کی نگاہوں میں بھی حق ہی کیوں نہ ہو! فطرت سلیمہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ شک و ارتیاب میں مبتلا ہو جائے تو خدا سے دعا کرتی ہے کہ وہ حق کے چہرے کو کھول کر اسے دکھا دے اور حق کی طرف اس کی رہنمائی کرے۔ وہ اس دعا میں کوئی جھجک، ہچکچاہٹ یا عار محسوس نہیں کرتی۔ لیکن جب سرکش تکبر سے فطرت فاسد ہو جائے تو پھر جھوٹی عزت انسان کو گناہ پر ابھارتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ حق کے واشگاف اور واضح ہو جانے کے بعد وہ اس کے سامنے گردن خضوع و قبول جھکانے پر ہلاکت و عذاب کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ یہی عناد تھا

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۸۴-۲۸۶

Marfat.com

جو مکہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کا مقابلہ کر رہا تھا۔ مگر نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ آخر کار یہ دعوتِ حق اس سرکش اور چڑھے چڑھے عناد پر غالب آکر رہی!

مشرکین و معاندین کی اس متکبرانہ دعاء کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے کہ گو یہ لوگ آسمانی پتھراؤ یا کسی اور "عذاب الیم" کے واقعی صحیح طور پر مستوجب و مستحق تھے، تاہم اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قسم کا "جڑ مار" اور نام و نشان مٹا دینے والا عذاب نازل نہیں فرمایا۔ حالانکہ پہلے انبیاء کے مکذبین پر ایسا عذاب آچکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اندر موجود تھے۔ اور انہیں دعوتِ ہدایت دے رہے تھے، سنّتِ الٰہیہ یہی ہے کہ پیغمبر کی امت میں موجودگی عذاب سے مانع ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے معاصی پر بھی ان پر عذاب نازل نہیں کر رہا کیونکہ وہ استغفار کرتے ہیں۔ جب تک ایسا کرتے رہیں گے عذاب نہ آئے گا۔ عذاب کی تاخیر کا باعث محض ان کا کعبہ کا متولّی ہونا (بقولِ خود آل اللہ ہونا) نہیں، کیونکہ وہ اس گھر کے حقیقی متولّی نہیں۔ اس گھر کی تولیت کا حق تو صرف اہلِ تقویٰ کو پہنچتا ہے۔

غرض یہ اللہ کی رحمت ہے جو انہیں مہلت دیئے جاتی ہے اور ان کے عناد پر مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ نہ ان کے بیت اللہ سے اہلِ اسلام کو روکنے پر عذاب آ رہا ہے۔ عرصہ سے رواج چلا آرہا تھا کہ حجِ کعبہ اور دخولِ مسجد حرام سے کسی کو بھی نہ روکا جاتا تھا۔ یہ مشرک بھی جواب کعبہ کے کنجی بردار اور متولّی تھے سوائے مسلمانوں کے کسی کو نہیں روکتے تھے۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جو لوگ کعبہ کے اصل متولّی تھے انہی کو حج اور دخولِ بیت اللہ سے روک دیا گیا تھا!

خدا کی رحمت انہیں مہلت دے رہی تھی تاکہ ان میں سے جس جس کے دل میں ایمان کی بشاشت رچ جائے وہ ایمان لے آئیں ــــ اگرچہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ہی ایمان لائیں ــــ اور جب تک پیغمبرؐ ان کے درمیان دعوتِ حق بلند کرتے رہیں گے یہ مہلت

Marfat.com

حاصل رہے گی۔ ہو سکتا ہے کچھ لوگ اس دعوت پر لبیک کہہ دیں۔ گویا بالفاظ دیگر عذاب میں تاخیر صرف پیغمبرؐ کے اکرام کی وجہ سے ہو رہی تھی۔ اور "جڑ مار" عذاب سے محفوظ رہنے کا دروازہ ان کے سامنے ہمیشہ کھلا رکھا جائے گا۔ جب تک وہ استغفار کرتے اور پیغمبرؐ کی دعوت پر ایمان لاتے رہیں گے عذاب استیصال نہیں آئے گا۔

یہ تو محض پیغمبرؐ کے اکرام اور رحمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ عذاب نہیں آتا ورنہ جہاں تک اسباب عذاب کا تعلق ہے وہ تو ان لوگوں میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر ان کے استحقاق کی بنا پر ان سے معاملہ کرے تو وہ یقیناً عذاب ہی کے مستحق ہیں نہ کہ اس مہلت و تاخیر کے۔

عذاب کی رکاوٹ ان کے اس دعویٰ کی وجہ سے نہیں کہ وہ بقولِ خویش ابراہیمؑ کے وارث اور کعبۃ اللہ کے خدمت گزار ہیں۔ کیونکہ یہ تو فقط ایک خالی خولی دعویٰ ہے جس کا واقعاتی اور عملی زندگی میں کوئی ثبوت اور بنیاد موجود نہیں ہے۔ وہ اس گھر کے متولی اور اہل نہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ اس گھر کے دشمن اور غاصب ہیں۔ خدا کا گھر کوئی ترکہ و وراثت نہیں جسے پچھلے اگلوں سے حاصل کرتے رہیں یہ خدا کا پاک اور مقدس گھر ہے جس کی تولیت و اہلیت صرف مُتقین کے لئے ہے۔ اسی طرح ان کا یہ دعویٰ بھی لچر پوچ ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے وارث ہیں، کیونکہ ابراہیمؑ کی وراثت خون و نسب کی وراثت نہیں ہے بلکہ دین و عقیدہ کی وراثت ہے اور صرف مُتّقین ہی ابراہیم علیہ السلام اور بیت اللہ کے وارث ہیں جسے ابراہیمؑ نے خدا کے لئے بنایا تھا (نہ کہ بتوں کے لئے بت پرستی کے لئے اور عریاں طواف کرنے، سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے لئے بمؤلف) یہ مشرک اس گھر کے اور ابراہیمؑ کے وارث کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ اس کے حقیقی اولیاء و ورثاء یعنی دینِ ابراہیمؑ پر حقیقی ایمان رکھنے والوں کو اس سے روک رہے ہیں!

Marfat.com

بالفرض اگر یہ مدعیانِ تولیت ابراہیمؑ کی نماز جیسی نماز بھی پڑھتے ہوتے تب بھی اپنے عقائد و اعمال کے باعث اس گھر کے متولی نہ تھے، چہ جائیکہ اب! جب کہ ان کی نماز منہ سے سیٹیاں بجانا اور ہاتھوں سے تالیاں پیٹنا ہے شور وغل اور دھکا پیل ہے جس میں کوئی وقار، بیت اللہ کی حرمت اور خدا کے خوف وخشوع کا احساس تک نہیں ہے!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روائت ہے کہ مشرک اپنے رُخسار زمین پر رکھتے، تالیاں بجاتے اور منہ سے سیٹیاں بجایا کرتے تھے۔

آج نام نہاد مسلمانوں میں سے جو لوگ اپنے "مسلم ممالک" میں یہی شور و شغب کرتے اور اسی طرح مزاروں کی دہلیزوں اور قبروں پر اپنے رُخسار رگڑتے ہیں یہ آیت پڑھ کر ان کی صورتیں اور یہ مشرکانہ حرکات فوراً ذہن میں آجاتی ہیں۔ یہ جاہلیت ہے جو ہمت نئے رنگ اور لباس میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہے اور اس کی واضح ترین صورت جس میں وہ عیاں ہوئی ہے وہ خدا کی زمین میں بندوں کی الوہیت ہے اور خدا کی حاکمیت کو اختیار کرنا ہے۔ جب جاہلیت اپنی اس عظیم ترین صورت میں ظاہر ہو جائے تو باقی تمام صورتیں تو اس کے تابع اور اس کی شاخیں ہیں!

فَذُوقُوا الْعَذَابَ الخ سے مراد وہ سزا ہے جو کفار و مشرکین نے مسلم جماعت کے ہاتھوں معرکۂ بدر میں اٹھائی تھی۔ اس سے عذاب استیصال مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو ان سے ٹال دیا گیا تھا۔ کیونکہ رحمتِ الٰہی، اکرام رسولؐ اور انہیں توبہ و استغفار کی مہلت دینے کا یہی تقاضا تھا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا

بیشک جو لوگ کافر ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تا کہ روکیں

Marfat.com

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

اللہ کی راہ سے ۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہو گا ان پر

حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ

افسوس اور آخر مغلوب ہوں گے۔ اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف

يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

ہانکے جائیں گے تاکہ جدا کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے

وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا

اور رکھے ناپاک کو ایک کو ایک پر پھر اس کو ڈھیر کر دے اکٹھا

۴ ع ۱۸ فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع

پھر ڈال دے اس کو دوزخ میں۔ وہی لوگ ہیں نقصان میں

لہ اوپر کی آیت میں مشرکوں کی بدنی عبادت کا حال بیان فرمایا گیا تھا کہ ان کی نماز سیٹی بجانا اور تالی پیٹنا تھی۔ ان آیات میں ان کی مالی طاعات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ سے روایت ہے کہ ان آیات میں مشرکوں کے جس انفاقِ مال کا ذکر ہے اس سے مراد ابوسفیان کا انفاق ہے جو اس نے بدر کے موقع پر مشرکین پر کیا اور جو اُحد کے موقع پر اعانت کی تھی۔ جب ابوسفیان ساحلِ سمندر کے راستے سے قافلۂ تجارت

لہ تفسیر المراغی ج ۹ صفحہ ۲۰۴-۲۰۵

Marfat.com

کو بچا لے جانے میں کامیاب ہو گیا، اور اس کے ساتھ مشرکوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ جو لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف قتال پر ابھارتی اور انہیں بدر روانہ ہونے پر مشتعل کرتی تھی۔ جب جنگ بدر میں مشرکوں کو شکست ہو گئی تو لوگ قریش کے پاس جمع ہو کر کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں مفلس کر دیا ہے، تم سے خوب انتقام لیا ہے اور تمہارے جوان مردوں کو قتل کر دیا ہے، اب تم اس مال تجارت سے ہماری اعانت کرو تاکہ ہم محمدؐ سے تمہارا بدلہ لے سکیں۔ چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا۔

حضرت سعیدؓ بن جبیر فرماتے ہیں کہ ابو سفیان نے جنگ اُحد کے دن دو ہزار آدمی متفرق قبائل سے کرائے پر لئے تاکہ انہیں ساتھ لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کرے۔ جو اہل عرب اشتعال اور جوش دلا کر جمع کئے گئے تھے وہ ان کے علاوہ تھے۔ اور ابو سفیان نے چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا۔ (ایک اوقیہ میں ۴۲ مثقال سونا ہوتا ہے۔ اس حساب سے اس مقدار کی قیمت اس زمانے کے لحاظ سے بھی ہزارہا روپیہ تک پہنچتی تھی اور موجودہ قیمت کے لحاظ سے تو یہ مقدار شاید لاکھوں تک پہنچ جائے! مؤلف)

[1] آیت ۳۶ : بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ دس اونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کئے جاتے تھے۔ پھر جب شکست ہو گئی تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابو سفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے وہ سب محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انتقام لینے میں خرچ کیا جائے۔ چنانچہ سب اس پر راضی ہو گئے، اسی طرح کے خرچ

---

[1] فوائد القرآن ص ۲۳۴

Marfat.com

کرنے کا یہاں ذکر ہے۔
جب دنیا میں مغلوب و مقہور اور آخرت میں یہ لوگ معذب ہوں گے تب افسوس وحسرت سے ہاتھ کاٹیں گے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ اوّل بدر میں پھر اُحد وغیرہ میں سب مال جماتی کی طاقتیں خرچ کر دیکھیں کچھ نہ کرسکے، آخر ہلاک یا رسوا ہوئے یا نادم ہو کر کفر سے توبہ کی ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً الخ کا یہی معنی ہے۔

آیت ۳۷: موضح القرآن میں ہے کہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کرے گا۔ اس درمیان میں کافر اپنا جان و مال کا زور خرچ کرلیں گے تاکہ نیک و بد جدا ہو جائے۔ یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکٹھے دوزخ میں جائیں۔
یہی دوسری قسم کے لوگ ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے دنیوی و اخروی دونوں قسم کا نقصان اور خسارہ اٹھایا۔
(تنبیہ) اس سورہ کے مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اس کی آیات کی تعداد کوفی قراء کے ہاں ۷۵، حجازیوں کے نزدیک ۷۶ اور شام والوں کے نزدیک ۷۷ ہے۔ ایک دفعہ اس مختصر بحث کو پھر سے دیکھ لیجئے۔ یہاں جو کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ تعداد آیات کے اختلاف کی ایک مثال یہاں آیت ۳۶ بھی ہے۔ کوفی قراء کے نزدیک وقف آیت يُحْشَرُونَ پر ہے لہذا ۳۶ کا عدد اس لفظ پر ختم ہوا ہے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک ایک وقف آیت يُغْلَبُونَ پر ہے!

اور دوسرا يُحْشَرُونَ پر۔ اس لحاظ سے آیت ۳۶ کوفی قراء کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک ایک نہیں بلکہ دو آیات ہیں۔ اسی چیز کو ہمارے ہاں کے مصاحف میں اس علامت ۵ؔ سے ظاہر کیا گیا۔ تعداد آیات کے اختلاف

Marfat.com

کو ہمیشہ اسی روشنی میں دیکھنا چاہیئے! واللہ اعلم۔ مؤلف

[1] ان کفار کے قابلِ عذاب ہونے کا ایک سبب ان آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال اللہ کی راہ سے روکنے میں خرچ کرتے ہیں چنانچہ جنگِ بدر میں ابوجہل وغیرہ قریش کے مال دار خدا پرستوں کے مقابلہ میں ان کفار کو کھانا دیتے تھے جن کو وہ ہم اسلام کے لئے میدانِ بدر میں لائے تھے۔ پھر بطورِ پیشین گوئی فرمایا گیا ہے کہ وہ ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ چنانچہ جنگ بدر کے بعد ابوسفیان نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بہت کچھ مال صرف کیا تھا اور جنگ احد میں لوگوں کو مال کے بل بوتہ پر چڑھا لایا تھا۔ پھر اس خرچ کرنے کا آلِ کار بتلایا گیا ہے کہ یہ ان کے لئے آخرت میں، اور اگر مسلمان ہو گئے تو دنیا میں، حسرت و افسوس کا باعث بن جائے گا۔

دوسرا نتیجہ اس خرچ کا یہ ہوگا کہ وہ اس کے سبب سے دنیا میں بھی غالب نہ ہوں گے اور آخرت میں جہنم میں جائیں گے۔ سو ایسا ہی ہوا اور یہ خرچ کرنا ان کا اس لئے ہے کہ دنیا میں خبیث و طیب یعنی کافر و مومن میں امتیاز ہو جائے یا پاک اور ناپاک مال میں امتیاز ہو جائے۔ ناپاک مال شیطانی کاموں میں اور پاک رحمانی کاموں میں صرف ہوا کرتا ہے۔ فرمایا ہے کہ پھر اس کل ناپاک کا تودہ لگا کر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اس تجارت میں انہیں سخت خسارہ ہو گا کیونکہ صَرف تو کیا تھا منافع کے لئے اور حاصل ہوا الٹا دارین کا نقصان!

[2] ان آیات کے متعلق کہا گیا ہے کہ جنگِ بدر میں کفار کے انفاقِ مال پر یا اس کے بعد کے انفاق پر نازل ہوئی ہیں۔ شانِ نزول چاہے خاص ہو مگر آیت کا مطلب عام ہے اور اسلام و اہلِ اسلام کے خلاف کفار کا ہر قسم کا خرچ اس میں داخل ہے۔

---

[1] تفسیر حقانی ج ۴ ص ۱۹۴ [2] تفسیر ابن کثیر پ ۹ ص ۹۹

Marfat.com

کافر و مومن کا امتیاز جو ان آیات میں بیان ہوا ہے اس سے مراد اس دنیا کا امتیاز بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں فریقوں کے اعمال و مقاصد جدا جدا ہیں۔ اور آخرت کا امتیاز بھی مراد ہو سکتا ہے جیسا کہ سورۂ یٰس میں فرمایا گیا ہے کہ میدانِ قیامت میں حکم ہوگا: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ "اے مجرمو! آج الگ اور ممتاز ہو جاؤ"

اوپر جو معنی بیان کیا گیا ہے اس کی رو سے لِيَمِيْزَ کا لام نتیجہ کے لئے ہے کہ ان کے اس انفاق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کافر و مومن اور نیک و بد عمل میں امتیاز ہو جائے گا۔ لیکن یہ لام سببیت کے لئے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ گناہ میں مال خرچ کرنے کے سبب سے اللہ نے خبیث کو طیب سے جدا کر دیا۔ یعنی کافروں کا مال اس لئے خرچ ہوا کہ اس سے خدا کی راہ سے روکا جائے اور احکام الٰہی سے روگردانی کی جائے۔ پس اس سے یہ امتیاز ہو گیا کہ خبیث کون ہے اور طیب کون؟ بد عمل کیا ہے اور نیک عمل کیا؟

قرآنِ پاک میں لام کے ان دونوں معنوں کی کئی مثالیں موجود ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے۔

لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[1]: سبیل اللہ سے مراد خدا کا دین اور اس کے رسولؐ کا اتباع ہے۔ یعنی کفار کا مال خرچ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے روکیں، اور وہ اگرچہ ایسا نہ سمجھیں مگر یہی سبیل اللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ الآیۃ لہٰذا یہ کافر اپنے مقصد کو نہ پہنچ سکیں گے، مال بھی جاتا رہے گا اور ان کا

---

[1] تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۶۱-۶۶۴ / تفسیر المراغی ج ۹ ص ۲۰۵، ۲۰۶

Marfat.com

مقصد بھی پورا نہ ہو گا اس لئے سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا، اور وہ عنقریب یکے بعد دیگرے شکست پر شکست کھائیں گے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے لئے عبرت و نصیحت موجود ہے کہ انہیں سعادتِ دارین حاصل کرنے کے لئے اپنا مال راہِ حق میں کھلے دل سے خرچ کرنا چاہیئے جس زمانے میں وہ اسلام و ایمان کے حقوق کو قائم رکھا کرتے تھے اس دور میں ان کا یہی کردار تھا۔ اور اب بھی جب کبھی وہ اسلام اور ایمان کے حقوق کو قائم کرنے اُٹھیں گے ان کا یہی رویہ ہو گا۔

اس زمانے میں کفار لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے، اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لئے، جاہل مسلم عوام کو ان کے دین سے ہٹا کر کفر میں داخل کرنے کے لئے، مسلمانوں کی اولاد کو نامسلمان بنانے کی خاطر اپنی تعلیم گاہوں میں انہیں تعلیم دینے کے لئے اور اپنے شفاخانوں میں مردوں اور عورتوں کا علاج کرنے پر بے پناہ روپیہ صرف کر رہے ہیں۔ ان تدابیر کے علاوہ وہ اور بھی کئی تدابیر اختیار کر رہے ہیں تاکہ اپنے مذہب کی نشر و اشاعت کریں اور مسلمانوں کو اسلام سے گمراہ کر کے مُرتد بنا دیں۔ یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور مسلمانوں کو پرواہ تک نہیں۔ آہ! یہ کس قدر بے غیرتی ہے جس کا مسلمان مظاہرہ کر رہے ہیں! (دوسرے ممالک کا تو صحیح علم نہیں، ہماری اس مملکتِ اسلامیہ پاکستان میں عیسائی مشنوں کی تعداد روز افزوں ہے اور اسلام سے مرتد ہونے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ کہیں کسی بہانے سے اور کہیں کسی تدبیر سے مسلمانوں کو مُرتد کیا جا رہا ہے۔ پھر کمیونسٹ لٹریچر کا ایک بے پناہ سیلاب چلا آ رہا ہے۔ نوجوان نسل کو ملحد و بے دین بنانے کی شدید کوششیں ہو رہی ہیں مگر آہ! بیچارے "اسلام" کو بطورِ نعرہ استعمال کرنے والے یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور ان کے کانوں پر جُوں تک نہیں رینگتی۔ اور اب تو کھلے بندوں یہاں یہ بھی کہا جانے لگا ہے کہ

Marfat.com

پاکستان میں (خدا نخواستہ) اشتراکیت کا خونی انقلاب آکر رہے گا! معلوم نہیں اسلام کے ہمدرد بلکہ "سرپرست" کن کونوں میں سوئے پڑے ہیں اور وہ کب آنکھیں کھولیں گے؟ مؤلف)

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ : اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں بردار اور متقی بندوں کے لئے غلبہ اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اوران کے دشمنوں اور دینِ حق سے روکنے کے لئے ان سے لڑنے والوں کی رسوائی اور ندامت وحسرت کا وعدہ فرمایا ہے تاکہ کفر کو ایمان سے اور حق و عدل کو جور وطغیان سے جدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کی اجتماعی سُنن میں دو چیزوں (مثلاً ایمان وکفر) کے درمیان امتیاز سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو اہل تر اور صلاحیت میں زیادہ تر ہے وہ باقی رہے اور دوسری چیز ختم ہو جائے۔ قرآن کا ارشاد ہے: "جھاگ اور کوڑا کرکٹ تو اِدھر اُدھر بکھر جاتا ہے اور لوگوں کو نفع دینے والی چیز (مثلاً پانی) زمین میں ٹھہر اور رچ بس جاتی ہے"۔ اور خدا کی سُنن دنیا و آخرت میں ایک ہی جیسی ہیں۔ پس جو دنیا میں خبیث ہے وہ آخرت میں بھی خبیث ہوگا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا : سنتِ الٰہی یہ ہے کہ ایک جیسی چیزیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور جو ایک جیسی نہ ہوں وہ باہم نہیں ملتیں بلکہ مختلف رہتی ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ: "روحوں کے بھی جمع شدہ لشکر ہوتے ہیں، جن کا باہم تعارف ہوتا ہے وہ باہم مل جاتی ہیں اور جو ایک دوسری سے بیگانہ ہوں ان میں اختلاف ہو جاتا ہے"۔ پس اللہ تعالیٰ خبیث کو تہ بہ تہ جمع کر دیتا ہے اور اس کا ایک گٹھا اور تودہ بنا دیتا ہے۔ پھر ان کو جو اربابِ خبث ہوتے ہیں جہنم میں پھینک دیتا ہے۔ وہ لوگ جنہیں جان و مال کا دوہرا خسارہ برداشت کرنا پڑے اُن کے خسارے کا کیا کہنا ہے!

Marfat.com

ف امام المغازی محمد بن اسحاق کے حوالہ سے ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ مشرکین مکہ نے بدر سے پہلے اور خود اس معرکہ میں راہِ خدا سے روکنے کے لئے بے پناہ تیاریاں کیں اور مال خرچ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ ایسا ہی کرتے رہے چنانچہ محمد بن اسحاق نے امام زہری وغیرہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جنگِ بدر میں مقتول ہونے والے سردارانِ قریش کے بھائی بند یا بیٹے بھتیجے مثلاً عبداللہ بن ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل صفوان بن امیہ وغیرہم ابوسفیان کے پاس گئے اور مطالبہ کیا کہ بچ نکلنے والے مالِ تجارت سے ان کی مدد کی جائے تاکہ وہ مسلمانوں سے جنگِ بدر کا بدلہ لے سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُحد اور اس کے بعد کی جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

لیکن بدر سے قبل یا اس کے بعد جو کچھ واقع ہوا وہ دشمنانِ دین کی اس دینِ برحق کے خلاف شدید معاندانہ سرگرمیوں کا محض ایک حصہ اور ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ اعدائے دین ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ یہی کرتے رہیں گے۔ بعد والے اپنے ان پیش روؤں کی تقلید کریں گے، مال خرچ کریں گے، ہر قسم کی جدوجہد کریں گے، مکر و فریب اور سازش کے جال بچھائیں گے اور ہر طرح سے اس دین کی راہ میں مشکلات کھڑی کرنے کی کوشش کریں گے، لوگوں کو اس سے روکیں گے۔ ہر سرزمین اور ہر دور میں مسلم جماعت کے خلاف ان کا یہی رویہ رہا ہے، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

یہ معرکہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس دین کے دشمن اسے کبھی آرام سے نہیں رہنے دیں گے، نہ وہ اس دین کو ماننے والوں کو امن و سلامتی سے زندگی گزارنے کی اجازت دیں گے۔ اس دین کی فطرت اور اس کا راستہ یہی ہے کہ وہ جاہلیت پر حملہ آور ہو، اس سے کشتی لڑتا رہے اور دین کے ماننے والوں کے لئے بھی

ف فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۸۶ - ۲۸۸

Marfat.com

ایک ہی راستہ کھلا ہے کہ جاہلیت کو تعدّی کرنے کے قابل نہ چھوڑیں بلکہ اسے پیس ڈالیں، ورنہ خود پس جائیں گے۔ ان کا فرض ہے کہ خدا کا جھنڈا اتنا بلند کر دیں کہ طاغوت اسے سرنگوں کرنے کی جرأت نہ کر سکے!

اللہ تعالیٰ ان کفّار کو، جو اپنے مال خدا کی راہ سے روکنے میں خرچ کرتے ہیں، ڈراتا ہے کہ ان کی اس حرکت کا انجام حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ وہ مال خرچ کریں گے لیکن انجام کار ان کے مال ضائع ہوں گے۔ اس دنیا میں وہ غلبہ چاہیں گے مگر مغلوب ہوں گے، حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے لیکن حق ان پر غالب آجائے گا۔ آخرت میں انہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا تو ان کی حسرت و ندامت مکمل ہو جائے گی۔

یہ فرزندانِ باطل حق کے خلاف جو مال خرچ کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطل چمکتا اور بھڑکتا ہے اور تعدّی میں حد سے گزر جاتا ہے اس کے نتیجے میں حق اس کے سامنے مقابلہ کرنے کو آ دھمکتا ہے۔ جہاد اور مقابلہ کا معرکہ قائم ہو جاتا ہے۔ حق ایک تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے تاکہ باطل کی تحریکات کو ختم کر دے کیونکہ حق اور اہل حق کے پنپنے کی یہی ایک صورت ہے۔ اس شدید تصادم میں حق و باطل میں فرق و امتیاز ہو جاتا ہے۔ طبائع اور فطرتیں نکھر جاتی ہیں۔ پتہ چل جاتا ہے کہ کون کیا ہے اور کہاں کھڑا ہے۔ کس کا میدان کون سا ہے؟ حق والے کون ہیں اور باطل پرست کون ہیں؟ حتیٰ کہ تجربہ و ابتلاء سے پہلے جو لوگ اہلِ حق کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے ہیں ان میں بھی فرق و امتیاز ہو جاتا ہے۔ صابر اور ثابت قدم ایک طرف اور کچے، تھڑدلے اور بزدل دوسری طرف ہو جاتے ہیں۔ یہی وقت ہوتا ہے کہ وہ لوگ نکھر کر سامنے آجائیں جو نصرتِ الٰہی کے حقدار ہیں کہ وہی امانتِ الٰہی کے اٹھانے کے حقدار ہیں اور وہی اسے تھام کر رکھ سکتے ہیں۔ فتنہ و ابتلاء کی سختیوں کے تحت تفریط میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس وقت اللہ خبیث کو طیب کے

Marfat.com

اوپر رکھ کر ایک گٹھا بناتا اور سمیٹتا اسے جہنم میں پھینک دیتا ہے۔

قرآنی تعبیر خبیث کو مجسم کر کے پیش کرتی ہے۔ گویا کہ وہ ایک جرم دار اور حجم والی چیز ہے۔ بالفاظ دیگر وہ گندگیوں کا ایک ڈھیر ہے جسے اللہ تعالیٰ جہنم میں پھینک دیتا ہے۔ قرآنی تعبیرات اسی طرح معنوی حقائق کو مجسم اور مادی صورت میں پیش کرتی ہیں تاکہ دلوں میں ان کا اثر ہو اور حواس ان کی گہرائیوں تک پہنچ سکیں۔

قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِن يَنتَهُواْ يُغْفَرْ لَهُم مَّا

تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آجائیں تو معاف ہو ان کو جو

قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُواْ فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ

کچھ ہو چکا۔ اور اگر پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے راہ

ٱلْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

اگلوں کی اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد

وَيَكُونَ ٱلدِّينُ كُلُّهُۥ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ ٱنتَهَوْاْ فَإِنَّ ٱللَّهَ

اور ہو جائے حکم سب اللہ کا۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ

بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۹﴾ وَإِن تَوَلَّوْاْ فَٱعْلَمُوٓاْ

ان کے کام کو دیکھتا ہے اور اگر وہ نہ مانیں تو جان لو

Marfat.com

(۴۰) اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ

کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے۔ کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مدد گار!

لہ اوپر کی آیات میں کفر پر اصرار کرنے والے، راہِ حق سے روکنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور ایمانداروں سے قتال کرنے والے مشرکوں کا حال بیان کیا گیا اور دنیا و آخرت میں ان کا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ اب سننے والوں کو اس امر کا انتظار تھا کہ جو لوگ ان کافروں میں سے تائب ہو کر داخلِ اسلام ہو جائیں گے ان کا دنیوی و اخروی انجام کیا ہو گا؟ چنانچہ ان آیات میں جہاد و قتال کے ایک حکمِ عام کے ساتھ ساتھ یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

لہ آیت ۳۸: یعنی اگر اب بھی کفر و طغیان اور عداوتِ اسلام سے باز آ جائیں اور پیغمبر علیہ السلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر لیں تو پہلے حالتِ کفر میں جو گناہ کر چکے، وہ سب معاف کر دئیے جائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ: اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ. لیکن حقوق العباد معاف نہ ہوں گے ان کا حساب علیحدہ ہے اور وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

اگر یہ باز نہ آئیں گے تو جس طرح اگلے لوگوں پر پیغمبروں کی عداوت و تکذیب سے تباہی آئی تھی، ان پر بھی آئے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جیسے بدر میں ان کے بھائی بندوں کو سزا دی گئی انہیں بھی دی جائے گی۔

آیت ۳۹: حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ: جب کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا دینِ حق کو موت کی دھمکی دے سکیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفّار کو غلبہ ہوا، مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ سپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوّت اور

لہ تفسیر المراغی ج ۹ ص ۲۰۶ لہ فوائد القرآن ص ۲۳۴-۲۳۵

Marfat.com

موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا! (مغربی عیسائی دنیا نے مشرقِ اوسط اور افریقہ کے تمام ممالک میں اسلام اور مسلمانوں سے وہی سلوک کیا اور اب تک کر رہے ہیں جو سپین میں کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں ایک منظم طریقے سے مسلمانوں کا اجتماعی قتلِ عام ہو رہا ہے ادھر کمیونسٹ ملحدوں نے روس، ترکستان، یوگوسلاویہ اور چین میں مسلمانوں کا حال مغربی عیسائی دنیا سے بھی زیادہ برا کیا اور اب تک کیئے چلے جا رہے ہیں۔ کروڑوں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا ہے، مسجدوں کو اصطبل اور اسلامی مدارس کو شراب خانوں تک میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ آہ! یہ مسلمانوں کے دوست!! مؤلف)

بہر حال جہاد و قتال کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ اہلِ اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولتِ ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو (چنانچہ "فتنہ" کی یہی تفسیر ابنِ عمرؓ وغیرہ صحابہؓ سے کتب حدیث میں منقول ہے)۔

وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ: یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے، حکم اکیلے خدا کا چلے، دینِ حق سب ادیان پر غالب آجائے (لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ) خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدینؓ وغیرہم کے عہد میں ہوا۔ یا سب ادیانِ باطلہ ختم کر کے جیسے نزولِ مسیحؑ کے وقت میں ہوگا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی، مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ: اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ باقی جہاد کے احکام و شرائط وغیرہا کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا الخ: یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آجائیں ان سے قتال نہیں۔ ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد

Marfat.com

کیا جائے گا۔ جیسا کام وہ کریں گے، خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کر سکتے۔ مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلّف ہیں۔ حدیث میں ہے: اُمِرتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُولُوا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِذَا قَالُوھَا عَصَمُوا مِنِّی دِمَاءَھُم وَ اَموَالَھُم اِلَّا بِحَقِّھَا وَ حِسَابُھُم عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ۔)

آیت ۴۰: یعنی مسلمانوں کو چاہیئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں۔ کفّار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں۔ جیسے جنگ بدر میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد و حمایت کی۔

[1] کفار کا آخری انجام بیان فرما کر قرآن کے خطاب کی توجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گئی ہے، تاکہ آپ کافروں کو آخری وارننگ دے دیں۔ اسی طرح ان آیات کا خطاب اسلامی جماعت کی طرف متوجہ ہوا ہے کہ اس وقت تک قتال جاری رکھیں جب تک زمین سے فتنہ نہ مٹ جائے اور دین و حکم سارا خدا کا نہ ہو جائے۔ اور مسلم جماعت کو، جو جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرتی ہے، اس امر پر مطمئن رہنا لازم ہے کہ اس کا حمایتی اور مددگار اللہ ہے لوگوں میں سے کوئی بھی اس پر جنگ یا خفیہ سازش و تدبیر سے غالب نہ آ سکے گا جب تک کہ اس کی اعانت و نصرت پر اللہ تعالیٰ رہے گا۔

اسلام لانے سے قبل جو کچھ ہو چکا ہو اسے اسلام ملیا میٹ کر دیتا ہے، لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ کفار سے فرما دیجئے ابھی موقع موجود ہے۔ فرصت سے فائدہ اٹھا لیں اور دین کی مخالفت، راہِ حق کو روکنے اور اسلام کے خلاف مال و دولت خرچ کرنے سے باز آ جائیں۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اگر وہ باز آ جائیں گے تو ان کی گزشتہ سب غلطیاں معاف کر دی جائیں گی۔ اسلام میں داخل ہونے والا پہلی برائیوں سے بری اور پاک و صاف ہو کر داخل ہوتا ہے۔ گویا آج

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۹ ص ۲۸۸-۲۹۱

Marfat.com

ہی اُسے ماں نے جنا ہے۔ اس کی زندگی از سرِ نو شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ اب بھی باز نہ آئے تو جو سنّتِ الٰہیہ پہلے مکذبین و کفار کے متعلق چلی آرہی ہے یہ بھی ضرور اس سے دو چار ہو کر رہیں گے۔ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو نصرت اور عزّت و تمکین سے سرفراز کرے گا۔ اب کافر ایک چوراہے پر کھڑے ہیں۔ انہیں سوچ سمجھ کر اپنا راستہ منتخب کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد خطاب اہلِ ایمان کی طرف پھرتا ہے اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی حدود بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہ حدود صرف اسی زمانے سے خاص نہیں، بلکہ ہر دور اور ہر زمانے میں یہی حدود ہیں! اگرچہ اس سورت میں جہاد و قتال کے متعلق بیان کئے جانے والے احکام آخری اور انتہائی نہیں۔ جنگ و صلح کے قوانین آخری انتہائی شکل میں سورۂ براءۃ میں نازل ہوئے تھے جو ۹ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اور باوجودیکہ، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اسلام ایک ایجابی تحریک کا نام ہے جو انسانی زندگی کی عملی و واقعاتی کیفیات و ضروریات کی ہر مرحلے پر کفالت کرتی ہے۔ اس کے کئی مرحلے ہیں اور ہر مرحلے کے مطابق ضروری احکام دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی اس آیت میں جو جہاد و قتال کی حدود بیان فرمائی گئی ہیں یہ کامل و مکمل اور کافی دائمی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ اسلامی تحریک کے سامنے جاہلیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک دائمی حکم پیش کرتا ہے۔

اسلام دنیا میں انسان کو بندوں کی غلامی سے آزاد کرنے آیا ہے۔ وہ انسان کو اس کی خواہشات و ہوائے نفس کی غلامی سے بھی آزادی دیتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی درحقیقت بندوں کی غلامی کی ہی ایک قسم ہے اور وہ اس آزادی کا اعلان کرتے ہوئے الوہیت کو ایک خدا کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ اللہ وحدہٗ کی ربوبیت مطلقہ کا اعلان کرتا ہے۔ اس اعلان کا مطلب دوسرے لفظوں میں

Marfat.com

یہ ہے کہ انسان کی حاکمیت پر چاہے وہ کسی شکل و صورت اور کسی رنگ و روپ میں ہو چاہے اس کا کوئی نظام اور وضع ہو، اس حاکمیت پر چوٹ لگائی جائے۔ اس کے خلاف بغاوت کی جائے۔ اسے اُلٹ دیا جائے۔ دنیا بھر میں جہاں کہیں انسان کی حاکمیت کا وجود ہے اسے ختم کر دیا جائے۔

اس عظیم نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے دو بنیادی امور ضروری ہیں:

(۱) جو لوگ اس دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، انسانی حاکمیت سے آزادی کا اعلان کرتے ہیں، صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل ہوتے اور بندوں کی بندگی کی ہر صورت و شکل سے نکل آتے ہیں، اُن سے اذیت و فتنہ کو دفع کیا جائے یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ایک مومنانہ جماعت ایک جاندار تحریک کی صورت میں موجود رہے، اس کی ایک اپنی جاندار قیادت ہو۔ یہ جماعت و قیادت اس اعلان آزادی پر صحیح ایمان رکھتی ہو اور اسے عملی طور پر واقعاتی دنیا میں نافذ کر سکے اور ہر اس طاغوت سے جہاد کر سکے جو اس دین کو اختیار کرنے والوں کو اذیت و فتنہ میں مبتلا کرتا ہو۔ یا قوت و تشدد سے اور قہر و جبر کے وسائل سے کام لے کر ان لوگوں کا راستہ روکتا ہو جو اس دین کو اختیار کرنا چاہیں۔

(۲) زمین میں ہر وہ قوت جس کی بنیاد انسان کی انسان کے لئے غلامی پر قائم ہوا سے تہس نہس کر دیا جائے۔ اس غلامی کی ہر صورت کو پیس ڈالا جائے۔ یہ اس لئے ہے کہ پہلا ہدف پورا ہونے کی ضمانت دی جا سکے۔ کیونکہ جب تک اس غلامی کا وجود کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے وہ پہلا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ پس خدا کی ساری زمین میں صرف اُسی کی الوہیت کا اعلان کیا جانا لازم ہے اور اس کی صورت فقط یہی ہے کہ غیر اللہ کی بندگی کو مٹا دیا جائے۔ بندگی و اطاعت صرف ایک اللہ کی رہ جائے دین کا لفظ یہاں خدا کے سلطان و اقتدار کے سامنے ڈینوننت (جھکنے) کے لئے بولا گیا ہے۔ یہ محض ایک

Marfat.com

اعتقادی چیز ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق عملیاتی اور واقعاتی زندگی کے ساتھ ہے!

یہاں پر ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ لیکن اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے بعض دفعہ کچھ لوگوں کے دلوں میں کھٹکتا ہے اور وہ اسے اس لَآ اِكْرَاهَ والی آیت کے خلاف سمجھنے لگتے ہیں۔

گو جو کچھ ہم اس سے قبل جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر لکھ چکے ہیں، بالخصوص جو اقتباسات ہم نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب الجہاد فی الاسلام سے اوپر درج کر دیئے ہیں، وہ اس شبے کا رد کرنے اور بات کو واضح کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ لیکن ہم یہاں پر پھر اس مسئلہ کی کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے دشمنوں، اس کے خلاف دسیسہ کاریاں کرنے والوں اور اس کے خلاف خفیہ سازشیں کرنے والوں نے اس مسئلہ کو بہت ہی غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔

یہ آیت: وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ جو کچھ بیان کرتی ہے وہ فقط یہ ہے کہ اسلام کی راہ میں جو مادی رکاوٹیں طاغوتوں کے اقتدار، قہر و جبر کے نظاموں اور افراد کو دین سے روکنے والی قاہر و جابر تنظیموں کی صورت میں موجود ہوں انہیں راہ سے ہٹایا جائے۔ بس مقصد یہ ہے کہ زمین سے غیر اللہ کا اقتدار و تسلط مٹایا جائے۔ لوگ اللہ کے اقتدار کے سوا کسی اور کے تسلط و اقتدار کے سامنے نہ جھکیں۔ جب یہ مادی رکاوٹیں دور ہو جائیں تو افراد کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کسی جبر و تشدد کے بغیر جو عقیدہ چاہیں رکھیں یا اختیار کریں۔ لیکن کسی مخالف اسلام عقیدے کو یہ اجازت نہ دی جا سکے گی کہ مادی قوت کے بل بوتے پر لوگوں کو عقیدہ بدلنے یا اپنا پسندیدہ عقیدہ اختیار کرنے سے روکیں۔ اور جو لوگ الٰہی سلطان و اقتدار پر ایمان لے آئیں اذیت و فتنہ کا نشانہ بنائیں۔ لوگ اپنا عقیدہ اختیار کرنے میں از روئے اسلام پورے پورے آزاد ہیں۔

Marfat.com

وہ طاقتیں جو الوہیت کا مقام حاصل کئے بیٹھی ہیں انہیں ختم کرنا ضروری ہے تاکہ انسانی افراد کی آزادیٔ ضمیر اور حرّیت عقیدہ بروئے کار آسکے۔ اور اس کائنات میں بندگی کا مطالبہ کرنے والا اقتدار صرف ایک ہو سکتا ہے اور وہ بندوں کے ربّ اور مالک کا اقتدار ہے۔ جب کوئی اور اقتدار یہ مقام حاصل کرے گا تو اسلام کا مسئلہ جہاد بروئے کار لانا فرض ہو گا۔

خدا نے انسان کو جو حرّیت عقیدہ کی عزّت اور اشرف و افضل ہونے کی کرامت بخشی ہے وہ صرف اسی صورت میں ظاہر ہو سکتی ہے کہ انسان بندوں کی بندگی سے آزاد ہو جائے۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ دین و اقتدار اور بندگی صرف اللہ کی ہو اور اس کے سوا کسی اور اقتدار کے سامنے انسان نہ جھکے۔

پس یہی وہ مقصدِ اعلیٰ اور عظیم نصب العین ہے جس کی خاطر مسلم جماعت جدّوجہد اور قتال کرنے پر مامور ہے۔ جو کوئی اس مبداء کو قبول کرے گا اور سلطانِ الٰہی کے آگے جھکنے کا اعلان کر دے گا مسلم اس سے یہ اعلان قبول کر لیں گے اور اس کے دل کی حالت کی تفتیش ان کے ذمّہ نہ ہو گی۔ اس کی نیّت و ضمیر میں کیا پوشیدہ ہے؟ یہ معلوم کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ اور جو لوگ منہ پھیر لیں، کفر و شرک پر اصرار کر کے الٰہی اقتدار کا مقابلہ ہی کئے چلے جائیں، مسلم جماعت کا فرض ہے کہ نصرت خداوندی کے بھروسے پر ان سے قتال کریں۔

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ دینِ حق کسی محض نظریئے کا نام نہیں جسے لوگ ذہنی عیاشی کے لئے یا علم و معرفت کی کثرت حاصل کرنے کے لئے کسی کتاب سے پڑھ لیں۔ بلکہ یہ ایک مثبت اور عملی تحریک کا نام ہے جس کا تعلق انسانی حیات سے ہے اور جسے عالمِ واقع میں نافذ کرنا لازم ہے تاکہ انسانوں کی دنیا میں خدا کی الوہیت قائم و نافذ ہو جائے۔

اسی طرح وہ کسی سلبی عقیدے کا نام بھی نہیں جس کا تعلق محض بندے اور خدا کے مابین ہو اور بس! علیٰ ہذا القیاس وہ محض چند عبادات رسوم کا نام بھی نہیں

Marfat.com

کہ ان کی ادائگی کے بعد اس کے مطالبات ختم ہو جائیں۔ بلکہ یہ دین دراصل انسانی آزادی کا ایک عام اعلان ہے۔ وہ ایک تحریکی ضابطہ ہے جس کا تعلق انسانی زندگی کے مسائل سے ہے اور جو انسانوں کی واقعاتی زندگی میں مناسب اور پورے وسائل سے کام لے کر انسانی زندگی میں نافذ ہوتا ہے۔ وہ تبلیغ و بیان کے ذریعہ سے ادراک کی رکاوٹوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ مادّی جہاد کے ساتھ سلطنت و اقتدار اور تنظیمات و اوضاع کا مقابلہ کرتا ہے تاکہ طاغوتوں کے تسلّط و اقتدار کو پیس ڈالے اور الٰہی اقتدار کو قائم و نافذ کرے۔

دین اسلام کی تحریک ایک رواں دواں اور زندہ و پائندہ تحریک ہے جس کا تعلق انسانی حیات سے ہے اور جس کا جاہلیت سے مقابلہ ناگزیر ہے یہ مقابلہ محض نظری نہیں کہ ایک نظریّہ دوسرے نظریّہ سے متصادم ہے اور بس! نہیں بلکہ جاہلیت معاشرے، انسانی اجتماع اور وضع و تسلّط کی شکل میں جلوہ گر ہے لہذا اس دین کے لئے بھی اجتماع و معاشرے اور اقتدار و تسلّط کے روپ میں جلوہ گر ہونا ناگزیر ہے تاکہ یہ جاہلیت کا پورا پورا مقابلہ کر سکے۔ پس مسلمانوں کے لئے جہاد و قتال اور دینِ حق کے اعلیٰ تر اقتدار کو باقی ہر اقتدار پر غالب کرنا لازم ہے۔ جہاد کی یہی تعبیر صحیح اسلامی اور برحق تعبیر ہے۔ نہ وہ تعبیر جو شکست خوردہ ذہنیت والے، فریب خوردہ "مسلم" پیش کرتے ہیں، اگرچہ وہ کتنے ہی مخلص اور دیانت دار قسم کے لوگ کیوں نہ ہوں حقیقت میں دینِ حق کی اصلی صورت ان کی عقل و قلب کی گرفت سے باہر ہے!

(لہ علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ اور سعدؓ بن مالک سے کئی روایات نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فتنہ سے مراد ان آیات میں دینِ حق سے پھرنے اور اسلام لانے کی وجہ سے اذیت

لہ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۱۰۰ - ۱۰۲

Marfat.com

و عذاب میں مبتلا کئے جانے کا فتنہ ہے۔ مسلم جماعتوں کا باہمی قتال گو عرف عام میں فتنہ ہی کہلاتا ہے مگر اس آیت کے فتنہ کا وہ مصداق نہیں ہے۔ عبد اللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ فتنہ دب جانے سے مراد شرک کا دب جانا ہے، یعنی اس وقت تک قتال جاری رکھو جب تک کہ شرک کا غلبہ نہ مٹ جائے۔ اور دین سے مراد یہاں توحید خالص ہے، یعنے خدا کے اقتدار میں کوئی شریک نہ رہے اور تسلط و اقتدار خدا کے دین کا ہو جائے۔

فتنہ کی یہی تفسیر عروہؓ بن الزبیر کے اس خط سے بھی ثابت ہوتی ہے جو انہوں نے عبد الملک بن مروان کے جواب میں لکھا تھا!

[1] قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ؛

اے پیغمبرؐ! ان کفار سے فرما دیجئے کہ اگر یہ آپ کی عداوت، وعناد اور راہ حق سے لوگوں کو روکنے سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو ان کا یہ گناہ جو پہلے گزر چکا ہے، اور اس کے علاوہ دیگر معاصی بھی بخش دئے جائیں گے۔ آخرت میں ان کی بازپرس نہ ہوگی۔ اور پیغمبر اور اہل ایمان بھی انہیں معاف کر دیں گے یعنی ان سے کسی پہلے قتل کا قصاص اور میدان جنگ میں چھینا ہوا کوئی مال یا غنیمت وغیرہ واپس نہ لیا جائے گا۔ غرض ان کے خلاف اسلام لانے کے بعد کوئی مطالبہ نہ رہے گا۔

مسلم نے عمروؓ بن العاص سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب اللہ نے میرے دل میں ایمان ڈال دیا تو میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ہاتھ پھیلائیے میں بیعت کر لوں گا۔ حضورؐ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا تو میں نے ہاتھ سمیٹ لیا۔ حضورؐ نے وجہ دریافت فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے

---

[1] تفسیر المنار ج ۹ ص ۶۶۴ - ۶۶۵، تفسیر المراغی ج ۹ ص ۲۰۷ - ۲۰۹

وجہ دریافت فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ میں ایک شرط رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم کیا شرط رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میرے گناہ بخش دئے جائیں۔ حضورؐ نے فرمایا، اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے؟ ہجرت اپنے سے قبل سب گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج اپنے سے پہلے سب گناہوں کو ملیامیٹ کر دیتا ہے!

خدا کی وہ سنت جس کا ذکر اس آیت میں ہے ایک دوسری آیت میں اسے یوں بیان فرمایا گیا ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ۔ "ہم دنیوی زندگی میں بھی اپنے رسولوں اور ایمانداروں کی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کا دن) اس دن بھی ان کی مدد کریں گے!"

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ:

یعنی جب تک دین کی وجہ سے عذاب دینے اور اس کے ترک کرنے کے لئے قسم قسم کی ایذاء رسانی کا فتنہ زائل نہ ہو جائے، اے پیغمبرؐ! اور اے ایمان والو! ان کفار سے برابر لڑتے رہو۔ مکہ میں جب کفار کو قوت وغلبہ حاصل تھا تو انہوں نے لوگوں کو دین سے ہٹانے اور روکنے کے لئے ہر قسم کی تکالیف دی تھیں۔ پھر اس دین ہی کی خاطر مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا اور اسی کی خاطر وہ دار الہجرت مدینہ میں مسلمانوں سے لڑنے کو آئے تھے۔ پس فتنہ سے مراد یہی ان کا دین سے روکنا اور ہٹانا ہے۔ اور فرمایا کہ برابر لڑتے رہو جب تک کہ اقتدار صرف اللہ کا ہو جائے اور کوئی کسی کو دین سے ہٹانے اور عقیدۂ حق تبدیل کرنے کا جتن کرنے کے قابل نہ رہے۔

غرض خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تم حریتِ دین وعقیدہ کی خاطر قتال کرو تا کہ کوئی کسی کو جبر سے عقیدہ بدلنے یا ایک دین چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنے پر قادر نہ رہے۔ اور کسی کو ایک عقیدہ اختیار کرنے پر اذیت نہ پہنچائی جا سکے۔ پس

Marfat.com

مسلمان دین کی حریت کی خاطر قتال کرتے ہیں لیکن کسی کو اسلام کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ خاتمہ کا یہی معنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ دو آدمی ابن الزبیرؓ کے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے۔ آپ عمرؓ بن الخطاب کے صاحبزادہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست (صحابی) ہیں تو آپ کیوں باہر نہیں نکلتے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اس سے مجھے خدا کا یہ حکم روکتا ہے کہ اس نے مسلمان بھائی کا خون مجھ پر حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں ہے کہ جب تک فتنہ ہے قتال کرتے رہو؟ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اس وقت تک قتال کرتے رہے اور فتنہ مٹ چکا اور خدا کا دین قائم ہو چکا۔ اور اب تم چاہتے ہو کہ فتنہ بپا کرنے کی خاطر قتال کیا جائے اور دین غیر اللہ کا ہو جائے۔

ان آخری زمانوں میں بھی مسلمانوں کے مغلوب ہونے اور ان کی اکثر حکومتوں کے زائل ہو جانے کی وجہ محض یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دین سے رہنمائی حاصل کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ان پر (ذ) اور جنگی تیاریاں فرض کی تھیں، لیکن انہوں نے ان تیاریوں کو ترک کر دیا اور خوارق عادات اور احادیث و دعوات کی قرأت پر اکتفاء کی۔ حالانکہ یہ چیز اللہ نے مشروع نہ کی تھی نہ اس کے رسولؐ نے اس پر عمل فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے عدل و فضائل اور خدا کی اجتماعی سنن کو بھی چھوڑ دیا جن کی وجہ سے سلفِ صالحین نے غلبہ اور فتح حاصل کی تھی۔ انہوں نے امت اور سلطنت کے اموال کو اپنی شہوات میں اسراف کی خاطر خرچ کرنا شروع کر دیا اور خدا کا غضب ان پر وارد ہو گیا۔

Marfat.com

اس کے برعکس فرنگیوں اور دیگر مغربی اقوام نے اسلام کی تعلیمات کا اتباع کیا۔ جنگ و جدال کی پوری تیاریاں کیں، عمران و اجتماع بشریت میں خدا کی سنن کو پیشِ نظر رکھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا پلڑا بھاری ہوگیا۔ اس میں قصور دین یا خدا کا نہیں خود ہمارا ہے۔ "وَلِلّٰہِ الْاَمْرُ"

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اسلاف کو کسریٰ و قیصر کے ممالک فتح کرنے کی توفیق اس لئے ارزانی فرمائی کہ اہلِ فارس و روم شرک، آداب اجتماعی و انفرادی میں فسادِ عقائد، بداخلاقی اور مفاسد عادات، شہوات میں ڈوب جانا اور بدعات و خرافات کے تسلط کے ابتلا جیسے مہلک امراض میں مبتلا ہوچکے تھے۔ اسلام جب دنیا میں آیا تو اس نے ان سب چیزوں کو مٹا دیا اور ان کی جگہ توحید و فضائل کو پھیلایا۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سب قوموں پر اہلِ اسلام کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔

جب مسلم عوام نے توحید و فضائل کو ترک کر دیا اور پہلے مہذب لوگوں کی مانند بدعات و رذائل میں کھپ گئے، حالانکہ اسلام نے انہیں اس سے پرہیز کی تلقین فرمائی تھی۔ پھر جب انہوں نے جنگی غلبہ حاصل کرنے کے مادی و حربی اسباب ترک کر دیئے اور کما حقہٗ تیاری نہ کی تو دوسروں کا ان پر غلبہ ہو گیا اور زمین کا دروبست ان کے علاوہ دوسروں کے سپرد کر دیا گیا۔ قرآن کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۔ "صالحون" سے مراد اس آیت میں وہ لوگ ہیں جو زمین کی آبادی اور اس کے ثمرات و خیرات سے نفع پانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ

[illegible]

Marfat.com

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

اور رسول کے لئے اور اس کے قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں

وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا

اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری

عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ

اپنے بندے پر فیصلے کے دن جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں ۔ اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤١﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا

ہر چیز پر قادر ہے جس وقت تم تھے ورلے کنارے پر

وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ

اور وہ پرلے کنارے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ

اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدہ پر ایک ساتھ لیکن

لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا ۔ تاکہ مرے جس کو مرنا ہے

عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

قیام حجت کے بعد اور جئے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد اور بیشک اللہ

Marfat.com

لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِکَ

سننے والا جاننے والا ہے۔ جب اللہ نے کافر دکھلائے تجھ کو تیری خواب میں

قَلِیْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ

تھوڑے۔ اور اگر تجھ کو بہت دکھلا دیتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

لیکن اللہ نے بچا لیا۔ اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں

وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ

اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور

یُقَلِّلُكُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ

تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے[1] اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

اور اللہ تک پہنچتا ہے ہر کام

[1] غُنْم، مَغْنَم اور غَنِیْمَۃ وہ مال ہے جسے انسان حاصل کرے اور بلکسی ملتی فیہ (مقابل یا متبادل) کے اس کے ہاتھ لگے اور یہ محاورہ بھی ہے کہ اَلْغُرْمُ بِالْغُنْمِ (تاوان یا جرمانہ نفع اور فائدہ کے مقابل ہے!) اس کا مطلب

[1] تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۴

Marfat.com

یہ ہے کہ یہ اس کے مقابلے میں ہے! اہلِ شرک کے اموال جو لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آجائیں انہیں فئ کہا جاتا ہے (یعنی میدان جنگ سے ملنے والا مال تو غنیمت ہے، اور یہ فئی ہے) لیکن مالِ فئ کے لئے دارالاسلام کی شرط بھی ہے۔ اور فئ سب مسلمانوں کے لئے ہوتی ہے (جیسا کہ قرآن نے خود بھی تصریح فرمادی ہے!) اس میں سے بیت المال کا خمس یعنی ۱/۵ حصہ نہیں نکالا جاتا۔ اور نفل سے مراد وہ مال ہے جو مالِ غنیمت کی تقسیم سے قبل کسی کو حاصل ہو (مثلاً امام کسی خاص خدمت کے صلہ میں یا کسی اور مصلحتِ عامہ سے کسی کو کچھ دے دے!)

پچھلی آیات میں قتال کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہونے والا تھا کہ کفار سے مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا۔ پس مناسب ہوا کہ ان آیات میں مالِ غنیمت کی پسندیدہ اور مشروح صورت واضح فرمادی جائے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی تھی اور مالِ غنیمت کی تقسیم کا فریضہ اسی سے شروع ہوا تھا۔[1]

آیت ۴۱: آغازِ سورت میں فرمایا تھا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یہاں اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مالِ غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصّہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں: ۱- اپنی ذات پر ۲- اپنے ان قرابت داروں (بنی ہاشم و بنی المطّلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور جن کو زکوٰۃ وغیرہ سے لینا ان کے لئے حرام ہوا ۳- یتیموں پر ۴- حاجت مند مسلمانوں پر اور ۵- مسافروں پر۔ پھر غنیمت میں جو چار حصّے باقی رہے

---

[1] فوائد القرآن ص ۲۳۵-۲۳۶

وہ لشکر پر تقسیم کئے جائیں، سوار کو دو حصّے اور پیدل کو ایک۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے حنفیہ کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے ہیں۔ کیونکہ حضورؐ کی رحلت کے بعد حضورؐ کی ذات کا خرچ نہ رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصّہ رہا جو ان کو حضورؐ کی نصرت قدیمہ کی بنا پر ملتا تھا۔ البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصّہ ہے اس میں حضورؐ کے قرابت دار مساکین اور اہل حاجت کو مقدّم رکھا جانا چاہیے بعض علماء کے نزدیک حضورؐ کے بعد امیر المؤمنین کو اپنے مصارف کے لئے خمس الخمس ملنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

بعض روایات میں ہے کہ جب غلیمت میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصّہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کا کچھ حصّہ بیت اللہ (کعبہ) کے لئے نکالتے تھے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید ہے، وہاں مساجد کے لئے نکالنا چاہیئے۔

"فیصلہ کے دن" سے مراد یوم بدر ہے جس میں حق و باطل کی کش مکش کا کھلا فیصلہ ہو گیا۔ اس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر فتح و نصرت اُتاری، فرشتوں کی امدادی کمک بھیجی اور سکون و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی۔ تو جو لوگ خدا پر اور اس کی تائید غیبی پر ایمان رکھتے ہیں ان کو غنیمت میں سے خدا کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا بھاری نہیں ہو سکتا۔

فرمایا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جیسے اس دن تمہیں مُظفّر و منصور کیا آئندہ بھی تمہیں غلبہ و فتوحات عنائت فرما سکتا ہے۔

آیت ۴۲ : "ورلے کنارے" سے مراد میدان جنگ کی وہ جانب ہے جو مدینہ طیبہ سے قریب تھی۔ اسی طرح "پرلا کنارہ" وہ ہو گا جو مدینہ سے بعید تھا۔

• وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ : یعنی ابو سفیان کا تجارتی قافلہ نیچے کی طرف

Marfat.com

ہٹ کر سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ قافلہ اور مسلمانوں کے درمیان قریش کی فوج حائل ہو چکی تھی۔

وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ: یعنی اگر فریقین پہلے سے لڑائی کا وقت ٹھہرا کر جانا چاہتے تو ممکن تھا اس میں اختلاف ہوتا، یا وعدہ کے وقت پہنچنے میں ایک فریق لیس و پیش کرتا۔ کیونکہ ادھر مسلمان کفار کی تعداد اور ظاہری ساز و سامان سے خائف تھے، اُدھر کفار مسلمانوں کی حقانیت، خدا پرستی اور بے جگری سے مرعوب رہتے تھے۔ دونوں کو جنگ کی ذمہ داری لینے یا شرکت کرنے میں تردد اور تقاعد ہو سکتا تھا۔

وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا الخ: یعنی قریش اپنے تجارتی قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ پر حملہ کرنے، قافلہ بچ گیا اور دو فوجیں ایک میدان میں اس کے دونوں کناروں پر آپڑیں۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی، اگر تم قصداً لڑتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر پیغمبرؐ کا صدق کھل گیا۔ جو مرا وہ بھی الیقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر، تا اللہ کا الزام پورا ہو (موضح القرآن) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مرنے اور جینے سے کفر و ایمان مراد ہوں۔ یعنی اب جو ایمان لائے اور جو کفر پر جا رہے۔ دونوں کا ایمان یا کفر وضوح حق کے بعد ہو۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ ضرور سمیع و علیم ہے۔ یعنی وہ کمزور مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس طریقے سے ان کی مدد کی جائے دیکھو بدر میں مسلمانوں کی فریاد کیسی سنی اور کیسی مدد فرمائی۔

آیت ۴۳: وَإِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا: یعنی مسلمانوں کو چاہیئے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں۔ کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے جنگ بدر میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی خوب امداد اور حمایت کی اور امداد غیبی کا ایک طریقہ

Marfat.com

یہ بھی تھا کہ حضورؐ کو خواب میں کفار کی تعداد بہت کم کر کے دکھائی گئی۔ چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں سے فرما دیا کہ کفار کی کثرت تعداد سے مت گھبراؤ ان کی تعداد کوئی اتنی بھی زیادہ نہیں ہے۔ (مؤلف)

اگر ایسا نہ ہوتا تو کفار کو زیادہ سمجھ کر کوئی لڑانے کی ہمت کرتا کوئی نہ کرتا۔ اس طرح اختلاف ہو کر کام میں کھنڈت پڑ جاتی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں تھوڑی تعداد دکھلا کر اس بزدلی اور نزاع باہمی سے تم کو بچا لیا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس چیز سے دلوں میں ہمت و شجاعت پیدا ہوتی ہے اور کس بات سے بچین و نامردی

آیت ۴۴: یعنی پیغمبرؐ کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت، تاکہ جرأت سے لڑیں۔ پیغمبرؐ کا خواب غلط نہیں، ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے، اکثر وہ تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مراد ان کی مغلوبیت کا اظہار ہو باقی کفار کی نظر میں جو مسلمان تھوڑے دکھلائی دیئے تو وہ واقعی تھوڑے تھے۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب دونوں فوجیں اوّل اوّل آمنے سامنے ہوئیں۔ پھر مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کئے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچا تو اس وقت کفار کو مسلمان دُگنے نظر آنے لگے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے: وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ (آل عمران ع)

لہ یہاں مالِ غنیمت کا حکم بیان فرمایا گیا۔ غنیمت کا حلال ہونا امت محمدیہ کی خصائص میں سے ہے۔ پہلی امتوں پر یہ حرام تھی۔ بعض علماء مثلاً امام قتادہ نے غنیمت اور فئ کو ایک ہی چیز شمار کیا ہے، لیکن صحیح تر قول امام شافعیؒ اور دیگر علمائے سلف وخلف کا ہے جو غنیمت و فئ میں فرق کرتے ہیں ۔۔۔

لہ تفسیر ابن کثیر پ۱۰ صہ ۲۰۹ (اُردو ترجمہ)

Marfat.com

مالِ غنیمت تو وہ ہے جو کفار پر چڑھائی کرنے کے بعد حاصل ہو اور فئ وہ مال ہے جو بغیر لڑے بھڑے ہاتھ آجائے مثلاً اُن سے صلح کر کے کچھ مال بطور تاوان حاصل ہو، یا وہ مال جس کا کوئی وارث نہ ہو اور یا جزیہ و خراج وغیرہ کا مال۔ سورۃ الحشر کی آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ کا تعلق مالِ فئ سے ہے اور یہ سورۃ الانفال کی موجودہ آیات کے بعد اتری تھی۔ علمائے سیر و مغازی میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ بنی نضیر کا واقعہ (جس میں سورۃ الحشر کا نزول ہوا تھا) جنگِ بدر کے بعد پیش آیا تھا پس قتادہؒ کا یہ قول کہ الانفال کی آیت نے الحشر کی آیتِ فئ کو منسوخ کر دیا ہے، صحیح نہیں ہے۔

لِلّٰهِ خُمُسَهٗ: یہ صرف بطورِ تبرک کلام کو شروع کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے ورنہ ساری کائنات اللہ ہی کی ہے۔ لیکن بعض روایات میں حضورؐ کا کعبہ کے لئے کچھ نکالنا آتا ہے شاید وہ اس لئے ہو کہ اللہ کا حصّہ بیت اللہ پر صرف کرنا ہوگا۔ اور یہ صرف تھوڑا سا ہوتا تھا ورنہ دراصل اللہ و رسولؐ کا حصّہ ایک ہوتا تھا اور خمس میں سے باقی چار حصّے حضورؐ کے قرابت داروں یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لئے ہوتے تھے۔

آپؐ کا حصّہ آپؐ کی زندگی میں آپ کے اخراجات اور آپؐ کے ازواج مطہرات کے لئے ہوتا تھا۔ آپؐ کے بعد بھی کچھ علماء کے نزدیک آپؐ کا حصّہ نکال کر ازواجؓ کو دیا جاتا تھا۔ دوسرے علماء کا خیال یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد آپؐ والا حصّہ امیر المؤمنین کا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، امام قتادہؒ اور علماء کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی موجود ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حصّہ نکال کر مسلمانوں کی مصالح میں صرف کر دیا جائے گا۔ امام ابن جریرؒ نے یہی قول پسند کیا ہے لیکن کچھ اور لوگوں کے ہاں حضورؐ کا اور قرابت داروں کا حصّہ آپؐ کے بعد

باقی ماندہ تین مدات پر خرچ ہوگا۔ مگر روایات میں موجود ہے کہ یہ دونوں حصے خلافت صدیقی رضؓ و فاروقی رضؓ میں مصالح جہاد اور اسلحہ وغیرہ پر خرچ ہوا کرتے تھے۔

امام مالکؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے نزدیک خمس بھی مالِ فئی کی مانند امامِ وقت کی رائے پر ہے جیسی مصلحت ہو اس کے مطابق خرچ کرے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اکثر سلف کا یہی قول ہے اور اس بارے میں صحیح ترین مسلک یہی ہے۔

ذوی القربیٰ سے مراد **بنو ہاشم** اور **بنی المطلب** ہیں جنہوں نے ابتدائے اسلام کی سختیوں میں حضورؐ کا ساتھ دیا تھا، چونکہ انہیں زکوٰۃ سے محروم رکھا گیا ہے (بوجہ مصالح شرعیہ) لہٰذا اس کی تلافی خمس الخمس سے فرمائی گئی۔ ان میں سے ایمان والوں نے ایمان کی وجہ سے اور کافروں نے قرابت کی بناء پر حضورؐ کی حمایت کی تھی اور آپ کا ساتھ دیا تھا۔ چونکہ آپ کی حمایت میں ان کے علاوہ دوسرے رشتہ دار کفار کے سامنے نہیں آئے تھے لہٰذا خمس میں صرف انہی کو حصہ ملا چنانچہ بعض مرفوع احادیث میں یہی وجہ بیان کی گئی ہے۔

بعض علماء مثلاً جناب علیؓ بن الحسینؓ (زین العابدین) اور امام مجاہدؒ کے نزدیک اس آیت میں ذوی القربیٰ سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں۔ لیکن جمہور کا قول وہی ہے جو اوپر گزرا۔ اور ایک بعید سا قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد سارے قریش ہیں عبداللہؓ بن عباس نے اس قول کا ردّ کیا ہے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ: کعبؓ بن مالک کی صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ مسلمانوں سمیت مدینہ سے صرف تجارتی قافلے کے ارادے سے نکلے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تقرر اور بلا جنگی تیاری کے کفّار کے لشکر سے مڈھ بھیڑ کرا دی۔ ابو سفیانؓ کو جب آپ کے ارادے کی خبر ملی تو اس نے فوراً راستہ بدل دیا۔ اور مکہ میں تیز رفتار قاصد بھیج کر اطلاع کرا دی۔ وہاں سے لشکر

Marfat.com

چڑھ آیا۔ قافلہ بچ کر نکل گیا لیکن دونوں لشکروں کو اس وادی کے کناروں پر ایک دوسرے کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب پانی لینے والوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر پہچان لیا۔

لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ:

آیت کے اس جملے کی تفسیر سیرت ابن اسحاق میں یہ آئی ہے کہ کفر کرنے والے گو اپنے کفر پر ہی رہیں لیکن دلیلِ خدا کو واضح طور پر دیکھ لیں اور جنہیں ایمان لانا ہو وہ علی وجہ البصیرت واضح دلیل کے ساتھ ایمان لائیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بلا آمادگی اور بغیر شرط و قرار داد کے مومنوں اور مشرکوں کی میدانِ بدر میں اچانک مڈبھیڑ کرا دی تاکہ حق کو باطل پر غالب کر کے حق و باطل میں فرق و امتیاز کر دے۔ حق کی حقانیت اور باطل کے باطل ہونے میں کسی کو شک و شبہ باقی نہ رہے۔ اب جو کفر پہ رہے وہ بھی کفر کو کفر سمجھ کر رہے اور جو ایمان لائے وہ واضح دلیل کے ساتھ ایمان لائے۔

حیات و موت کا لفظ اس لئے بولا گیا ہے کہ ایمان ہی دلوں کی زندگی ہے اور کفر ہی اصلی ہلاکت ہے جیسا کہ ایک آیت میں فرمایا گیا ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ۔ افک و تہمت کے قصے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ارشاد ہے کہ: "پھر جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا"۔ یعنی ان لوگوں نے بہتان میں حصہ لے کر ایمان کی موت خرید لی۔

وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا الخ

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میدان بدر میں میں نے کفار کا اندازہ کر کے اپنے پاس والے ساتھی سے کہا کہ یہ لوگ کوئی ستر کے قریب ہوں گے؟ انہوں نے پورا اندازہ کر کے کہا کہ نہیں یہ تو کوئی سو کے قریب ہیں۔ پھر ان میں سے ایک شخص ہمارے ہاتھ میں قید ہو گیا تو ہم نے اس سے کفار کی تعداد پوچھی۔ اس نے بتایا کہ وہ ہزار سے بھی اوپر ہیں۔ اسی طرح حضور صلعم

Marfat.com

کو بھی خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی گئی اور آپؐ نے صحابہؓ سے اس کا ذکر فرما دیا۔ اس سے مسلمانوں کی دل جمعی اور تقویت مقصود تھی۔

لڑائی کی ابتدا میں کفار کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم نظر آئی (جیسا کہ وہ درحقیقت تھے بھی کم ہی!) مگر بعد میں جب فرشتوں کا لشکر آ شامل ہوا تو کفار کو مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ نظر آنے لگی اور وہ گھبرا کر دل چھوڑ بیٹھے! اس میں بھی یہی مصلحت تھی کہ پہلے تو وہ مدِ مقابل کو قلیل جان کر خوب تسلی سے لڑائی چھیڑیں اور پھر حواس باختہ ہو جائیں فَسُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ!

لہ کفار و مشرکین کے غیر منقولہ اموال و جائداد محققین کے نزدیک تقسیم غنیمت کے حکم سے مستثنیٰ ہیں، اور وہ امام کی مرضی و رائے پر موقوف ہیں جس طرح مصالحِ اسلام میں چاہے انہیں صرف کرے (امام ابو حنیفہؒ کی رائے بھی یہی ہے) اور اموال و جائداد سے مراد یہاں بزورِ شمشیر مفتوح کفار کے اموال ہیں۔

جمہور کے ہاں تو خمس کے پانچ حصے ہوتے ہیں مگر ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ خمس کے چھ حصے ہوں گے پانچ تو یہی اس آیت میں مذکور ہیں اور چھٹا بھی ان کے نزدیک لِلّٰہ کے لفظ سے نکلتا ہے۔ یہ چھٹا حصہ اللہ کا ہے جو کعبۃ اللہ کی تعمیر و خدمت وغیرہ پر صرف ہوگا۔ جمہور کے نزدیک لِلّٰہ کا لفظ محض تعلیم و تعظیم کے لئے افتتاحِ کلام کے طور پر آیا ہے جیسا کہ شروع سورہ میں فرمایا ہے قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ کیونکہ حقیقت میں تو سب چیزیں اللہ ہی کی ہیں اسے حصہ کی حاجت کیا ہے؟ رہی تعمیر و خدمتِ کعبہ، سو وہ امام اور اہلِ اسلام کا فرض ہے اس کے لئے مالِ غنیمت کے خمس میں سے نکالنا کیا ضرور ہے؟ نیز حضورؐ نے

لہ تفسیر حقانی ج ۴ ص ۱۹۵-۱۹۶

Marfat.com

خیبر کی غنائم کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ لوگو! میرے لئے تو اس میں سے خمس ہے سو وہ بھی الٹ کر تمہیں ہی دے دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خمس میں سے تعمیر کعبہ کے لئے اللہ کا حصہ نکالنا ضروری نہیں۔ ورنہ حضورؐ اس موقع پر اس کا ذکر ضرور فرماتے!

آنحضرتؐ کا حصّہ آپ کے مصارف خانہ داری میں صرف ہوتا تھا اور ذوی القربیٰ کے حصّہ کو آپ اپنے اقارب میں صرف فرماتے تھے۔ یہ حصّہ لینے والے اقارب امام شافعیؒ و امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بنی ہاشم اور بنی المطلب ہیں نہ کہ بنو عبد الشمس اور بنو نوفل۔ اس حصّہ کا باعث یہ ہے کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں اسلام کی مدد کی تھی۔ فقراء، یتامیٰ اور مسافروں میں جمہور کے نزدیک حضور کی قرابت کی شرط نہیں ہے لیکن حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) کے نزدیک ان میں بھی قرابت کی قید ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس کی تقسیم میں علماء کے دو قول ہیں۔ آنحضرت کا حصّہ جمہور کے نزدیک جن میں ابوحنیفہؒ و شافعیؒ بھی ہیں، اسلام کے عام مصارف و ضروریات میں صرف ہوگا کیونکہ بعد از وفات آپؐ کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی چنانچہ اعمش نے ابراہیم نخعیؒ سے روایت کی ہے کہ حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) اس حصّے کو ہتھیاروں کی اور اسباب جہاد کی خرید میں صرف فرماتے تھے (معالم) بعض نے کہا کہ وہ حصّہ بھی باقی چار مصارف میں خرچ کیا جائے گا یعنی ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر۔ اسی طرح حضورؐ کے اقارب کے حصّہ میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک حضورؐ کے بعد بھی آپ کے اقارب کو یہ حصّہ ملے گا، مرد کو عورت سے دگنا۔ امام ابوحنیفہؒ اور باقی علماء کا خیال ہے کہ اقارب کی خبرگیری بھی انسان کے ذاتی حوائج میں داخل ہے۔ جب حضورؐ حوائج بشریہ سے مبرا ہو گئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہو گئے۔ پس ان میں سے غرباء و یتامیٰ کی پرورش بیت المال کے

Marfat.com

ذمہ ہے۔

خمس کے علاوہ باقی چار حصوں کی تقسیم کا ذکر نہیں فرمایا گیا، اس کا ذکر احادیث میں آیا ہے مگر اہل تحقیق کا قول یہ ہے کہ ان چار حصوں کا مجاہدین پر تقسیم کر دینا ضروری نہیں امام کی رائے پر مبنی ہے اگر مصلحت یہی ہو تو تقسیم کیا جائے (سوار کو پیدل سے دگنا) ورنہ مصارف سلطنت اور مصالح عامہ کے لئے اسے بیت المال میں رکھا جائے گا۔ چنانچہ امام مالکؒ اور اکثر مالکیہ کا یہی مسلک ہے۔ اسی طرح مال فئ بھی امام کی رائے پر مفوض ہے جس طرح چاہے مصالح سلطنت اور مصارف عامہ میں خرچ کردے۔ حضورؐ نے چند مرتبہ مال غنیمت مجاہدین میں ضرور تقسیم کیا ہے مگر وہ ضرورت و مصلحت پر مبنی تھا۔ اور حضورؐ کے بعد خلفائے اربعہ بھی مال غنیمت کو مصارف بیت المال میں خرچ کرتے تھے۔ واللہ اعلم

(اوپر امام قتادہؒ کا قول گزر چکا ہے کہ مال غنیمت اور فئ ایک ہی چیز ہے غالباً اس سے ان کی مراد یہی ہے جس کا یہاں تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ یعنی خمس کے بعد بچنے والی غنیمت اور فئ کا حکم ایک ہے! مولف)

کافروں کو جو پہلے پہل مسلمان تھوڑے نظر آئے تو یہ تو واقعہ کے عین مطابق تھا، لیکن شبہ کیا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کو خواب میں اور مسلمانوں کو بوقت مقابلہ میدان جنگ میں جو کافر تھوڑے دکھلائے گئے تو کیا یہ واقعہ کے خلاف اور معاذ اللہ ایک فریب نہ تھا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت نفس الامر یہی تھی کہ کافر تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود تھوڑے ہی تھے کفر چاہے کتنا بھی ہو حقیقت کے اعتبار سے وہ کم مقدار اور تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ رہا یہ کہ حاسہ بصر نے دیکھنے میں غلطی کیسے کھائی؟ سو یہ کوئی عجیب و غریب اور خلاف عادت بات نہیں۔ روزانہ اس قسم کے مشاہدات ہوتے ہیں حاسۂ بصر ایک کے دو اور دو کے ایک دیکھتا ہے۔ اس میں کوئی تعجب نہیں اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت شاہ عبد القادرؒ نے اس امر کی ایک اور ہی توجیہ

Marfat.com

فرمائی ہے وہ یہ کہ کفار کے لشکر میں وہ لوگ جو کفر پر قائم رہنے والے اور اسی پر مرنے والے تھے وہ واقعی تھوڑے تھے باقی کو ایمان کی توفیق ملنے والی تھی۔ پس وہ جو پکے اور اصلی کافر تھے وہی دکھائے گئے اور جن کو ایمان نصیب ہونے والا تھا وہ نظروں سے اوجھل کر دیئے گئے۔ مولف)

[1] جو کچھ محارب کفار سے بطورِ غنیمت ملے تو اس کے پانچویں حصے کے مصارف یہ ہیں: ا۔ اللہ کا حصہ جیسے رضائے الٰہی میں دین کے مصالحِ عامہ میں صرف کیا جائے گا مثلاً دعوت و تبلیغ اسلام، شعائرِ الٰہی کی اقامت، عمارتِ کعبہ اور اس کا لباس وغیرہ۔ ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی اور آپ کی بیویوں کا سال بھر کا خرچ۔ ج۔ نسبی وہ لوگ ہیں جو آپ کے اہلِ قرابت اور خاندان والے ہیں ان کو دیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربیٰ کو بنی ہاشم اور بنی المطلب کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے (ہاشم اور مطلب دونوں بھائی تھے) بشرطیکہ وہ مسلم ہوں۔ اور بنی عبد الشمس اور بنی نوفل کو اس سے خارج فرما دیا گیا ہے۔
د۔ تمام مسلمانوں میں سے محتاج اور فقراء اور انہی کو آیت میں یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل فرمایا گیا ہے۔

ذوی القربیٰ کا حصہ مقرر ہونے کا راز یہ ہے کہ قریش نے جب بنی ہاشم اور مسلمانوں کا مقاطعہ کرنے کا معاہدہ لکھا اور انہیں شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا کیونکہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے تھے، تو شعب میں بنو المطلب بھی ان کے ساتھ داخل ہو گئے اور بنی عبد شمس اور بنی نوفل داخل نہ ہوئے۔ علاوہ ازیں جاہلیت میں (اور اس کے بعد اسلام میں بھی!) بنو امیہ بن عبد شمس کی عداوت بنی ہاشم کے لئے شدید تھی۔ ابو سفیان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کرنا اور لوگوں کو (مشرکین و یہود میں سے) آپ کے خلاف بھڑکاتا رہا حتیٰ کہ فتح کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو غالب کر دیا اور سب

---

[1] تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۲-۲۱، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۹-۰

عرب آپ کا مطیع ہو گیا۔ (بد قسمتی سے یہ عداوت بعد میں کسی نہ کسی طور قائم رہی) واقعات مشہور رہیں)

بارہویں صدی کے مجدد کبیر علامۃ الہند امام ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں خمس کی تقسیم کی حکمتیں نہایت عجیب و غریب عالمانہ انداز میں بیان فرما دی ہیں، تفصیل کے لئے حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کیا جائے۔ بطور اختصار یوں سمجھیئے کہ خمس کی اس طور پر تقسیم کی حکمت یہ ہے: وہ حکومت و سلطنت جو امت کی سیاست کا انتظام کرتی ہے اس کے پاس اتنا مال ہونا ناگزیر ہے جس سے وہ مصالح عامہ کو قائم رکھ سکے مثلاً شعائر دین کا قائم رکھنا اور امت کا دفاع کرنا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ پھر رئیس حکومت کا نفقہ بھی ہونا ضروری ہے اور یہی خمس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے تاکہ آپؐ اسے اپنی ذات اور ازواجؓ پر صرف فرمائیں۔ پھر رئیس حکومت کے شرف و اکرام کی تمثیل کے لئے اس کے قوی ترین عصبہ اور خالص ترین قرابت داروں کا حصہ بھی لازم ہے اور یہی ذوی القربیٰ کا حصہ ہے۔ پھر امت کے ضعفاء اور کمزوروں کی حاجت روائی بھی ضروری ہے اور وہ باقی اس آیت میں بیان کردہ لوگ ہیں۔

معاشروں اور اجتماع کے حالات کے اختلاف کے باوجود اور مصالح عامہ کے مختلف ہونے کے باوجود اس اعتبار کی مہذب دنیا اور حکومتوں میں ہمیشہ رعایت رکھی گئی ہے۔ وہ مال جو مصالح عامہ کے لئے تیار رکھا جاتا ہے اسے ہم آج کل کی مختلف ظاہری اور پوشیدہ خزانوں کے اخراجات کی مانند کہہ سکتے ہیں، بالخصوص جنگی معاملات کے لئے تو مال کا ہونا سخت ضروری ہے۔ اسی طرح گورنمنٹ کے رئیس (بادشاہ یا صدر جمہوریہ) کا وظیفہ بھی ہے۔ اور اس میں سے کچھ تو اس کی ذات سے خاص ہوتا ہے اور کچھ

Marfat.com

اس کے اہل وعیال اور خاندان والوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ اسی طرح حکومت کا میزانیہ (بجٹ) فلاح عامہ کی جماعتوں اور علمی وعملی تنظیموں پر بھی خرچ ہوتا ہے۔

لیکن آج کل کی حکومتیں یتامیٰ ومساکین اور مسافروں کے لئے بجٹ میں کچھ نہیں رکھتیں۔ ہاں بعض حکومتیں انہیں مصالح عامہ کے اوقاف اور عوامی فلاح وبہبود کی تنظیموں کے مال میں سے کچھ حصّہ دیتی ہیں۔ اور حکومتیں ان وقف جائدادوں کو بڑھاتی اور ان کا نفع ان لوگوں پر خرچ کرتی ہیں۔ بعض حکومتیں ایسی بھی ہیں جو صرف بیکار یا ناکارہ مزدوروں کے لئے کچھ امدادی فنڈ قائم کر دیتی ہیں تاکہ حسب ضرورت انہیں وقت پر مناسب طور پر صرف کیا جاسکے۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ اگر خمس کے ساتھ ذوی القربیٰ کی تخصیص محض قرابت کی بنا پر ہوتی تو بنی عبد شمس اور بنی نوفل بھی حضورؐ کے قریبی رشتہ دار تھے انہیں بھی خمس میں سے حصّہ ضرور دیا جاتا۔ لیکن آیت کے حکم کا مدار محض قرابت نہیں بلکہ قرابت مع النصرۃ ہے۔ یعنی ان لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی تھی (بعض نے اسلام کی بنا پر اور بعض نے قرابت ونسب کی وجہ سے) پس اسلام میں چونکہ مساوات اور جمہوریت کا اعتبار حسب ونسب سے زیادہ ہے لہٰذا محض نسبی تعلق کو ذوی القربیٰ کے حصّہ کا سبب نہیں ٹھہرایا گیا۔

علاوہ ازیں حضورؐ کے رشتہ داروں کو چونکہ دینی مصلحت کی بناء پر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ سے محروم رکھا گیا ہے لہٰذا اس کی تلافی لازم تھی جو خمس الخمس سے فرمائی گئی۔ نیز اسلامی حکومت چونکہ شرعاً شوریٰ اور انتخاب سے قائم ہوتی ہے لہٰذا عین ممکن بلکہ واقع ہے کہ صدر حکومت کبھی کسی قبیلہ سے اور کبھی کسی سے منتخب ہو جائے لہٰذا ایک قانون بنا دیا گیا کہ رئیس حکومت چاہے کسی خاندان سے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا حق خمس میں قائم رکھا جائے۔

Marfat.com

اور اکثر فقہاء اسلام پر چونکہ روح مساوات اور روح جمہوریت غالب تھی لہٰذا انہوں نے اوپر بیان کردہ معانی و مصالح کو پیش نظر نہیں رکھا کیونکہ وہ امت کے سیاسی اور عمرانی مقومات میں غور و فکر نہ کرتے تھے اور قومی و ملی حکومتوں پر بحث کرنا ان کے موضوع سے خارج تھا۔ حتیٰ کہ بعض نے حضورؐ کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کے حصہ کے ساقط ہو جانے کا حکم دیا ہے۔ ان فقہاء کے سرخیل امام ابو حنیفہؒ ہیں جو خود فارسی الاصل تھے۔ اور اکثر غالی شیعہ بھی اہلِ فارس سے گزرے ہیں۔ اہل بیت کے دنیوی و دینی امور کو فاسد کرنے والے دراصل یہی غالی فارسی تھے جو نام نہاد محبّ اہل بیت بن کر دین کو فاسد کرتے تھے۔ کیونکہ وہ نہ تو ان ائمہ اہل بیت کے لئے اور دین اسلام کے لئے مخلص نہ تھے بلکہ دراصل یہودی اور فارسی زندیق تھے اور تفریقِ اُمت و تفریقِ کلمۂ عرب ان کا اصل مقصد تھا۔ یہ غالی اب تک خلیفہ عادل و برحق عمر بن الخطاب پر معاذ اللہ لعنت کئے جاتے ہیں حالانکہ یہ عمرؓ ہی تھے جو اہل بیت کو خمس سے بھی زیادہ عطا کرتے تھے اور انہیں اپنی اولاد پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ انہی غالیوں نے اپنی باطنی تعلیمات اور غلو سے دینِ اسلام کو بگاڑنے کی کوشش کی تھی کیونکہ امتِ مسلمہ و عربیہ کے اتحاد کا اصل باعث وہی تھا!

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ کا ارشاد محض بطورِ تبرک افتتاح کلام کے لئے آیا ہے۔ اور خمس کی اضافت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اس لئے فرمائی ہے کہ اسی کے حکم و تشریع سے خمس کو تقسیم کیا جاتا ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ خمس میں خدا کا کوئی الگ حصہ بھی ہے کیونکہ یوں تو ساری کائنات ہی خدا کی ہے۔ حسن بصریؒ، قتادہؒ، عطاؒ، اور ابراہیم نخعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کا لفظ تعظیم کے لئے بیان ہوا ہے۔ ورنہ اصل میں خدا و رسول کا حصہ ایک ہی ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ؛

Marfat.com

بیّنہ کا معنی ہے ظاہر و باہر حجّت و دلیل۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر کا معرکہ اپنی قدرتِ کاملہ سے اس لئے قائم فرما دیا تھا کہ کافروں میں سے جو ہلاک ہوں وہ اسلام کی صداقت اور خدا کے وعدۂ نصرت و فتح کی سچائی کو آنکھوں سے دیکھ کر علی وجہ البصیرت ہلاک ہوں، ان کے شکوک و شبہات کی نفی ہو جائے اور خدا کے ہاں دعوتِ اسلام کو قبول نہ کرنے کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اسی طرح جو مسلمان زندہ رہیں وہ بھی صداقتِ اسلام اور حجتِ حق کو آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان کا یقین و ایمان پہلے سے بھی بڑھ جائے۔ تاکہ اعمال میں پہلے سے زیادہ چست و چالاک ہو جائیں۔

الغرض غزوۂ بدر کے ذریعہ سے خدا کی حجّت قائم ہو گئی ہے اور مومنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔ اسی طرح کافروں پر بھی خدا کی حجّت تمام ہو گئی ہے وہ مخذول اور شکست خوردہ ہو گئے ہیں اور پیغمبر کے کئے ہوئے وعدے باوجود ظاہری اسباب و حالات کی مخالفت کے پورے ہو گئے۔

لہ اوپر کی آیات میں اسلامی جہاد کی غائت و مقصد یوں بیان فرمایا گیا ہے حَتّٰی لَا تَکُونَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُونَ الدِّینُ لِلّٰہِ اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد محض اللہ کے لئے ہے اور اس کی غایات و مقاصد دعوتِ دین اور اسلام کے ایک نظامِ حیات ہونے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس سے پہلے ابتداءِ سورہ میں گزر چکا ہے کہ جہاد کے نتیجہ میں مادی لحاظ سے جو انفال مسلمانوں کی ملکیت میں آتے ہیں وہ خدا و رسول کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں مجاہدوں کو ان سے بالکل الگ اور مجرّد کر دیا تھا تاکہ ان کی نیتیں اور تحریک خالص خدا کے لئے ہو جائے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن انسانوں کو دنیا کی عملی زندگی میں پیش آنے والے منازلات سے

لہ فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۶-۲۴

Marfat.com

تعرض کرنا ہے کیونکہ بہرحال اس زندگی میں تو ان مادّی و عملی احکام سے واسطہ پڑنا ناگزیر ہے۔ اور یہ ایک عملی حقیقت ہے جس سے کہ صرف نظر کرنا ممکن نہیں کہ مالِ غنیمت بھی ہاتھ آنا ہی تھا اور مجاہدین لاکھ مخلص، بے لوث اور بے غرض سہی آخر وہ انسان ہی تو ہیں! راہِ خدا میں لڑنے والے اپنی جانوں اور مالوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، رضا کارانہ اور طوع و رغبت سے اپنا سب کچھ دے ڈالتے ہیں۔ اپنا خرچ بھی برداشت کرتے ہیں اور نادار مجاہدین کا خرچ بھی اپنے ذمّہ لیتے ہیں۔ پھر میدانِ جنگ سے انہیں مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے جو ان کے صبر و ثبات اور جہاد میں شجاعت و ثابت قدمی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پس اوّل اوّل تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نفوس و قلوب کو اس شائبہ سے بالکل پاک و صاف کر دیا کہ ان میں غنائم کے بارے میں کوئی چیز کھٹکے اور نہ غنائم میں سے انہیں ان کا حصّہ دیا جائے کیونکہ اب وہ سمجھ رہے تھے کہ انہیں خدا و رسولؐ عطا فرما رہے ہیں۔ سو اس میں کوئی حرج نہ رہا کہ اس عطاء سے ان کی واقعاتی اور عملی زندگی میں ان کی حاجت روائی ہو جائے، ان کی بشری احساسات میں بھی سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور ان غنائم پر گر پڑنے، انہیں اصل مقصد بنا لینے اور ان کی خاطر باہم اختلاف و تنازع سے بھی بچ جائیں۔

اسلام ایک خدائی نظام ہے جو انسانی طبیعت کو خوب جانتا ہے اور انسانوں سے ایک متوازن و متناسب معاملہ کرتا ہے جو حقیقی و واقعاتی ضروریات کو بھی پورا کر دیتا ہے اور انسانی احساسات و مشاعر کا بھی پورا لحاظ رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ضمائر کے فساد اور معاشرے کے بگاڑ سے بھی بچا دیتا ہے جو ان غنائم کی وجہ سے واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔

حدیثی روایات اور فقہی آراء میں اس بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے کہ:

(۱) آیا غنائم و انفال ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا یہ الگ الگ چیزیں ہیں؟

Marfat.com

(۲) غنیمت کے چار خمس (۴/۵) مجاہدین کو دینے کے بعد جو خُمس (۱/۵) رہتا ہے اس کی تقسیم کیسے ہوگی ؟

(۳) خمس الخمس (۱/۲۵) کیا وہ مستقلاً خدا کا ہے جس پر لِلّٰہ کا لفظ آیا ہے یا خدا اور رسول کا حصّہ ایک ہی ہے اور لِلّٰہ کا لفظ محض بطورِ تعظیم و تبرّک آیا ہے ؟

(۴) حضور کا خمس الخمس (۱/۲۵) آیا آپ کی ذات پاک سے ہی مخصوص تھا یا آپ کے بعد ہر امام وقت کی طرف منتقل ہوتا رہے گا ؟

(۵) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا خمس الخمس (۱/۲۵) حضور کی زندگی تک ہی تھا یا آپؐ کی وفات شریف کے بعد بھی بنو ہاشم اور بنو المطلب کا حصہ باقی ہے ؟ اگر صرف آپؐ کی زندگی تک ہی یہ حصہ تھا تو کیا اب یہ ائمہ کے سپرد ہے کہ اس میں تصرف کریں یا کیا صورت ہے ؟

(۶) خمس میں جو مصارف بتائے گئے ہیں کیا یہ لازم اور محدود ہیں کہ خمس کو بہر حال انہی مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے یا امام وقت یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں ؟

ان چھ اصولی مسائل کے علاوہ کچھ فرعی مسائل بھی ہیں جن میں اختلاف ہوا ہے ہم اس کتاب میں اپنے مقرر شدہ قاعدے کے مطابق ان فقہی تفریعات میں الجھنا نہیں چاہتے۔ ان فرعیات کو ان کے اصل فقہی مباحث میں دیکھنا چاہیئے تفسیر قرآن ان کا موضوع نہیں ہے۔ اور پھر اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ غنائم کا موضوع سارے کا سارا آج ہماری واقعی اور عملی زندگی میں ہمیں درپیش نہیں ہے۔ آج ہم کسی واقع ہونے والے معاملے سے دو چار نہیں ہیں نہ یہاں کوئی مسلم حکومت، مسلم امارت یا اُمتِ مسلمہ موجود ہے جو فی سبیل اللہ جہاد کر رہی ہو، اُسے مالِ غنیمت حاصل ہوا ہو اور وہ اس کا فیصلہ کرنے کی محتاج ہو تاکہ مالِ غنیمت میں تصرف کرے ! آج تو حالت یہ ہے کہ زمانہ ہر پھر کر اسی مقام

Marfat.com

پر آ پہنچا ہے جہاں اس زمانے میں تھا جب کہ یہ دینِ حق دنیا میں آیا تھا۔ لوگوں نے اسی جاہلیت کی طرف رجوع کر لیا ہے جس سے انہیں اسلام نے نکالا تھا۔ انہوں نے خدا کے ساتھ دوسرے ارباب کو شریک ٹھہرا لیا ہے جو انسانی قوانین کے ساتھ ان کی زندگی میں تصرّف کرتے ہیں۔ اب یہ دین بالکل اپنی پہلی ابتدائی حالت کو آ پہنچا ہے اور ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو از سرِ نو اپنی طرف پکارے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی دعوت نئے سرے سے دے۔ اور اس طرف لوگوں کو پکارے کہ اللہ سبحانہٗ کو الوہیّت، حاکمیّت اور اقتدار و سلطنت میں منفرد و واحد گردانیں۔ اور اس سلسلے کی ہر ہدایت کو صرف محمدؐ رسول اللہ سے اخذ کریں۔ ایک مسلم قیادت کے جھنڈے تلے جمع ہوں تا کہ انسانی زندگی میں اس دین کو از سرِ نو داخل کیا جائے۔ مسلم کی موالات پوری کی پوری صرف اس اجتماع اور اس مسلم قیادت سے ہو اور وہ ہر جاہلی اجتماع اور اس کی قیادت سے اپنی موالات کو بالکل منقطع کر لے۔

آج اس دین کو فی الواقع جو قضیّہ درپیش ہے وہ یہ اور فقط یہ ہے، اس ابتدائی مرحلے میں کوئی اور سوال درپیش نہیں ہے۔ نہ کوئی غنیمت و انفال کا قضیہ ہے نہ قتال و جہاد کا۔ بلکہ صحیح تر الفاظ میں آج امت کے سامنے ایک تنظیمی قضیّہ ہی سرے سے موجود نہیں، نہ خارجی معاملات میں نہ داخلی تعلقات میں۔ اور اس کا سبب صرف ایک ہی کھلا اور واضح سبب ہے: کہ یہاں کوئی مستقل وجود کے لحاظ سے قائم شدہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی اجتماع ہی نہیں ہے جو اپنے اندر بھی اور دوسرے معاشروں کے ساتھ بھی تعلقات و معاملات کو طے کرنے کا محتاج ہو!

دینِ اسلام کا طریقہ واقعی اور عملی طریقہ ہے، جو معاملات بالفعل قائم نہیں ہیں وہ ان میں مشغول نہیں ہوتا نہ اُن معاملات کے احکام سے تعرض کرتا ہے جن کا واقعاتی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ ان احکام میں مشغول ہونے کا اس کے

Marfat.com

پاس وقت اور فرصت ہی نہیں۔ غیر واقعاتی اور فرضی معاملات میں مشغول ہونا ان بے کار لوگوں کا کام ہے جو فراغت کے اوقات کو نظری بحثوں اور فقہی احکام میں صرف کرتے ہیں، حالانکہ واقعات اور عمل کی دنیا میں ان بحوث و احکام کا کچھ فائدہ یا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس کی بجائے انہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ اپنے اوقات اور کوششوں کو ایک اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں صرف کرتے، جیساکہ اس دین کی تحریکی فطرت کا یہی تقاضا بھی ہے۔ کہ اس تحریک کے کام کو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دعوت سے شروع کیا جائے اس کا نتیجہ یہ ہو کہ از سرِ نو ایک جدید جماعت اس دین میں داخل ہو، جس طرح کہ پہلی مرتبہ جب یہ دین قائم ہوا تھا تو لوگ اس میں داخل ہوئے تھے۔ اس نئے سرے سے دین میں داخل ہونے سے ایک اجتماعی تحریک برپا ہو گی جس کی اپنی ایک مسلم قیادت ہو گی، ایک خاص "معاملات" ہو گی۔ وہ قیادت جاہلیت کی قیادتوں سے ہر لحاظ سے ممتاز اور اپنے وجود میں مستقل ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس قیادت اور اس کی قوم کے درمیان حق سے فیصلہ فرمائے گا۔ وہی اور فقط وہی وقت ہو گا جب کہ اس قیادت اور اس جماعت کو ان احکام کی ضرورت پڑے گی جن سے وہ خود اپنے اندر تعلقات کی تنظیم کرے اور باہر والے لوگوں سے بھی تعلقات کو ان احکام پر استوار کرے۔ پھر اس وقت — اور صرف اسی وقت — ضرورت ہو گی کہ مجتہدین اجتہاد کر کے دینی نصوص سے وہ احکام نکالیں جو پیش آمدہ مسائل و قضایاء کا مقابلہ کر سکیں، داخلی احکام بھی اور خارجی احکام بھی! صرف اسی وقت اس اجتہاد کی کوئی قیمت ہو گی کیونکہ وہ اس اجتہاد کا وقت مناسب ہو گا اور عملی وواقعاتی زندگی میں اس کا مقام ہو گا۔

یہی باعث ہے کہ ہم یہاں انفال و غنائم کے فقہی مسائل کو زیر بحث نہیں لانا چاہیئے۔ جب اس کا مناسب وقت آئے تو اللہ خود اس کا انتظام فرما دے گا۔ پہلے ایک اسلامی جماعت برپا ہونا لازم ہے۔ وہ جدّ و جہد کے لئے

Marfat.com

ایک مسلم قیادت قائم کرے گی۔ پھر فعلی و عملی جہاد ہو گا، غنائم و انفال حاصل ہوں گے تو پھر ان کے احکام کی تفصیل کی ضرورت پڑے گی۔ یہاں ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ اسلامی تاریخ کی تحریکی روشنی میں اصل ایمانی کا اتباع کریں اور قرآن کے تربیتی نظام کو پیش کریں تو یہی وہ عنصر ثابت ہے جو زمانے کے انقلابات سے متاثر نہیں ہوتا باقی ہر چیز اس پر مبنی اور اس کے تابع ہے۔

پس وہ عام حکم جیسے یہ نصِّ قرآنی متضمن ہے: وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ الخ وہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت کے چار خمس $\frac{4}{5}$ قتال کرنے والوں کو دیئے جائیں گے اور ایک خمس باقی رہ جائے گا جس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد ائمۂ امت تصرف کریں گے جو خدا کی شرع اور جہاد پر قائم ہوں گے۔ اس کے مصارف یہ ہوں گے:

(۱) خدا و رسولؐ کا حصّہ

(۲) ذوی القربیٰ کا حصّہ

(۳) یتامیٰ کا حصّہ

(۴) مساکین کا حصّہ

(۵) مسافروں کا حصّہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان مصارف میں سے مالِ غنیمت کے وجود کے وقت جو پائے جائیں گے حاجت و ضرورت اور مصلحتِ امت کے مطابق ان میں خمس کو خرچ کیا جائے گا۔

اس آیت کے آخری حصّہ میں: اِنْ کُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰہِ الخ ایک دائمی توجیہ بیان فرمائی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ایمان کی کچھ علامات ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل بدر کے اعترافِ ایمان کو (حالانکہ وہ اہل بدر ہیں جن کے بے شمار فضائل و مناقب وارد ہیں) اس بات پر معلق فرمایا ہے کہ وہ غنائم کے باب میں خدا کے حکم و فیصلہ کو قبول فرمائیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو وہ واقعی خدا و رسولؐ

Marfat.com

اور کتاب پر ایمان لانے والے ٹھہریں گے۔ ان کے اعلان ایمان کا ثبوت ان کا یہی قبول و اعتراف اور خدا اور رسولؐ کے احکام کے سامنے جھکنا ہے۔

قرآن نے ایمان کے مدلول کو ہمیشہ واضح اور جازم طور پر بیان فرمایا ہے جس میں کوئی تاویل نہیں چلتی۔ جب نئے نئے فرقے نکل آئے، بدعات اٹھ کھڑی ہوئیں اور تاویلات کا زور شور ہو گیا تو قرآن کا یہ سادہ، واضح اور صاف، مدلول نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ لوگ بحث و جدل اور ذہنی و منطقی فرضی صورتوں میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح مذہبی اور سیاسی فرقوں کے باعث لوگ اتہامات اور دفع اتہامات میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت کسی کو کفر کا الزام دینا یا اس الزام کا جواب دینا اس دین کے واضح اور بسیط اصول پر قائم نہ رہ سکا۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ چیز خود غرضی، ہوا پرستی، اور مخالفین کے خلاف تدبیر و سازش بن کر رہ گئی۔ اس وقت یہ مصیبت آپڑی کہ فرعی امور کی وجہ سے مخالفین پر کفر کا الزام دیا جانے لگا۔ پھر اس کا جواب دینے میں اس سے بھی زیادہ تشدد کا ثبوت دیا گیا اور کفر کا الزام دینے والوں پر تغلیظ کی گئی۔ یہ الزام، جواب اور جواب الجواب دراصل غلو تھا جس کا سبب تاریخی ملابسات تھے۔ جہاں تک دین خدا کا تعلق ہے وہ بالکل واضح اور جازم ہے اس میں کوئی مداہنت، جانبداری یا غلو نہیں ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ایمان صرف آرزو اور تمنا کا نام نہیں بلکہ وہ تو دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور عمل اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اس ایمان کے قیام کے لئے ناگزیر ہے کہ شرع خداوندی کو قبول کیا جائے اور زندگی میں اسے عملاً ثابت کیا جائے۔ اور کفر نام ہے خدا کے حکم و فیصلے اور قانون کو پھینک دینے کا، اور اس کی نازل کردہ کتاب کے سوا کسی اور طرح سے فیصلہ کرنا یا کرانا، خدا کی شرع کے سوا دوسری چیزوں سے فیصلہ چاہنا چاہے کسی چھوٹے امر میں ہو یا بڑے معاملے میں۔ یہ احکام بالکل واضح، صریح، جازم اور سادہ ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ خلافات اور تاویلات کی قسم سے ہے!

Marfat.com

یہی باعث تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے سورت میں غنیمت و نفل کی ملکیت کو ان سے چھین لیا جو واقعۃً میدانِ معرکہ میں اسے جمع کرتے ہیں۔ اور اُسے خدا و رسولؐ کی طرف لوٹا دیا۔ تاکہ یہ معاملہ خالص خدا و رسولؐ کا ہو جائے اور جہاد کرنے والے مادّی اغراض اور زمینی ملابسات سے بالکل مجرّد ہو جائیں۔ اور اول سے آخر تک اپنا معاملہ خدا و رسول کے سپرد کر دیں — خدا جو ان کا رب اور رسولؐ جو ان کا قائد ہے! — اور وہ معرکہ میں اللہ کے لئے اور اللہ کی راہ میں، اللہ کے جھنڈے تلے اسی کی اطاعت میں گھسیں۔ وہ خدا کو اپنی ارواح پر، اپنے اموال میں اور اپنی ہر چیز میں "حاکم" مان لیں۔ پھر اس پر کوئی تعاقب و اعتراض نہ ہو۔ یہی ایمان ہے اور اسی کا اعلان اس سورت کے مطلع میں فرمایا گیا ہے۔

حتیٰ کہ جب انہوں نے امرِ خداوندی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کے حکم و فیصلہ کو دل سے پسند کر لیا تو ایمان کا مدلول ان میں ثابت و قائم ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے دوبارہ غنائم کے حکم کی طرف توجہ فرمائی تاکہ غنیمت کا ۴/۵ انہی پر لوٹا دے اور ۱/۵ اصل پر باقی رکھے جو خدا و رسولؐ کا ہو، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسمیں تصرف فرمائیں اور اس میں سے ان لوگوں پر صرف فرمائیں جماعت مسلمہ میں آپکی ذمہ داری اور کفالت میں ہوں (یعنی قرابت دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافر۔ یہ ۴/۵ حصہ انہیں اس وقت دیا گیا جب کہ ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ غزوہ اور فتح کے باعث وہ ابتدائی طور پر اس کے مالک نہیں بن جاتے کیونکہ وہ تو خدا کے لئے لڑتے اور اس کے دین کے لئے فتح حاصل کرتے ہیں۔ وہ اس کے مستحق اس لئے ہوتے ہیں کہ اللہ نے وہ انہیں عطا کر دیا ہے، جیسا کہ نصرت و فتح بھی اسی نے دی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ یہی "استسلام" دوسرے لفظوں میں ایمان ہے، ایمان کی شرط ہے اور اس کا مقتضیٰ ہے۔

پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "عبدنا"

Marfat.com

کا لفظ بولا ہے۔ یہ وصف بتاتا ہے کہ ایمان کی حقیقت اس کی بندگی و عبودیت ہے۔ بندگی کا مقام انسان کا اعلیٰ ترین مقام ہے جس پر خدا کی تکریم سے فائز ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ یہاں مقام مدح میں بولا گیا ہے جب کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا نمائندہ اور اس کی طرف سے احکام کی تبلیغ کرنے والا ٹھہرایا گیا ہے اور عطاءِ الٰہی میں تصرف کرنے والا بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ انسان کی عملی اور واقعی زندگی میں بھی یہ اعلیٰ ترین مقام ہے جس پر کوئی انسان فائز ہو سکے۔

• اکیلے خدا کی بندگی ہوائے نفس کی بندگی سے، دوسرے بندوں کی بندگی سے اور ہر غیر اللہ کی بندگی سے بچاتی ہے۔ بندہ اپنے اعلیٰ ترین مقدر مقام پر اسی وقت فائز ہوتا ہے جب کہ وہ ہوائے نفس اور غیر اللہ کی بندگی سے اپنے آپ کو بچا لے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

جو لوگ اللہ وحدہٗ کا بندہ بننے سے گریز کرتے ہیں وہ فوراً دوسری گھٹیا ترین بندگیوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ وہ اپنی ہوائے نفس اور شہوات کی بندگی میں گر جاتے ہیں۔ اپنا وہ ارادہ جو انسان پر کنٹرول کرنے والا ہے اور جس کی وجہ سے نوعِ انسانی کو امتیاز بخشا گیا ہے اسے گم کر بیٹھتے ہیں۔ وہ حیوانات کے مقام پر بلکہ اس سے بھی نیچے اتر جاتے ہیں۔ وہ چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں "احسن تقویم" میں پیدا فرمایا تھا اور وہ اسفل سافلین میں گر جاتے ہیں۔

اسی طرح یہ لوگ دوسری بدترین اور رذیل ترین بندگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے جیسے بندوں کے بندے بن جاتے ہیں، ان کی خواہشات کے مطابق اپنی زندگی کو صرف کرتے ہیں، ان کے نظریات اور نظاموں کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ یہ نظریات اور نظام "کبر"، جہالت، نفس اور ہوائے نفس سے

Marfat.com

پُر ہیں۔

وہ کچھ لوگوں کی خودساختہ حتمیات و یقینیات کے غلام بن جاتے ہیں۔ انہیں بتایا جاتا ہے کہ یہ ناگزیر ہیں اور ان کے سامنے سربسجود ہونا لازم ہے مثلاً حتمیت معاش و اقتصاد اور ترقی و تہذیب کی حتمیت وغیرہ جو انسان کی پیشانی کو زبردستی پکڑ کر مٹی میں رگڑ دیتی ہیں اور وہ اسے اٹھانے کی ہمت تک نہیں رکھتا نہ مخالفت کی جرأت کر سکتا ہے۔ یہ خوفناک جدید حتمیات و یقینیات ہیں جو جبر و قہر سے انسان کو ذلیل کر دیتی اور اسے ذلیل ترین غلامی اور بندگی میں مبتلا کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے معرکۂ بدر کو یوم الفرقان فرمایا ہے۔ مفسرین نے اجمالاً اسے حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کرنے والا بتایا ہے ہم ذرا اس کی تشریح و تفصیل کریں گے:

معرکۂ بدر میں عملاً حق و باطل میں جو فرق و امتیاز ہوا تھا اس سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و اقتدار اور تدبیر و تقدیر کا برحق ہونا واضح ہو گیا تھا۔ یہی وہ حق ہے جس پہ ساری کائنات کا نظام قائم ہے۔ اسی پہ ہر ذی روح چیز اور ہر موجود چیز کی فطرت قائم ہے۔ اس حق سے مراد یہ ہے کہ زمین و آسمان میں اور تمام زندہ و موجود اشیاء میں صرف اسی ایک خدا کی الوہیت و اقتدار برحق ہے اور اسی کے لئے عبودیت روا ہے۔ اس کے سوا ہر کوئی اس کا عبد ہے۔ الوہیت و اقتدار اور تدبیر و تقدیر میں نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ کوئی اسے چیلنج کر سکنے والا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں جو کھوٹا باطل چھایا ہوا تھا وہ جھوٹ کا تانا بانا تھا۔ طاغوت جو زمین میں انسان کی حیات میں تصرف کرنے کا حق لے کر اپنی خواہشات اور اہواء کے مطابق خدا کے حق الوہیت پر تصرف جمائے بیٹھے تھے اور انسانوں کی زندگی سے کھیل رہے تھے، وہ سراسر باطل پر تھے۔ بدر کے دن یہ حق حقدار کو پہنچا اور اس طرح حق و باطل میں واضح امتیاز ہو گیا۔

Marfat.com

اس دن انسانی ضمیر غیر اللہ کی جھوٹی بندگی سے آزاد ہوا۔ خدا کی مطلق وحدانیت اپنے تمام شعبوں سمیت انسانی شعور و ضمیر میں اجاگر ہوئی۔ وہ اخلاق و اعمالِ حیات میں جلوہ گر ہوئی، عبادت و عبودیت میں ظاہر و باہر ہوئی۔ اور اس صحیح توحید اور شرک میں امتیاز ہو گیا شرک ضمیر کی غیر اللہ کے لیئے بندگی پر بھی حاوی و مشتمل ہے، خدا کے سوا اشخاص، اہواء، اوضاع و تقالید اور عادات پر بھی محیط ہے۔ اس دن یہ شرک اپنی تمام صورتوں میں خائب و خاسر ہوا اور توحید کامل جلوہ گر ہوئی۔

نہ صرف انسانی ضمیر میں یہ فرق و امتیاز ہوا، بلکہ انسان کی عملی اور واقعی زندگی میں بھی اس کا ظہور و اعلان ہوا۔ لوگوں کی زندگیاں اپنے جیسے بندوں کے استبداد اور ان کی اہواء و آراء سے آزاد ہوئیں۔ ان زندگیوں میں سے غیر اللہ کے ساختہ و پرداختہ شرائع و قوانین اور اوضاع و اطوار خارج ہوئے، اندھی تقلید اور جاہلی عادات کا قلع قمع ہوا۔ انسانی زندگی عملاً کامل طور پر ایک خدا کے قانون کے تابع ہوئی۔ حاکمیت و اقتدار عملاً صرف اللہ کا قائم ہوا۔ انسانی گردنیں جو چودھریوں، پجاریوں، برہمنوں، مہنتوں، بادشاہوں اور مستبد حاکموں کے سامنے جھکا کرتی تھیں انہیں خاکِ مذلت سے اٹھایا گیا اور یہ سبق دیا گیا کہ مخلوق کی گردن صرف خالق کے سامنے جھک سکتی ہے، انسان کی پیشانی کا سجدہ صرف خدا کے لئے خاص ہے۔ کسی طاغی و باغی اور سرکش و جابر کا حق نہیں کہ وہ اس محترم پیشانی کو اپنے سامنے جھکانے کا جتن کرے۔

جنگِ بدر اسلامی تحریک کے دو دوروں کا نقطۂ امتیاز بھی تھا۔ پہلا دور صبر و مصابرہ اور جماعت بندی و انتظار کا دور تھا جو اب ختم ہو گیا اور یہ تحریک قوت و حرکت اور اقدام و مدافعت کے جدید دور میں داخل ہو گئی۔ اسلام اپنی فطرت و وصف کے لحاظ سے ہی زندگی کا ایک جدید تصور تھا۔ وہ انسانی وجود کے لیئے ایک نیا نظام تھا۔ وہ انسانی معاشرہ و اجتماع

Marfat.com

کے لئے ایک نیا نظام تھا۔ اس کی جدید دعوت یہ تھی کہ خدا کی زمین میں صرف خدا کی الوہیت و حاکمیت کو قائم کر کے انسان کو غیر اللہ کی غلامی سے نجات دلائی جائے، اور جو "طاغوت" خدا کے اس حق الوہیت و حاکمیت پر غاصبانہ قبضہ جمائے بیٹھے ہیں انہیں پرے دھکیل دیا جائے۔ اس لحاظ سے اسلام کو اپنی فطرت و وصف کے اعتبار سے قوت، حرکت اور اقدام و مدافعت کے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے لازم تھا کہ راستے میں جو مادی رکاوٹیں کھڑی تھیں انہیں ہٹا دیا جائے۔ صرف اسی صورت میں یہ ممکن تھا کہ پہلے تو مسلمانوں کی زندگی میں اور پھر سارے عالم بشریت کی حیات میں خدا کی الوہیت و حاکمیت اور سلطان و اقتدار کو قائم و ثابت کیا جائے۔ چنانچہ غزوۂ بدر نے اسلام کو اس دوسرے دور میں داخل کر کے یہ موقع بہم پہنچا دیا۔ اس لحاظ سے بھی غزوۂ بدر یوم الفرقان تھا۔

معرکۂ بدر انسانی تاریخ کے دو عہدوں کے درمیان بھی نقطۂ فرق و امتیاز تھا۔ اس نے انسانی تاریخ میں وہ عظیم انقلاب پیدا کیا کہ بدر سے قبل اور بعد کی حالتوں میں واضح اور کھلا امتیاز ہے۔ یہ جدید اسلامی نظام جو اس جدید تصور سے پھوٹا، اور یہ جدید تصور جو اس نئے نظام سے پیدا ہوا، یہ جدید معاشرہ جو انسان کی ایک نئی "پیدائش" کو پیش کرتا ہے، یہ اوضاع و اخلاقی اقدار جن پر ساری زندگی، نظام اجتماعی اور تشریعی قوانین کا دارو مدار ہے، یہ سب کچھ غزوۂ بدر سے لے کر آج کے دن تک صرف اہل اسلام کے قبضہ میں رہا ہے۔ اس میں سے بعض چیزیں کبھی کبھی ساری انسانیت کو متاثر و متاثر کرتی رہی ہیں، لیکن یہ تاثیر و تاثر دارالاسلام کے اندر و باہر اسلام کی دوستی یا دشمنی سے پیدا ہو رہا ہے۔ صلیبی عیسائی جو مغرب سے اسلام پر اسے مٹا دینے کے لئے حملہ آور ہوئے تھے وہ بھی

Marfat.com

اس اسلامی معاشرے کی تقالید و عادات سے متأثر ہوئے۔ اور جب وہ اپنے علاقوں کو واپس لوٹے تو اپنے ہاں کے جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنے کا عزم صمیم لے کر لوٹے۔ وہ نظامِ اسلامی کی باقی ماندہ برکات سے شدید متاثر ہو چکے تھے۔ مشرق سے تاتاری اسلام کو بیخ و بن سے ڈھانے اور اس کے نظام کو منتشر کر دینے کا عزم لے کر ابھرے، وہ سب کچھ دارالاسلام کے اندر رہنے والے یہود اور صلیبیوں کے اشارۂ چشم و ابرو پر کر رہے تھے، مگر آخر کار وہ بھی عقیدہ اسلامیہ کے اثر تلے آ گئے۔ اب وہ اس عقیدہ کو لے کر نئے سرے سے زمین کے اطراف میں پھیلانے کو نکل کھڑے ہوئے:

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے!

انہوں نے اس عقیدہ پر ایک خلافت کی بنیاد رکھی جو پندرھویں صدی سے لے کر بیسویں صدی عیسوی تک یورپ کے قلب میں جاگزیں رہی۔ غرض جنگ بدر سے لے کر اب تک دنیا اس فرق و امتیاز سے متأثر رہی ہے جو اس جنگ نے قائم کیا تھا۔

جنگِ بدر فتح و شکست کے عوامل و اسباب کے درمیان بھی وجہ امتیاز بنی۔
جب یہ جنگ قائم ہوئی تو فتح کے ظاہری اسباب سب مشرکوں کی صف میں تھے اور شکست کے تمام ظاہری اسباب مسلم جماعت میں ہویدا تھے۔ حتیٰ کہ بعض منافقوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ: "ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے"! اللہ کا ارادہ تھا کہ یہ معرکہ اسی طرح پر قائم ہو — اور وہ مشرکوں کی کثرت اور مومنوں کی قلت کے درمیان پہلا معرکہ تھا — تاکہ فتح و شکست کے اسباب و عوامل کے دو تصورات کے درمیان فرق و امتیاز کا باعث بن جائے۔ اور تاکہ قوی عقیدہ عددی کثرت پر فتح پائے اور بے سروسامانی کو ساز و سامان کی بے پناہ کثرت پر غلبہ حاصل ہو۔ اس طرح لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ فتح کا دارو مدار ایک مضبوط صالح عقیدہ پر ہے محض

Marfat.com

اسلحہ اور ساز و سامان پر نہیں۔ اور برحق عقیدہ والوں کو پتہ چل جائے کہ باطل کے ساتھ معرکہ میں اس انتظار کے بغیر گھس جانا ان کا فرض ہے کہ ظاہری مادی قوت مساوی ہو تو پھر لڑیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق والوں کے پاس ان کا پلڑا جھکا دینے والی ایک اور قوت موجود ہے جس سے باطل پرست محروم ہیں۔ جنگ بدر نے ثابت کر دیا کہ یہ محض منہ کی باتیں نہیں بلکہ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے:

جنگ بدر ایک اور لحاظ سے بھی حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کا موجب تھی، جس کی طرف اوائل سورت میں اس ارشادِ الٰہی نے اشارہ فرمایا ہے: "جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو فریقوں میں سے ایک تمہیں ضرور دیا جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ وہ فریق تمہیں ملے جو شوکت والا نہ ہو۔ مگر اللہ چاہتا تھا کہ اپنے وعدوں سے حق کو حق ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دے اگرچہ مجرم اس کو ناپسند ہی کریں!"

مسلمان مدینہ سے صرف ابوسفیان کے قافلہ کی نیت سے آئے تھے، ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مشرکین کے مسلح اور منظم لشکر سے ان کی مڈبھیڑ ہو گی۔ مگر اللہ کچھ اور چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ابوسفیان کا قافلہ (جو شوکت والا نہ تھا!) بچ کر نکل جائے اور مسلمانوں کا تصادم ابوجہل کے مسلح امدادی لشکر سے ہو جائے، قتال اور قتل و گرفتاری کے واقعات پیش آئیں صرف قافلہ اور غنیمت کا معاملہ نہ رہ جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دینا چاہتا ہے۔

اس ارشادِ الٰہی میں ایک بہت بڑی حقیقت کا اظہار تھا۔ وہ یہ کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا انسانی معاشرے میں محض ان کے "نظری بیان" سے نہیں ہو سکتا، نہ محض اس نظری اعتقاد سے ایسا ہو سکتا ہے

کہ یہ حق ہے اور یہ باطل ہے حق کا حق ہونا واقعات کی دنیا میں ممکن نہیں نہ باطل لوگوں کی دنیا سے مٹ سکتا ہے جب تک کہ حق عملاً اور واقعۃً غالب نہ آجائے اور باطل کا اقتدار و تسلط تہس نہس ہو کر مٹ نہ جائے۔ اس کی فقط ایک ہی صورت ممکن ہے۔ وہ یہ کہ حق والوں کا لشکر غالب اور مظفر و منصور ہو جائے اور باطل والوں کو فوجی ہزیمت و شکست کا سامنا کرنا پڑے۔ دین اسلام ایک زندہ و متحرک دین ہے صرف معرفت و جدل کا ایک "نظریہ" یا ایک "سلبی عقیدہ" ہی نہیں۔

پس یوم بدر اس واقعاتی و عملی حیثیت سے "یوم الفرقان" تھا کہ اس نے حق کو بے سر و سامانی کے باوجود عملاً حق ثابت کر دیا اور باطل کو پورے اسلحہ اور ساز و سامان کے باوجود پیس کر رکھ دیا۔ یہی وہ حق تھا جس کو ثابت و واقع کرنے کے لئے اللہ نے اپنے رسول کو مدینہ سے باہر نکالا تھا: کَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ الخ

یوم بدر کے فرقان کو ان تمام مذکورہ حیثیتوں سے آج از سر نو سمجھنے کی ضرورت ہے، تاکہ دین حنیف کا چہرہ باطل کے گرد و غبار سے دھل کر مسلمانوں کے سامنے واضح ہو جائے اور اس کی فطرت و طبیعت پر کسی قسم کی غلط فہمی یا بدفہمی کا شائبہ باقی نہ رہ جائے۔

اگلی آیتوں میں "یوم الفرقان" کے واقعات کی تصویر کھینچی گئی ہے جس سے سارے مشاہد و مواقف واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں گویا کہ وہ ہمارے سامنے گزر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ان واقعات و حوادث کے پیچھے کام کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہیں۔ خدا کا پوشیدہ دستِ قدرت اپنے تصرفات کے پردے میں صاف محسوس ہو رہا ہے۔ اس پوشیدہ قوی ہاتھ نے ایک فریق کو ادھر اور دوسرے کو ادھر کھڑا کر دیا ہے۔ درآنحالیکہ

Marfat.com

تجارتی قافلہ دور نکل گیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دوران میں جو خواب دکھائی دیتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس خفیہ تدبیر الٰہی کو واضح کر دیا ہے۔ دونوں فریقوں کو اپنا مد مقابل کم تعداد محسوس ہو رہا ہے۔ ہر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کا منتظر ہے۔ یہ سب کچھ قرآنی تعبیر چند مختصر اور مخصوص اسلوب سے واضح کرتی نظر آتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ: لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ "ہلاکت و حیات" ان دونوں لفظوں سے ان کا مادی و فعلی مدلول بھی مراد ہے اور کفر و ایمان بھی۔ یہاں یہ دوسرا مدلول (کفر و ایمان) زیادہ واضح ہے جیسا کہ ایک آیت میں ارشاد ہوا ہے: أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا۔ اس آیت میں کفر کو موت سے اور ایمان کو حیات سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں کفر و ایمان کی اصل حقیقت یہی ہے کہ کفر موت اور اسلام زندگی کا دوسرا نام ہے۔

اس حقیقت کی توضیح اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کو یوم الفرقان کا نام دیا ہے جس میں حق و باطل کے اندر فرق و امتیاز قائم کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا جو اس کے بعد کفر کی روش اختیار کرے گا وہ کسی شبہ و شبہ کے بغیر کرے گا اور وہ واضح دلیل کی بنا پر کفر کو اختیار کر کے ہلاکت خریدے گا۔ اسی طرح جو اس کے بعد ایمان کا راستہ اختیار کرے گا وہ پوری وضاحت اور روشنی سے کرے گا۔ جنگ بدر نے حق و باطل کو واضح اور ممیز کر کے رکھ دیا ہے۔

معرکۂ بدر اپنی تمام وضاحتوں سمیت ایک ایسی دلیل و برہان کا حامل ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے ایسے دلائل پیش کئے ہیں جن کا انکار

Marfat.com

ممکن نہیں۔ اس سے پیش آنے والی تدبیر انسانی تدبیروں سے ماوراء ہے، جو قوتیں اس میں کام کر رہی تھیں وہ انسانی قوت سے بالاتر ہیں۔ ان دلائل نے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کا ایک "رب" ہے جو اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کے حکم سے اخلاص، مجاہدہ اور صبر و ثبات کی راہ اختیار کر لیں۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر معاملہ صرف مادی اور ظاہری قوتوں کا ہوتا تو ضعیف اور بے سرو سامان مسلم جماعت مشرکوں کو شکست نہ دے سکتی تھی جن کے پاس ہر قسم کا مادی سامان موجود تھا!

مشرک جب میدانِ قتال کی طرف جا رہے تھے اور (جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے) ان کے حلیفوں نے انہیں فوجی مدد دینے کی پیشکش کی تھی، تو انہوں نے خود بھی کہہ دیا تھا کہ: "واللہ اگر ہم انسانوں سے لڑنے جا رہے ہیں تو ہم میں کوئی ضعف نہیں۔ مگر جیسا کہ محمدؐ کہتا ہے، اگر ہم خدا سے لڑنے جا رہے ہیں تو خدا کا مقابلہ بھلا کون کر سکتا ہے" کاش! انہیں اس بات کا بروقت احساس ہو جاتا کہ وہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں سے نہیں بلکہ بقول صادق و امینؐ خدا کے محمدؐ سے لڑنے نکلے تھے اور کوئی بھی خدا کے محمدؐ سے نہیں لڑ سکتا تھا! پس اس کے باوجود جب وہ کفر پر ہلاک ہو گئے تو کھلی دلیل سے ہی ہلاک ہوئے تھے۔

حق و باطل کے درمیان معرکہ قائم ہونا اور حق کے تسلط کا عالم ظاہر کے بعد عالم واقعات میں غالب آ جانا ایسی چیز ہے جو آنکھوں اور دلوں کے سامنے حق کو واضح کر دیتا ہے اور عقول و نفوس کے شکوک و شبہات اور التباس کو زائل کر دیتا ہے۔ اس فتح سے معاملہ واضح اور صاف ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد جو شخص ہلاکت (کفر) کو ہی پسند کرے اس کے لئے اس غالب و واضح ہو جانے والے حق میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ اس طرح جو شخص حیات (ایمان) کو پسند کرے اسے بھی اس حق و صدق ہونے میں کوئی شک و شبہ

Marfat.com

لائق نہیں ہو سکتا اور وہ بالیقین جان لیتا ہے کہ یہی وہ حق ہے جس کی نصرت اللہ کرتا ہے اور باغیوں طاغیوں کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔

اس موقع پر سورۂ انفال کے شروع میں جو بحث جہاد و قتال پر گزری ہے اسے ایک دفعہ پھر پیش نظر رکھ لیجیے۔ وہاں ہم نے بتایا تھا کہ شر کی قوتوں کو پیسنے اور طاغوت کے اقتدار کو مٹانے کے لئے جہاد سخت ضروری ہے۔ حق کا جھنڈا بلند کرنے اور خدا کے شرعی اقتدار کو قائم کرنے کے لئے جہاد لازم ہے کیونکہ اسی سے حق و باطل میں فرق و امتیاز ہوتا ہے اور صداقت نکھر کر سامنے آتی ہے۔ اسی سے ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ: "جس قدر ہو سکے دشمنانِ دین کے لئے قوت تیار کرو، گھوڑے پالو (آلاتِ جہاد مہیا کرو) جس سے تم خدا کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو"! اس ارشاد کی حقیقت اور قدر و قیمت کیا ہے؟ کیونکہ قوت مہیا کرنا اور اس سے دشمنوں کو ڈرانا قلوب پر حق کو واضح کرنے میں مدد دیتا ہے۔ دشمن صرف قوت کی زبان ہی سمجھتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور ذریعہ سے نہ بیدار ہوتے ہیں نہ ان میں حق و صداقت کی روشنی داخل ہوتی ہے۔ جب حق کو اٹھانے والی قوت سامنے ہو اور وہ اس حق کو لے کر چلے تبھی کائناتِ ارضی میں انسان کی حقیقی آزادی کا پرچار کیا جا سکتا ہے۔

میدانِ بدر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب دیکھا تھا وہ برحق اور واقعہ کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ کفار کی تعداد اجسام کے لحاظ سے گو زیادہ تھی لیکن اس کثرت کا کوئی فائدہ انہیں پہنچنے والا نہ تھا۔ معرکہ میں یہ کثرت بے کار اور بے وزن تھی۔ ان کے دل ایمان و ادراک سے خالی تھے۔ گویا بے جان اور بے وزن جسم تھے جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ واقعی حقیقت اپنے رسول کو دکھا کر اللہ تعالیٰ نے مومن جماعت کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ ان کی قلت تعداد اور بے سروسامانی کو جانتا تھا۔ اگر دشمن کی تعداد انہیں زیادہ دکھائی جاتی تو ان کے دلوں میں بتقاضائے بشریت ضرور ضعف پیدا ہو جاتا۔

Marfat.com

پھر یہی الٰہی تدبیر عین مقابلہ کے وقت .. بروئے کار آئی اور دونوں فوجوں نے ایک دوسرے کو قلیل دیکھا تاکہ میدان میں داخل ہونے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ مومن اپنے دشمنوں کو چشمِ حقیقت بین سے کم تعداد میں دیکھ رہے تھے مشرک ایمانداروں کو ظاہری آنکھ سے قلیل التعداد دیکھ رہے تھے — جیساکہ درحقیقت عالمِ ظاہر میں وہ تھے بھی کم ہی — اور دونوں حقیقتوں سے بڑے تدبیر الٰہی اپنا کام کر رہی تھی! آیت کے آخر میں وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ کا جملہ بڑا ہی پُر مغز اور بامعنی ہے۔ بالخصوص جب اُسے بدر کے واقعات کے ربط میں دیکھا جائے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا

اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت

اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

یاد کرو تاکہ تم مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ

اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا اور صبر کرو

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾

بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے

Marfat.com

لے جنگِ بدر میں ان انعامات خداوندی کا ذکر فرمانے کے بعد ان آیتوں میں دشمنانِ اسلام سے لڑنے کے دو بڑے ادب بیان فرمائے گئے ہیں :

(۱) ثابت قدمی اور دل کو قتال پر جمانا اور سستی اور کام چوری سے بچنا۔

(۲) خدا کا بہت ذکر کرنا۔ یعنی زبانوں اور دلوں کو یادِ الٰہی سے آباد رکھنا۔

اس میں یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ تنگ دلی اور گھبراہٹ کے شدید ترین مواضع میں بھی انسان پر ذکرِ الٰہی واجب ہے۔ کسی حال میں دل اس سے خالی نہ رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ خدا اور رسول ؐ کی اطاعت کرو اور باہمی اختلاف و تنازع سے بچو مبادا تم میں کمزوری اور رور اڑ پیدا ہو جائے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے۔

ؔ آیت ۴۵ : ذکر میں نماز، دعا، تکبیر اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے "ذکر اللہ" کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا ہتھیار یہی تھا : اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد ع)

آیت ۴۶ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ یعنی ہوا خیزی ہو کر اقبال و رعب کم ہو جائے گا۔ بدنظمی کے بعد فتح و ظفر کیسے حاصل کر سکو گے ؟

وَاصْبِرُوْا : جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو۔ ہمت نہ ہارو ع

مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

اس آیت میں مسلمانوں کو بتلا دیا گیا ہے کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے ؟ معلوم ہوا کہ دولت، لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی

لے تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۹ ؔ فوائد القرآن ص ۲۲۶

Marfat.com

استقلال وصبر، قوت وطمانینتِ قلب، یادِ الٰہی خدا و رسولؐ اور اس کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت و فرماں برداری اور باہمی اتفاق و اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ صحابہؓ کی بے نظیر کامیابیوں کا راز یہی چیزیں تھیں۔

لہ ان آیات میں حکم دیا گیا ہے کہ جب تمہارا لشکر مخالفین سے مقابل ہوا کرے تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو خوب یاد کیا کرو کیونکہ فتح و ظفر اسی کی طرف سے ہے۔ نیز اس کی یاد سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ کسی کا کیا خوب قول ہے: سہ

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہرگہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

اور اس سے مخالفین پر ہیبت پڑتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنگ میں تکبیر اور نعرۂ اللہ اکبر کا بلند کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عام ہے ذکرِ لسانی و قلبی سب کو شامل ہے۔

اور دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ نامردی پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی یعنی اقبال و شوکت زائل جاتی رہے گی۔ کیونکہ اتفاق میں فرداً فرداً جو قوتیں جمع ہو کر ایک اثر پیدا کرتی ہیں اختلاف میں وہ بات کہاں رہتی ہے؟

لہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو لڑائی میں کامیابی کی تدابیر اور دشمن کے مقابلے میں شجاعت سکھا رہا ہے۔ ایک غزوے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈھلنے کے بعد خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! دشمن سے بھڑ جانے کی تمنا مت کرو، اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو۔ لیکن جب دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو استقلال دکھاؤ اور یقین مانو کہ جنت تلواروں

لہ تفسیر حقانی ج ۴ ص ۱۹۸ لہ تفسیر ابن کثیر پ ۱۰ ص ۹-۱۰

Marfat.com

کے سائے تلے ہے"۔ پھر آپ نے میدان میں کھڑے ہو کر دعا فرمائی کہ: "اے سچی کتاب کے نازل کرنے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے خدا ان کافروں کو ہزیمت دے اور ان پر ہماری مدد فرما"! (بخاری و مسلم)

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: "دشمن کے مقابلے کی تمنا مت کرو اور مقابلے کے وقت ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ۔ وہ گو چیخیں چلائیں لیکن تم خاموش رہا کرو"۔ طبرانی میں ہے کہ تین وقتوں میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی پسند ہے: تلاوت قرآن کے وقت، جہاد کے وقت اور جنازے کے ساتھ۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا کامل بندہ وہ ہے کہ پوری مشغولیت قتال کے وقت جب کہ تلوار چلتی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرض رکھا ہے۔ کعب احبار نے کہا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر اللہ سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی چیز نہیں۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے کہ عین جنگ و جدال کے وقت بھی میں اپنے محبوب کو یاد کرتا ہوں (یعنی ایسے سخت وقت میں ایسا کرنا بڑی بات ہے اور سچی محبت کی دلیل ہے!) عنترہ کہتا ہے نیزوں اور تلواروں کے سپاشپ چلتے ہوئے بھی اے دوست میں تجھے یاد کرتا ہوں۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے یہ گر بتائے ہیں کہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہو، صبر و ثبات سے کام لو، بزدلی اور نامردی، بھاگڑ اور ڈرپوکی سے بچو۔ اللہ کو یاد کرو اسے نہ بھولو، اس سے فریاد کرو اور اسی سے دعائیں کرو۔ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی کے دست زور آور سے مدد طلب کرو۔ اس شدید وقت میں بھی خدا اور رسول کی اطاعت کو مت بھولو۔ آپس میں جھگڑا اور اختلاف مت کرو، ورنہ بزدلی چھا جائے گی اور تم ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ قوت و تیزی ختم ہو جائے گی اور اُن کی جگہ ذلت و خواری آ جائے گی۔

صحابۂ کرام ان احکام کی ادائگی میں ایسے پورے اترے کہ ان کی مثال اگلوں

Marfat.com

میں بھی نہیں، پچھلوں کا ذکر ہی کیا ہے! یہی شجاعت، یہی اطاعت رسول،
یہی صبر و استقلال تھا جس کے باعث نصرتِ خداوندی ان کے شاملِ حال رہی
اور بہت ہی کم مدت میں تعداد و سر و سامان کی قلت کے باوجود مشرق و مغرب
کو فتح کر لیا۔ نہ صرف لوگوں کے ملکوں کے ہی مالک بنے بلکہ ان کے دلوں کو بھی فتح
کر کے خدا کی طرف لگا دیا۔ رومیوں اور ایرانیوں کو، ترکوں اور مقابلہ کو،
بربریوں اور حبشیوں کو، سوڈانیوں اور قبطیوں کو، غرض دنیا کے کل گوروں
اور کالوں کو مفتوح کر لیا؛ کلمۂ حق کو بلند کر دیا۔ دینِ الٰہی کو پھیلا دیا اور اسلامی
حکومت کو دنیا کے کونے کونے میں جما دیا رضی اللہ عنہم و ارضاہم۔

لہ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا : جب کافر دشمنوں سے تصادم
ہو تو جم کر لڑو اور بھاگو مت۔ کیونکہ صبر و ثبات ایک ایسی قوتِ معنوی ہے
کہ ہمیشہ سے افراد اور فوجوں کے غلبہ و نصرت کا باعث رہی ہے۔ دو
مضبوط پہلوانوں کو دیکھو جو کشتی لڑ رہے ہیں دونوں تھک چکے ہیں اور
دونوں کی قوت ختم ہو چکی ہے۔ دونوں بے حال اور نڈھال ہو کر گر پڑنے
کو ہیں لیکن ہر ایک یہ سوچ رہا ہے کہ شاید دوسرا پہلے گر جائے اور میں کامیاب
ہو جاؤں۔ یہی امید و استقلال ہے جو ان میں سے زیادہ تر مستقل مزاج شخص
کو غالب کر دے گا۔ جنگوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ ان میں کامیابی کے
ذرائع میں سے اہم ترین یہ ہے کہ مایوسی کو پاس نہ آنے دیا جائے اور
ثابت قدمی و استقلال کا دامن تھاما جائے۔ بلکہ غور سے دیکھو تو تمام
انسانی اعمال میں ثابت قدمی نافع ہے اور فوز و فلاح کا وسیلہ و سبب ہے۔
وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا : یعنی دورانِ قتال میں اپنے دلوں میں خدا
کا زیادہ ذکر کرو۔ اور اس حقیقت کو نہ بھولو کہ فتح ان لوگوں کے لئے ہے

لہ تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۲۱-۲۵، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۹-۱۱

Marfat.com

جو اس کے دین کی نصرت میں اس کی سُنن کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اس کے احکام کو قائم و غالب کرنا چاہتے ہیں۔ نصرت، و امداد اسی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے مناسب جانتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح اپنی زبانوں سے خدا کا زیادہ ذکر کرو۔ تکبیر و دعا اور عاجزی میں مصروف ہو اور یقین رکھو کہ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ : یعنی ثابت قدمی اور ذکر اللہ کامیابی کے وسائل میں سے دو وسیلے ہیں جو دنیا میں جنگ و قتال میں کامیابی کے لئے تیار کرتے اور آخرت کے اجر و ثواب کا مستحق بناتے ہیں۔

اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندے پر واجب ہے جہاں تک اور جتنا ہو سکے اپنے دل و جان اور جذبات و مشاعر سے خدا کو یاد رکھے۔ اس بات پر اپنے آپ کو جمائے رکھے۔ اگرچہ دوسرے معاملات میں اس کا نفس مختلف الخیال اور مضطرب ہو مگر ذکر اللہ پر اسے مجتمع رکھے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ : قتال اور دوسرے ہر کام میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کو لازم کرنے والے جن اسباب کو لازم ٹھہرایا ہے اور جن امور و آداب کا حکم دیا ہے ان میں خدا کی اطاعت کرو۔ اور اس کے رسولؐ کا بھی کہا مانو کیونکہ خدا کے کلام کو واضح کرنے والا وہی ہے اور قول و عمل اور حکم و فیصلے سے اسے نافذ کرنے والا وہی ہے۔ قتال میں بھی وہی سپہ سالار اعظم ہے لہذا اس کی اطاعت ہی نظام کی جڑ اور بنیاد ہے اور نظم و ضبط ہی فتح و نصرت کے ارکان میں سے ایک بڑا رکن ہے۔ اور پیغمبر، رائے تدبیر اور معاملات میں مشورہ کے اندر تمہیں بامر خداوندی اپنے ساتھ شریک کرتا ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ : یعنی قتال و جہاد میں اختلاف و تنازع سے پورا پرہیز کرو کیونکہ یہ چیز نامردی، ناکامی، خسران اور ضعف کا باعث ہے اور اس سے تمہارا دشمن تم پر غلبہ پا لے گا۔

Marfat.com

ریح کا لفظ اصل لغت میں متحرک ہوا کے لئے آتا ہے پھر بطور استعارہ قوت وغلبہ کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجسام میں سب سے قوی مادی چیز ہوا ہی ہے جو سمندروں میں ہیجان برپا کرتی، درختوں کو اکھاڑ پھینکتی، اور عمارتوں اور قلعوں تک کو گرا دیتی ہے۔ اسی لئے جب کسی کی شوکت و اقبال مندی کا ذکر کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی ہوا چلتی ہے اور جب کسی کی ناکامی و نامرادی کا ذکر کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی ہوا تھم گئی ہے۔

وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ: یعنی دشمن کی قوت و شوکت کی وجہ سے میدان جنگ میں جو مصائب جھیلنا پڑیں، اس کی تیاری اور کثرت تعداد سے جو مشقت سامنے آئے اس کا مقابلہ جم کر کرو۔ کیونکہ اللہ اپنی اعانت و تائید سے صبر کرنے والوں کو امداد دیتا ہے، اور جس کا مددگار اللہ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

لہ جب تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے، نصرت اس کی جانب سے ہے، عددی کثرت ہی وہ چیز نہیں جو فتح و نصرت کی کفیل ہو اور مادی تیاری ہی وہ چیز نہیں جو معرکہ میں فیصلہ کن کردار ادا کرے تو ایمانداروں کا فرض ہے کہ کفار کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں۔ معرکہ میں کامیابی کے لئے حقیقی ساز و سامان کی تیاری کریں، ان اسباب کو اخذ کریں جو صاحب تدبیر و تقدیر سے ملے ہوئے ہیں، صاحب اعانت و امداد کے ساتھ ان کا ربط و تعلق ہے اور صاحب قوت و اقتدار سے ان کا رابطہ ہے۔ مومنوں کا یہ بھی فرض ہے کہ ان شکست کے اسباب سے پرہیز کریں جنہوں نے کثرت تعداد اور کثرت ساز و سامان کے باوجود کفار کو شکست دلا دی۔ اسی طرح اگلی آیات کے احکام کے

لہ فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۱۴ ۔ ۲۷

مطابق ان میں غرور و تکبّر، ریاکاری اور باطل پرستی سے بچنا چاہیئے شیطان کے دھوکے سے اجتناب کرنا چاہیئے جس نے ان کفار کو ہلاک کر ڈالا اور صرف ایک اللہ برحق پر توکّل و اعتماد کرنا چاہیئے جو غالب و دانا ہے۔

قرآن کے ان چند کلمات میں معانی کے دریا پوشیدہ ہیں، قواعد و توجیہات اور معرکے میدان کی تصویریں اور نظارے بکھرے پڑے ہیں جو میدان جنگ کو ایک زندہ و متحرک نظارہ بنا کر سامنے پیش کرتے ہیں، ان کی ابتداء ایمانداروں کے خطاب اور ان میں صبر و ثبات اور کامیابی کے حقیقی اسباب کی تیاری کے حکم سے ہوتی ہے۔

میدانِ معرکہ میں کامیابی کے اصلی اسباب یہی ہیں: دشمن سے تصادم کے وقت ثابت قدمی، خدا کے ساتھ اس کے ذکر سے تعلق جوڑنا، خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرنا، نزاع و شقاق سے پرہیز کرنا، معرکہ کی تکالیف پر صبر کرنا اور تکبّر و ریاکاری اور بغی و عدوان سے پرہیز کرنا۔

جہاں تک ثابت قدمی کا تعلق ہے سو وہ کامیابی کا بالکل ابتدائی راستہ ہے۔ فریقین میں سے جو زیادہ ثابت قدم ہوگا وہی غالب آئے گا۔ ایمانداروں کو کیا پتہ کہ ان کا دشمن شائد ان سے بھی بڑھ کر دکھ اور مشقت و تکلیف پا رہا ہو! اُسے بھی انہی کی مانند الم و جراحت ہوتی ہے مگر خدا سے جو امید ایمانداروں کو ہے وہ ان کے دشمنوں کو نہیں۔ خدا کے فضل و رحمت کی امید سے جو مدد مسلمانوں کو حاصل ہے وہ ان کے دشمنوں کو نہیں، پس ثابت قدمی اور دل کی مضبوطی کا ایک بڑا سبب ان کے ہاں مفقود ہے، مومنوں کو جو یہ دلیری اور امیدِ فضل و رحمت ہے کہ اگر ایک لحظہ اور ٹھہر جائیں تو میدان انہی کا ہے اور دشمن ذلّت و نامرادی کا شکار ہو کر گر جائے گا، یہ امید کافروں کو ہرگز نہیں۔ ایمانداروں کے قدموں کو کونسی چیز ڈگمگا سکتی ہے جب کہ وہ بہترین انجاموں میں سے ایک ان کے سامنے

Marfat.com

یا تو شہادت اور یا فتح و نصرت؟ درآں حالیکہ ان کا دشمن محض دنیوی زندگی کا طالب ہے، اسے صرف اسی زندگی کی امید اور حرص ہے اس کے بعد اس کے نزدیک کوئی حیات اور کوئی ثواب نہیں۔ پس اس پختہ یقین کے ہوتے ہوئے کون ہے جو مومنوں پر غالب آسکے یا ان کے قدموں کو میدان سے ہٹا سکے؟

دشمن سے تصادم کے وقت خدا کا زیادہ ذکر کرنا مومنوں کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے۔ یہ خدائی دین کی ایک دائمی اور زندہ و پائندہ تعلیم ہے جو ہمیشہ مسلم جماعت کے لئے سامانِ قوت و اطمینان رہی ہے۔ انسانی تاریخ کے ہر موڑ پر اس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب فرعون کے جادوگر ایمان سے سرفراز ہو گئے اور فرعون نے انہیں بدترین اور شدید ترین سزاؤں کی دھمکی دی تو انہوں نے اسی ذکر اللہ کا سہارا لیتے ہوئے کہا: "تو ہم سے صرف اس لئے انتقام لیتا ہے کہ جب خدا کی آیات ہمارے پاس پہنچ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر ڈال دے اور حالتِ اسلام پر ہماری زندگی کا خاتمہ فرما!"

اسی طرح بنی اسرائیل کی وہ مختصر جماعت جو طالوت کی سرکردگی میں وقت کے طاغی جالوت اور اس کے لشکروں سے ٹکرائی تھی، اس کی حکایت میں قرآن نے کہا ہے کہ: "جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے بالمقابل ہوئے تو انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر ڈال دے، ہمارے قدموں کو جما دے اور اس کافر پر ہماری نصرت فرما!"

اسی طرح قرآن نے ہر زمانے کی مسلم جماعتوں کے بارے میں مجموعی طور پر فرمایا ہے: "کتنے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے خدا والوں نے قتال کیا۔ پھر جو تکالیف انہیں راہِ خدا میں پہنچیں انہیں برداشت کرنے میں وہ کھوکھلے ثابت نہ ہوئے، نہ اُن کا ضعف اور عاجزی آشکارا ہوئی اور اللہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ انہوں نے کچھ کہا تو یہی کہا کہ ہمارے

Marfat.com

پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے ہم نے جو زیادتیاں اور کوتاہیاں کی ہیں ان سے درگزر فرما، ہمارے قدموں کو ثابت فرما دے اور اس کافر قوم پر ہمیں نصرت عطا کر!

اس سے ثابت ہوگیا کہ مسلم جماعت کے دل میں یہ تعلیم رچ چکی ہے جب کبھی اور جہاں کہیں کسی دشمن سے مقابلہ ہوا انہوں نے اسی طرح ذکر اللہ کا سہارا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلم جماعت کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ میدان اُحد میں انہیں چشم زخم پہنچا لیکن دوسرے ہی دن جب انہیں خدا کی راہ میں نکلنے کو پکارا گیا تو ان کے دلوں میں یہی تعلیم حاضر تھی۔ قرآن کا بیان ہے کہ: "ان ایمان والوں سے کچھ کہنے والوں نے کہا کہ لوگ تمہارے خلاف اکٹھے کر چکے ہیں، سو تم ان سے ڈر جاؤ۔ مگر ان کا ایمان اور بھی مضبوط ہو گیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے"۔

دشمن سے تصادم کے وقت خدا کا ذکر کرنا کئی کام کرتا ہے:

(۱) وہ ایک ایسی قوت کے ساتھ اتصال پیدا کرتا ہے جو مغلوب نہیں ہو سکتی

(۲) وہ خدا پر بھروسہ اور اعتماد سکھاتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرے گا۔

(۳) اس کے ساتھ ہی وہ معرکے کی حقیقت، اس کے بواعث اور مقاصد کا استحضار بھی ہے۔ وہ یہ بتاتا ہے کہ یہ معرکہ اللہ کے لئے ہے۔ اس کی غرض محض یہ ہے کہ اس کی الوہیت کو زمین میں قائم کیا جائے۔ اور اس الوہیت کو غصب کرنے والے طاغوتوں کو راستہ سے ہٹایا جائے۔ یعنی مختصراً یہ معرکہ اس لئے ہے کہ خدا کی بات اونچی کی جائے۔ اس کا مقصد کسی کا تسلط، مال غنیمت، کوئی شخصی یا قومی غلبہ نہیں ہے۔

(۴) اس سے ذکر اللہ کے فریضہ کی شدید ترین اور مشکل ترین لمحات میں بھی ادائگی ہے۔ میدان معرکہ میں اس کی قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

اب جہاں تک خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا سوال ہے سو اس کی غرض

یہ ہے کہ مسلم میدانِ کارزار میں شروع سے ہی حکم خداوندی کے مطیع و فرماں بردار ہو کر داخل ہوں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اسبابِ نزاع کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی لئے اطاعت کے حکم کے بعد فرمایا گیا ہے کہ باہم نزاع مت کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ نزاع و اختلاف تبھی پیدا ہوتا ہے جب کہ قیادت اور رہنمائی کی طرفیں اور جہات متعدد ہو جائیں اور جب کہ آراء و افکار کی باگ ڈور خواہش نفس کے ہاتھوں میں دے دی جائے۔ پس جب سب لوگ خدا و رسول کے مطیع ہو جائیں گے تو نزاع کا سب سے بڑا سبب ختم ہو جائے گا۔ چاہے کسی پیش آمدہ مسئلہ میں نظری و فکری اختلاف موجود ہی ہو! ــــ کیونکہ صرف فکر و نظر کا اختلاف نزاع کو نہیں ابھارتا بلکہ یہ خود غرضی اور ہوا پرستی ہے جو صاحب نظر کو اپنی رائے پر اصرار کرنے پر آمادہ کرتی ہے چاہے ثابت ہی ہو جائے کہ دوسری رائے حق ہے۔ گویا جب "ذات" کو ایک پلڑے میں اور حق کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو نزاع پیدا ہو جاتا ہے۔ جب ذات کو حق پر ترجیح دی جائے تو مخالفت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق و باطل کے تصادم کے وقت میں خدا و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ایک نظم و ضبط اور ڈسپلن کا مسئلہ ہے جس کا لحاظ جنگ میں نہایت ضروری ہے۔ یہ نظم و ضبط قیادتِ اعلیٰ کی اطاعت کا نام ہے۔ اسی اطاعت سے بالفعل اس لشکر کی قیادت کرنے والے امیر کی اطاعت پھوٹتی ہے۔ یہ اطاعت والا لشکر خدا کے لئے جہاد کرتا ہے۔ دوسرے لشکروں کی ولایت اس بنیاد پر ہرگز قائم نہیں جس پر جہاد فی سبیل اللہ والے لشکر کی قیادت کی ولایت قائم ہے۔ ان دونوں میں بے پناہ فرق اور نہایت بعید فاصلہ ہے۔

اب رہ گیا صبر، سو وہ ایک ایسی صفت ہے کہ میدان جنگ میں داخل ہونے کے لئے ناگزیر ہے۔ چاہے وہ جنگ نفس کے ساتھ ہو چاہے

قتال کے میدان میں دشمنوں کے ساتھ۔

اور یہ جو ارشاد ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ سو یہ معیت خدا کی طرف سے صبر کرنے والوں کے لئے فوز و فلاح اور غلبے کی ضمانت ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ

اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور

رِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

لوگوں کے دکھانے کو اور روکتے تھے وہ اللہ کی راہ سے۔ اور اللہ

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے انکی

اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

نظروں میں ان کے عملوں کو اور بولا کہ کوئی بھی غالب نہ ہو گا آج کے دن لوگوں میں سے تم پر اور میں

جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

تمہارا حمایتی ہوں۔ پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر

وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ

اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے

Marfat.com

إِنِّيٓ أَخَافُ اللّٰهَ ۚ وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ إِذْ يَقُولُ

میں ڈرتا ہوں اللہ سے ۔ اور اللہ کا عذاب سخت ہے جب کہنے لگے

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ

منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ لوگ

هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۗ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

مغرور ہیں اپنے دین پر ۔ اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

زبردست ہے حکمت والا

[1] اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا : ان سے مراد اہل مکہ ہیں جو اپنے تجارتی قافلے کی حمایت کے لئے مکہ سے نکلے تھے ۔ بَطَرًا کا معنی ہے قوت ، دولت یا ریاست کی وجہ سے فخر و غرور اور سربلندی کا اظہار کرنا ۔ اس کا پتہ پُر تکلف حرکات اور فخریہ باتوں سے چل جاتا ہے ۔ رِئَآءَ کا معنی ہے ایسا کام کرنا جسے لوگوں کو دکھانا مدِ نظر ہو تاکہ اس کی مدح و ثنا کریں اور اس پر حیرت کا اظہار کریں ۔ تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ : یعنی دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھ سکتا اور اس کا حال معلوم کر سکتا تھا ۔ نَكَصَ رجعت قہقری کر گیا ، اُلٹے پاؤں پھر گیا ۔ منافق وہ ہے جو اسلام کا اظہار کرے اور دل میں کفر کو پوشیدہ رکھے ۔ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ : یعنی کمزور ایمان کے لوگ ، جن کے دل شکوک و شبہات

[1] تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۱۱ - ۱۲

Marfat.com

سے پُر تھے۔ کبھی دلوں میں سکون پیدا ہو جاتا تھا اور کبھی اضطراب طاری ہو جاتا تھا۔

بعض اچھی صفات اور بہتر آداب جو قتال میں ظفر و نصرت کا سبب ہیں، مومنوں کو ان کا حکم دینے کے بعد اور شکست کے اسباب سے پرہیز کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ان بُری صفات سے منع فرمایا ہے جو مشرکین مکہ سے ظاہر ہوئیں۔ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حمائت کے لئے اتراتے ہوئے باجے گاجے اور ناچ رنگ کے ساتھ نکلے۔ ان کا مقصد راہ حق سے روکنا اور خدا کے دین حق کی رہزنی کرنا تھا!

آیت ۴۷[1] : ابوجہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا تاکہ مسلمان مرعوب ہو جائیں اور دوسرے قبائل عرب پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے۔ راستہ میں اس کو ابوسفیان کا پیغام پہنچا کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے، اب تم مکہ کو لوٹ جاؤ۔ ابوجہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جا سکتے ہیں جب کہ بدر کے چشمہ پہ پہنچ کر مجلس طرب و نشاط منعقد کر لیں، گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں، شرابیں پیئیں، مزے اڑائیں اور تین دن تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں۔ تاکہ یہ دن ہمیشہ کے لئے ہماری یادگار رہے۔ (یادگار تو رہا لیکن دوسری طرح سے! مؤلف) اور آئندہ کے لئے ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں کہ پھر کبھی ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں۔ اُسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبے باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے قابو میں ہیں، چلنے دے یا نہ چلنے دے! بلکہ چاہے تو انہی پر الٹ کر رکھ دے چنانچہ یہی ہوا۔ بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا

---

[1] فوائد القرآن صـ ۲۳۶-۲۳۷

Marfat.com

محفل سرود و نشاط تو منعقد نہ کر سکے ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔ مکہ تک بچھ گئیں۔ جو مال تفاخر و نمائش میں خرچ کرنا چاہتے تھے وہ مسلمانوں کے لئے لقمۂ غنیمت بنا۔ ایمان و توحید کے دائمی غلبہ کا بنیادی پتھر بدر کے میدان میں نصب ہو گیا۔ گویا ایک طرح اس چھوٹے سے قطعۂ زمین میں خدا تعالیٰ نے روئے زمین کی اقوام و ملل کی قسمتوں کا فیصلہ فرما دیا۔ بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جہاد محض ہنگامۂ کشت و خون کا نام نہیں بلکہ عظیم الشان عبادت ہے۔ عبادت پر اترا وے یا دکھانے کو کرے تو قبول نہیں۔ لہٰذا تم فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال مت چلو۔

آیت ۴۸: قریش اپنی قوت و جمعیت پر مغرور تھے لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں۔ فوراً شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کنانہ کے سردار اعظم سُراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہو گیا اور ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد و حمایت پر ہیں۔ کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کا رن پڑا اور شیطان کو جبرئیلؑ وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا۔ ابوجہل نے کہا: سراقہ! عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو؟ کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں (یعنی فرشتے) خدا کے (یعنی اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں۔ کسی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا، اس کے دل میں خدا کا ڈر نہ تھا۔ ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے، کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور

Marfat.com

ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جایا کرتا ہے، اسی کے موافق یہاں بھی کیا
یَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (نساء ع)
كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ
مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ (الحشر رکوع) وَقَالَ الشَّيْطَانُ
لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ
وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا
تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي
كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
(ابراھیم ع)

آیت ۴۹: مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور بے سروسامانی اور اس پر ایسی دلیری و شجاعت کو دیکھتے ہوئے منافقین اور ضعیف القلب کلمہ گو کہنے لگے تھے کہ یہ مسلمان اپنے دین اور حقانیت کے خیال میں مغرور ہیں جو اس طرح اپنے کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرور نہیں، توکل ہے جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ ادھر سے ہوگا عین حکمت و صواب ہوگا، وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔

لہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن ابلیس اپنا جھنڈا بلند کئے ہوئے بنو مدلج (کنانہ) کے سردار سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور مشرکین کے دل بڑھائے، لیکن جب میدان میں صف بندی ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی بھر کر مشرکوں کی طرف پھینکی جس سے ان کے قدم اکھڑ ہوگئے اور ان میں بھاگڑ مچ ہوگئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے

لہ تفسیر ابن کثیر ج۲ صد ۳۰۱۱

ابلیس کا قصد کیا جو اس وقت ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے کھڑا تھا۔ جبرئیلؑ کو دیکھتے ہی اس مشرک سے ہاتھ چھڑا کر اپنے لاؤ لشکر سمیت بھاگ کھڑا ہوا۔ اس شخص نے کہا کہ یا سراقہ! تم تو کہتے تھے کہ میں تمہارا حامی ہوں پھر یہ کیا کرتے ہو؟ یہ ملعون چونکہ فرشتوں کو دیکھ رہا تھا، کہنے لگا میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا اور میں تو ایک خوفِ خدا والا شخص ہوں اللہ کا عذاب بڑا بھاری ہے۔

دوسری روائت میں ہے کہ اسے پیٹھ پھیرتا دیکھ کر حارث بن ہشام نے آگے پکڑ لیا۔ اُس نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا جس سے حارث بیہوش ہو کر نیچے گر پڑا دوسروں نے کہا کہ سراقہ! تو اس حال میں ہمیں ذلیل کرتا ہے؟ اور ایسے سخت وقت میں ہمیں دھوکا دیتا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ ہاں! میں تم سے بری الذمہ اور بے تعلق ہوں، میں انہیں دیکھ رہا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھتے!

طبرانی میں رفاعہؓ بن رافع سے بھی اسی کے قریب قریب روائت موجود ہے اور حضرت عروہؓ بن زبیر سے بھی اسی قسم کی روائت آئی ہے۔

جن منافقوں اور ضعیف الایمان لوگوں کا قول یہاں مذکور ہوا ہے ان سے مراد ابن جریجؒ کے نزدیک مکّہ کے کچھ لوگ تھے جو مشرکوں کی فوج میں تھے۔ عامرؒ کہتے ہیں کہ یہ چند لوگ تھے جو زبانی طور پر مسلمان ہو گئے تھے مگر آج جنگ بدر میں مشرکوں کی فوج میں شامل ہو کر آئے تھے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ قریش کی ایک جماعت تھی قیس بن ولید بن مغیرہ، ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ، حارث بن زمعہ بن اسود، علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج۔ یہ قریش کے ساتھ آئے تھے لیکن اسلام کے بارے میں شک میں مبتلا تھے۔ یہاں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو مٹھی بھر مذہبی مجنون ہیں ورنہ اتنے قلیل اور بے سر و سامان آدمی اتنی بڑی اور مسلح فوج کے سامنے کیوں کھڑے ہو جاتے؛ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مدینہ کے تھے اور جنگ بدر میں شامل

Marfat.com

نہ تھے۔

ل وَلَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ: اس آیت میں ریاء اور تصنّع اور کبر و غرور پر سخت زجر و تہدید ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو بری جزا دی جائے گی۔

امام بغوی نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں اتری تھی جب کہ وہ اتراتے اور اٹھلاتے ہوئے اور بغاوت و فخر و ریاء کا اظہار کرتے ہوئے خدا کی راہ روکنے کے لئے مکہ سے نکلے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ: "اے اللہ یہ دیکھ قریش اپنے فخر و غرور اور ریاکاری کا اظہار کرتے ہوئے تیری مخالفت اور تیرے رسولؐ کی تکذیب کے لئے باہر نکلے ہیں۔ اے اللہ! اب تو اپنے وعدہ کے مطابق میری مدد فرما!"

ارباب سیرت و مغازی اور محدثین کا بیان ہے کہ جب ابو سفیان اپنا تجارتی قافلہ بچا لے گیا تو اس نے قریش کے لشکر کو یہ پیغام بھیجا کہ تم صرف اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لئے نکلے تھے سو وہ بچ گیا ہے اس لئے اب واپس لوٹ چلو۔ تو ابوجہل نے کہا کہ ہم بدر پہنچے بغیر واپس نہ ہوں گے۔ ہم وہاں میلہ لگائیں گے تین دن تک وہاں ٹھہریں گے اونٹ ذبح کریں گے اور لوگوں کی ضیافت کریں گے۔ شرابیں پئیں گے اور گانے والی عورتیں خوشی کے راگ الاپیں گی۔ اہل عرب ہمارا ذکر سنیں گے تو ہمیشہ ان پر ہمارا رعب و داب قائم رہے گا۔

خدا کی قدرت دیکھو کہ وہ بدر میں پہنچے لیکن شراب کی بجائے انہیں موت کے پیالے پینے پڑے اور گانے والیوں کی بجائے ان پر نوحہ اور ماتم کرنے والیاں رونے پیٹنے کو جمع ہوئیں۔

ل تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۲۶ - ۳۴، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۱۲ - ۱۴

Marfat.com

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ان کی سی چال چلنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ نیت میں خلوص پیدا کریں اور لڑائی سے ان کا مقصد محض دین کی سربلندی اور پیغمبر کی حمایت ہونی چاہیئے اور انہیں اس کی جزاء محض خدا سے اس کی نصرت اور آخرت کے ثواب کی صورت میں طلب کرنی لازم ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ شیطانی لشکر مشرک فوج میں پھیلا ہوا تھا ان کی خبیث روحوں کو چونکہ شیطانوں سے مناسبت و تعلق تھا لہذا وہ ابلیس کا لشکر ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا، انہیں اشتعال دلاتا اور دھوکا فریب میں مبتلا کر رہا تھا۔ جیسا کہ ملائکہ اہلِ ایمان کے لشکر میں بکھرے ہوئے تھے اور ان کی پاک ارواح کو ان سے تعلق و مناسبت تھی لہذا وہ انہیں ثابت قدمی اور خدائی وعدہ پر بھروسہ کا الہام کرتے تھے۔ جب دونوں لشکر روبرو ہوئے اور تصادم کا وقت آ گیا تو شیطانی لشکر مشرکوں میں سے اپنے لیڈر ابلیس سمیت بھاگ نکلا تاکہ ملائکہ سے مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ ملائکہ اور شیطان دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر اجتماع کی نوبت آ جائے تو ملائکہ جو زیادہ قوی ہیں وہ شیطانوں پر جو ان کی نسبت کمزور ہیں ٹوٹ پڑیں اور انہیں مٹا ڈالیں۔

پس شیطان کا خوف مشرکوں کے لئے نہ تھا (یعنی اس کا یہ قول کہ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ) بلکہ اس وجہ سے تھا کہ ملائکہ اس کے لشکر کو جلا نہ ڈالیں۔ کیونکہ حق و باطل کی جنگ میں جب بھی اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر پھینکتا ہے تو باطل کو مٹا ڈالتا ہے اور وہ لاشیٔ محض ہو کر رہ جاتا ہے۔

منافقین اور کمزور ایمان کے لوگ جو اس آیت میں مذکور ہیں یہ کچھ مکہ والے ہیں جو بظاہر تو مسلمان ہو گئے تھے لیکن شک و ریب اور الجھنوں کا شکار تھے۔ ان کے دلوں کی کیفیت کبھی یوں ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ امام مجاہد کی رائے ہے۔

؎ یہ تعلیم مسلم جماعت کو فخر و غرور اور ریاکاری سے بچنے کے لئے دی گئی ہے تاکہ وہ میدانِ قتال کی طرف اکڑتی ہوئی نہ نکلے۔ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اس کے حکم کے خلاف استعمال نہ کرے۔ مومن جماعت تو قتال کے لئے فقط اس لئے نکلتی ہے کہ خدا کی راہ میں جدّ و جہد کرے، انسانی زندگی میں خدا کی الوہیت کو قائم کرے، خدا کے بندوں کو فقط اسی کی عبودیّت کا سبق پڑھائے، جو طاغوت خدا کے حق الوہیت و حاکمیت پر دست درازی کرتے ہیں انہیں مٹائے اور خدا کا شرعی حق صرف خدا کے لئے ہی ثابت کرے۔ وہ اس لئے نکلتی ہے کہ زمین میں انسان کی غیر اللہ سے آزادی کا اعلان کرے اور غیر اللہ کی بندگی جس نے انسان کو ذلیل و رسوا اور بے شرف و کرامت کر رکھا ہے اس سے انسان کی گردن کو خلاصی دلوائے۔ وہ انسانی حرمت و کرامت اور شرف آزادی کی حمایت میں نکلتی ہے نہ اس لئے کہ بندوں پر غلبہ و تفوّق حاصل کرے، انہیں ذلیل و رسوا کر کے غلام بنائے اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر غرور و تکبّر اور ریاکاری کا اظہار کرتی پھرے مسلم جماعت اپنے ذاتی اور نفسانی حظوظ سے مجرد ہو کر جہاد کو باہر آتی ہے۔ نصرت و غلبہ سے اس کا مقصد محض اطاعتِ الٰہی کا نظام قائم کرنا ہے، اس کا کلمہ بلند کرتا اور زندگی میں اس کی شرع و قانون کو سرفراز کرنا ہے۔ وہ کسی غیر اللہ سے مدح و ستائش کی طالب نہیں بلکہ محض اللہ سے اس کے فضل و رضاء کی طالب ہوتی ہے۔ حتّٰی کہ میدانِ جنگ سے اُسے جو مالِ غنیمت ملے وہ اسے بھی خدا کا فضل ہی سمجھتا ہے۔

مسلم جماعت کے سامنے فخر و غرور اور تصنّع و ریاء کا خروج کفارِ قریش کے خروج کی صورت میں موجود تھا، پھر اس کا انجام جس ذلّت ناک صورت میں ظاہر ہوا اُسے بھی وہ دیکھ چکے تھے۔ پہلے پہر ان کی شان و شوکت اور پچھلے

؎ فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۲۷-۳۳

پھر ان کی شکست و ہزیمت اور خواری و رسوائی کو وہ خود دیکھ چکے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو حکم دیا ہے وہ ایمانداروں کے سامنے اپنی کامل صورت میں موجود تھا۔

یہ تکبر اور ریاکاری ابوجہل کے اس جواب سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے جو اس نے ابوسفیان کے قاصد کو دیا تھا۔ جب ابوسفیان نے پیغام بھیجا تھا کہ قافلہ بچ نکلا ہے اور تمہارا مقصد پورا ہو چکا ہے لہٰذا اب واپس چلے آؤ۔ ابوجہل کے اس متکبرانہ جواب کو ابوسفیان نے بھی برا سمجھا تھا اور کہا تھا کہ: "اے میری قوم! تجھ پر واویلا اور افسوس ہے!! یہ عمرو بن ہشام ابوجہل کا کام ہے کہ وہ واپسی کو ناپسند کر رہا ہے۔ اسے لیڈری کا غرور ہے۔ اس کے دل میں بغی و طغیان آگیا ہے اور یہ نقص و نحوست کا سبب ہے۔ اگر محمدؐ نے قریشی لشکر کو شکست دے دی تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔"

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ الخ: اس آیت کی تفسیر میں امام مالکؒ نے ایک حدیث مرفوع مؤطا میں روایت کی ہے۔ طلحہؓ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابلیس کو اس سے زیادہ ذلیل، حقیر اور رسوا و غضبناک کبھی نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ وہ اس دن خدا کی رحمت کا نزول اور گناہوں کی بخشش کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ہاں! جنگ بدر کے دن بھی شیطان کا یہی حال ہوا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضورؐ بدر میں اس کی ذلت و رسوائی کا باعث کیا تھا؟ تو ارشاد فرمایا کہ اس دن اس نے جبرئیلؑ کو دیکھا تھا کہ وہ فرشتوں کی تقسیم و انتظام کر رہے تھے!

یہ حدیث مرسل ہے اور اس میں عبدالملک بن عبدالعزیز بن الماجشون ہے جو ضعیف الحدیث ہے۔

باقی آثار ابن عباسؓ، عروہؓ بن الزبیر، قتادہؒ، حسن بصریؒ اور محمد بن کعب القرظی

سے آئے ہیں۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے تفسیر میں انہیں روایت کیا ہے اور ان میں ابلیس کا سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں لشکر کفار میں شامل ہونا اور لڑائی کے وقت ملائکہ کو دیکھ کر بھاگ جانا مذکور ہوا ہے۔

ان آثار سے گو کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے لئے قرآنی نص یا متواتر حدیث کا ہونا لازم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان آثار کو یکسر رد کر دیا جائے اور ان کے انکار کا موقف اختیار کیا جائے۔

اس نصِ قرآنی سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ شیطان نے مشرکوں کے اعمال کو اپنی مدح و ثناء اور توصیف و تعریف سے ان کی نظر میں مزین کیا تھا اور اپنی دوستی اور حمایت کا اعلان کر کے انہیں خروج پر ابھارا تھا اور اس کے بعد جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ پچھلے پاؤں پھر گیا تھا، انہیں چھوڑ دیا تھا اور وعدہ وفائی نہ کرتے ہوئے جنگ کے انجام سے دوچار ہونے کے لئے اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

اس آیت کے الفاظ کے پیشِ نظر یہ سب کچھ ثابت ہے، صرف کیفیت پر جزم و یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس تزیین اور اقوال و افعال کی کیفیت کیا تھی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کا معاملہ امورِ غیبیہ میں سے ہے، اور اس کے کسی معاملے پر جزم و یقین صرف نص کی حدود کے اندر ہی ہو سکتا ہے۔ نص صرف یہاں ایک واقعہ اور حادثہ بیان کر رہی ہے، کیفیت سے خاموش ہے۔

ہم اس نص میں وہ رد یہ بھی اختیار نہیں کر سکتے جو شیخ محمد عبدہٗ کا مصری کے مدرسہ فکر نے اس آیت میں اور اس قسم کی تمام آیات میں اختیار کیا ہے۔ وہ حضرات اس قبیل کے تمام غیبی امور کی تاویل کرتے ہیں جس سے ان امورِ غیبیہ کی محسوس حرکت کی نفی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ السید الشیخ رشید رضا نے اس آیت کی تفسیر میں شیطان کی مشرکوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی مراد لی ہے اور جب میدانِ جنگ میں لشکر آمنے

Marfat.com

سامنے ہوئے تو اس وسوسہ اندازی اور تزیین سے باز آجانا مراد لیا ہے ۔
علیٰ ہذا القیاس میدانِ بدر میں ملائکہ کے افعال سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ مومنین کی ارواح کے ساتھ متعلق تھے ۔ تفسیر میں ایک جگہ جزم و یقین سے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ملائکہ نے بدر میں قتال نہیں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد : فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۔ اس امر میں بالکل واضح ہے ۔ الغرض اس مدرسۂ فکر کا یہ ایک عام طریق کار ہے ۔ اسی طرح انہوں نے طیراً ابابیل کی تفسیر چیچک کے جراثیم سے کی ہے (تفسیر سورۂ عمّ از مفتی محمد عبدہٗ مصری)
لیکن امورِ غیبیہ کے متعلق اس قسم کی نصوص کی تاویل میں یہ ایک مبالغہ ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے اور الفاظ کی صریح دلالت سے روکنے والی کوئی چیز ان نصوص میں موجود نہیں ہے ۔ مناسب طریقہ یہی ہے کہ صریح الفاظ جن تفصیلات پر دلالت نہ کریں انہیں اختیار نہ کیا جائے اور نصوص پر توقف و اکتفاء کا طریقہ اختیار کیا جائے ۔ ہم نے عملاً جو طریقہ تفسیر میں اختیار کیا ہے وہ یہی ہے ۔
منافق اور دلوں کے مریض ، جنہوں نے مومنوں کے متعلق کہا تھا کہ ان کے دین نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ، یہ وہ لوگ تھے جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ مکہ میں اسلام کی طرف مائل تھے مگر عقیدہ صحیح نہ تھا اور قلوب مطمئن نہ تھے ۔ یہ لوگ کراہتِ قلب کے ساتھ مشرک لشکر کے ساتھ لائے گئے تھے اور میدان میں مسلمانوں کی قلت و بے سروسامانی کو دیکھ کر یہ باتیں کہی تھیں ۔
منافق اور دلوں کے مریض فتح و شکست کے اسباب سے بے خبر ہیں ۔ وہ صرف ظاہر نگاہ رکھتے ہیں ، معاملات کی تہ تک پہنچنے کے لئے ان کے پاس بصیرت و ادراک موجود نہیں ہوتا ۔ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ " عقیدہ " میں کیا طاقت پوشیدہ ہے ، خدا پر بھروسہ کرنے ، اس پر اعتماد و توکل اور یقین میں کیا قوت ہے ۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ جو کثیر التعداد جماعتیں خدا پر عقیدہ نہیں

Marfat.com

رکھتیں انہیں قوت نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دن انہوں نے اہلِ ایمان کو فریب خوردہ کہا کہ یہ مذہبی دیوانے فریب کے شکار ہیں، اور مشرکوں کی عظیم طاقت سے ٹکرا کر فنا کے گھاٹ اترنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک ظاہری اور مادّی واقعات کا تعلق ہے وہ ایمان سے پُر اور خالی دونوں قسم کے قلوب کو بظاہر ایک سے نظر آتے ہیں، لیکن جو چیز مختلف ہوتی ہے وہ ان ظاہری اور مادّی واقعات کی تقدیر و تقویم ہے۔ خالی دل صرف ان واقعات کو دیکھتے ہیں اور ان کی نگاہ اس سے آگے نہیں جاتی۔ مومن دل ان کے پیچھے حقیقی واقعات کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔ پس انہیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ:

"جو کوئی خدا پر بھروسہ کرے تو اللہ غالب و دانا ہے۔"

مومن قلوب اس حقیقت کا ادراک کرتے اور اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن کھوکھلے دلوں سے جو چیز پوشیدہ ہے وہ انہیں کسی شمار و قطار میں نہیں رکھتے۔ پلڑا اسی حقیقی ادراک و احساس سے جھکتا ہے اور نتیجہ اسی پر مبنی ہے۔ ہر زمانے اور ہر مکان میں قضیئے کا فیصلہ اسی "حقیقت بینی" نے کیا ہے۔

یوم بدر میں منافقوں اور دل کے مریضوں نے اہلِ ایمان کے بارے میں جو کچھ کہا تھا ہر دور میں منافقوں اور مریض القلب لوگوں کا یہی قول مسلم جماعت کے بارے میں ہوا کیا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ مسلم بے سرو سامان جماعت طاغوت کے مسلح ہر طرح تیار لشکروں سے ٹکرا رہی ہے تو وہ یہی کہتے پائے گئے ہیں حالانکہ مسلم جماعت کا سب سے بڑا سامان ہر زمانے میں لفظ دین رہا ہے، اس کا پھوٹ کر نکلنے والا اور باطل کو دفع کرنے والا عقیدہ رہا ہے، خدا کی الوہیت اور اس کی حرمتوں کے لیئے غیرت رہی ہے، خدا پر توکّل اور اس کی اپنے مومن بندوں کی نصرت پر بھروسہ رہا ہے!

مسلم جماعت طاغوت کی مضبوط صفوں سے ٹکرا رہی ہوتی ہے اور منافق

Marfat.com

اور مریض القلب لوگ کھڑے تماشہ دیکھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اس کمزور و بے سروسامان جماعت کے لئے تمسخر و استہزاء ہوتا ہے جو خطرہ سے دوچار ہوتی ہے اور خطرے کو حقیر جانتی ہے۔ اسی طرح ان منافقوں کے دلوں میں مسلم جماعت کے ان ظاہری مصائب میں گھس جانے سے عجب و غرور اور دہشت طاری ہوتی ہے۔ وہ واضح خطرات سے کانپتے ہیں۔ وہ اس کا نام تہوّر رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خواہ مخواہ جان گنوانے سے کیا حاصل؟ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ وہ ساری زندگی کو دین و عقیدہ سمیت تجارت کی منڈی کا ایک سودا جانتے ہیں۔ اگر فائدہ غالب نظر آیا تو آگے بڑھتے ہیں لیکن اگر خطرہ محسوس ہوا تو کہتے ہیں کہ جان کی سلامتی بہتر اور پہلی چیز ہے! وہ معاملات کو مومن کی بصیرت سے نہیں دیکھتے اور نتائج کو ایمان کے ترازو سے نہیں تولتے مومن کے احسان و میزان میں یہ ایک دائمی نفع کا سودا ہے۔ اس کا نتیجہ دو صورتوں میں سے ایک ضرور ہے: نصرت و غلبہ یا شہادت و جنت! پھر اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ قوتوں کا حساب فی نفسہٖ مختلف ہے۔ اور اللہ بھی تو موجود ہے جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے! یہی وہ چیز ہے جو منافقوں اور دل کے مریضوں کے حساب میں نہیں آسکتی!

مسلم جماعت کو ہر دور اور ہر جگہ یہ دعوت دی گئی ہے کہ چیزوں کا وزن ایمان و عقیدہ کی میزان سے کرے اور مومن کی بصیرت اور اسی کے قلب سے واقعات کا ادراک کرے، خدا کی ہدایت و نور سے دیکھے۔ اُسے طاغوت کی ظاہری قوتیں عظیم شمار نہ کرنی چاہئیں اور اپنی قوت و وزن کو حقیر نہ جاننا چاہیئے کہ اس کے ساتھ اللہ ہے اور مومنوں کے لئے اس کی دائمی تعلیم یہ ہے کہ:۔

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اور خدائے برتر و عظیم نے سچ فرمایا ہے!

Marfat.com

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ

اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں

وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾

ان کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

یہ بدلا ہے اس کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں سے اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا

لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ

بندوں پر جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے

كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ

کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں پر

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ

بیشک اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہرگز

لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ

بدلنے والا نہیں اس نعمت کو جو دی تھی اس نے کسی قوم کو جب تک کہ

Marfat.com

يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۵۳)

وہی نہ بدل ڈالیں اپنے دلوں کی بات اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ

جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ انہوں نے جھٹلائیں آیتیں

رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ

اپنے رب کی پھر ہلاک کر دیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں پر اور ڈبو دیا ہم نے فرعون والوں کو

وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ (۵۴)

اور سارے ظالم تھے۔

ل أَدْبَارَهُمْ: یعنی ان کی پیٹھیں اور گدیاں۔ عَذَابَ الْحَرِيقِ: اٹھائے جانے کے بعد جہنم کا عذاب۔ دَأْب: کا معنی ہے ہمیشہ کی عادت۔

پچھلی آیات میں مشرکوں کا مکہ سے ازراہِ فخر و ریاء نکلنا اور شیطان کا ان کے اعمال کو مزین کرنا بیان فرما کر ان آیات میں ان کی موت کے وقت کے احوال .... اور اس وقت ہونے والا عذاب بیان فرمایا ہے۔

ملہ آیت ۵۰ یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو اور عذاب جہنم کا مزا آئندہ چکھنا۔ بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے۔ یعنی اس وقت جو کافر مارے جاتے تھے ان کے ساتھ فرشتوں کا یہ

ل تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۱۵ ملہ فوائد القرآن ص ۲۴۷

معاملہ تھا۔ مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کافروں کی یہ گت بنی، برزخ میں یہ ہوگا اور آخرت کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے!

آیت ۵۱: یعنی یہ سب تمہاری کرتوت کی سزا ہے ورنہ خدا کے یہاں ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر معاذ اللہ اُدھر سے رتی بھر ظلم کا امکان ہو تو پھر وہ اپنی عظمت کے لحاظ سے ظالم نہیں "ظلام" ٹھہرے۔ کیونکہ کامل کا ہر صفت کامل ہی ہونی چاہیئے۔

آیت ۵۲: یعنی قدیم سے یہی دستور رہا ہے کہ جب لوگ آیات اللہ کی تکذیب و انکار یا انبیاء سے جنگ کرنے پر مصر ہوئے تو اللہ نے ان کو کسی نہ کسی عذاب میں پکڑ لیا۔

آیت ۵۳: یعنی جب لوگ اپنی بے اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کے فطری قویٰ اور استعداد کو بدل ڈالتے ہیں اور خدا کی بخشی ہوئی داخلی یا خارجی نعمتوں کو اس کے بتلائے ہوئے کام میں ٹھیک موقع پر خرچ نہیں کرتے، بلکہ اُلٹے اس کی مخالفت میں صرف کرنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ اپنی نعمتیں ان سے چھین لیتا ہے اور شان انعام کو انتقام سے بدل دیتا ہے۔ وہ بندوں کی تمام باتوں کو سنتا اور تمام احوال کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پردہ میں نہیں۔ لہٰذا جس سے جو معاملہ کرے گا نہایت ٹھیک اور برمحل ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ: نیت اور اعتقاد جب تک نہ بدلے تو اللہ کی بخشی ہوئی نعمت چھینی نہیں جاتی۔ گویا ما بانفسہم سے خاص نیت اور اعتقاد مراد لیا ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم

آیت ۵۴: فرعونیوں اور ان سے پہلی قوموں کو ان کے جرائم کی

Marfat.com

پاداش میں ہلاک کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ فرعونیوں کا بیڑہ غرق کر دیا۔
یہ سب اس وقت ہوا جب انہوں نے خدا سے بغاوت اور شرارت کر کے
خود اپنی جانوں پر ظلم کئے۔ ورنہ خدا کو کسی مخلوق سے کوئی ذاتی عداوت نہیں۔
[۱] ان آیات میں کافروں کا وہ حال بیان کیا گیا ہے جو بوقت موت ہوتا ہے
فرمایا ہے کہ اے پیغمبرؐ! یا اے دیکھنے والے! اگر تو ان کافروں کا اس وقت
کا حال دیکھے تو تجھے تعجب ہو گا۔ کفار جب دنیا سے جاتے ہیں تو ادھر ان کو
عالم آخرت کے ظلمات و عذاب میں جانے کا غم ہوتا ہے، اُدھر لذت دنیا کے
چھوٹ جانے کا قلق اور صدمہ ہوتا ہے سوال کے منہ اور پیٹھ پر مارنے سے
یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ورنہ حقیقی معنی تو مراد ہیں ہی!
جو کوئی خدا کی دی ہوئی نعمت کو پہلے آپ خراب نہیں کرلیتا تب تک
از خود اس سے وہ نعمت نہیں لیتا۔ یعنی جب اس نعمت کی ناقدری کر کے
بیجا صرف کرتا ہے تو پھر خدا اس سے چھین لیتا ہے۔ جیسا کہ پہلوں سے یہی
سلوک ہوا تھا۔
[۲] کافروں کو بوقت قبض روح منہ اور پیٹھ پر مارنا یا تو عام ہے اور یا بعض
کے نزدیک اس کا تعلق جنگ بدر سے ہے کہ سامنے سے ان کافروں کے
چہروں پر تلواریں پڑتی تھیں اور جب بھاگتے تھے تو پیٹھ پر وار پڑتے تھے
فرشتے خوب ان کا بھرتا بنا رہے تھے۔ ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے کہا کہ
میں نے ابوجہل کی پیٹھ پر کانٹوں کی خراش کے نشان دیکھے ہیں، آپ نے
فرمایا کہ ہاں! یہ فرشتوں کی مار کے نشان ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ آیت بدر کے
ساتھ مخصوص نہیں اس کے الفاظ عام ہیں اور ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے
سورۂ قتال (محمدؐ) میں بھی اس کا بیان ہوا ہے اور سورہ الانعام کی آیت

---

[۱] تفسیر حقانی ج ۴ ص ۱۹۹ [۲] تفسیر ابن کثیر پ ۱۰ ص ۱۳- ۱۵

Marfat.com

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ میں بھی اس کا بیان آیا ہے۔

چونکہ یہ نافرمان لوگ تھے، ان کی موت کے وقت فرشتوں کے ہاتھ ان کی طرف بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں بری مار مارتے ہیں اور ان کی روحیں ان کی سیاہ کاریوں کے باعث بدن میں چھپتی پھرتی ہیں۔ فرشتے انہیں جبراً باہر نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے لئے خدا کا غضب اور خدا کا عذاب ہے۔ جیسا کہ حضرت براءؓ کی حدیث میں ہے کہ اس بری حالت میں سکرات موت کے وقت جب کہ فرشتے کافر کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اے خبیث روح! چل گرم ہواؤں، گرم پانی، اور گرم سائے کی طرف۔ پس وہ روح بدن میں چھپتی پھرتی ہے۔ آخر اسے مجبوراً باہر گھسیٹا جاتا ہے جس طرح کہ کسی زندہ شخص کی کھال اتارنا جائے اور اس کے ساتھ رگیں اور پٹھے بھی آجائیں۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی اسے حرام کیا ہے۔ پس تم آپس میں ظلم و ستم مت کرو۔ اے میرے بندو! یہ تو تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لئے جمع رکھتا ہوں، اگر تمہیں بھلائی ملے تو تعریف کرو اور اگر دوسری صورت دیکھو تو مجھے نہیں اپنے آپ کو ہی ملامت کرو۔ (قصور میرا نہیں تمہارا ہی ہے!)

۲ فرشتوں کا موت کے وقت کافروں کو آگے اور پیچھے مارنا اور ان سے کلام کرنا عالم غیب میں سے ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ان کی وفات کے وقت حاضر و موجود لوگوں کو بھی اس کا پتہ چلے اور وہ یہ کارروائی دیکھ یا سن سکیں۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳-۱۵
۲۔ تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۴۴-۴۷، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۱۵-۱۸

Marfat.com

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيكُمْ : یہ عذاب جو تم پا رہے ہو یہ تمہاری دنیوی زندگی کی بداعمالیوں مثلاً کفر اور ظلم وغیرہ کی وجہ سے ہے۔ اور یہ قول وعمل دونوں کو شامل ہے۔ اور ان کے کمانے کو ہاتھوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اگرچہ اعمال ہاتھوں کے علاوہ پاؤں اور دیگر حواس سے بھی سرزد ہوتے ہیں اور عقل کا ان کی تدبیریں برابر دخل ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت یہی ہے کہ اکثر بدنی اعمال ہاتھوں سے ہی سرزد ہوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ : وہ قوی ہے اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا اور کوئی بھاگنے والا اس سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ جو عذاب کا مستحق ہو، اس کی آیات کا انکار کرے اور اس کے دلائل سے جحود کرے۔ اس کے لئے اس کی سزا نہایت سخت ہے۔ ہاں! اس کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے دیر تو ہے اندھیر نہیں!

صحیحین اور ابن ماجہ نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں!"

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا الخ : قریش کو نعمت کی ناشکری پر جو پکڑ لینے کا ذکر اوپر ہوا ہے اس سزا کا باعث خود ان مکذبین کا رویہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو خدا کی آیات ان پر پڑھتا تھا۔ انہوں نے اس کی تکذیب کی اسے اپنے اندر سے نکال باہر کیا اور پھر اس سے جنگ کی۔ اسی طرح پہلی قوموں پر بھی عذاب آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ جن احوال کے باعث وہ انعام خداوندی کی مستحق ہوتی ہیں، جب تک از خود ان احوال کو نہ بدل ڈالیں اللہ تعالیٰ اس نعمت کو تبدیل نہیں کرتا۔

اس آیت میں یہ ایماء ہے کہ افراد و اقوام پر خداوند تعالیٰ کی نعمتیں ابتداءً اور دوام کے لحاظ سے کچھ اخلاق وصفات اور اعمال پر منحصر ہیں۔ ان

Marfat.com

نعمتوں کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان صفات و اعمال کو اختیار کیا جائے اور ان پر مداومت کی جائے۔ جب تک یہ احوال و شئون ثابت و متمکن رہتے ہیں، یہ نعمتیں بھی ان پر ثابت و قائم رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جرم یا ظلم کے بغیر ان سے وہ نعمتیں نہیں چھینتا۔ پھر جب وہ از خود اپنے عقائد و اخلاق اور محاسن اعمال کو بدل دیتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کے حال کو بدل دیتا اور ان کی نعمت کو سلب کر لیتا ہے غنی محتاج، عزت والے ذلیل اور قومی کمزور ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اقوام و ملل کی سعادت اور قوت و غلبہ ان کی بے پناہ مالداری اور کثرت تعداد پر منحصر نہیں، جیسا کہ بعض مشرکین جانتے تھے اور اللہ نے ان کا قول قرآن میں بیان فرمایا ہے: وَقَالُوا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝

اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض اقوام و ملل کی ناجائز رعایت اور طرفداری نہیں کرتا محض اس وجہ سے کہ ان کا نسب اعلیٰ ہے اور ان کے آباء و اجداد دوسروں پر فضیلت رکھتے تھے، مثلاً وہ نبی تھے۔ پس ایسا نہیں ہوتا کہ کچھ لوگوں کو محض ان کے نبی آباء و اجداد کی وجہ سے ملک و سیادت بخش دے۔ بنی اسرائیل اسی غرور میں مبتلا ہوئے اور اپنے آپ کو دوسرے تمام لوگوں پر نسب و خون کی بناء پر فضیلت دینے لگے۔ آگے چل کر نصاریٰ اور پھر مسلمان بھی اسی بیماری میں مبتلا ہوئے حالانکہ یہود و نصاریٰ ان کے شدید ترین دشمن اور مخالف تھے پھر بھی مسلمانوں نے ان کا اتباع کیا اور ایک غلط قسم کے دینی غرور کا شکار ہو کر مبتلائے فریب ہوئے۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ الخ: دأب کا لفظ ان آیات میں دو دفعہ آیا ہے، پہلے دأب سے ان کے کفر کا بیان مطلوب ہے۔ کہ پیغمبروں نے خدا کی وحدانیت پر اور صرف اسی کی عبادت و عبودیت پر دلائل قائم کر دیئے مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ اور آخرت میں انہیں خدائی تعذیب سے سابقہ پیش آنے والا ہے۔ پس یہ دأب و عادت خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس کے حقوق سے متعلق ہے۔

Marfat.com

اور کفر کی دائمی سزا سے متعلق ہے جو موت کے ساتھ شروع ہوتا اور دخول جہنم تک برابر رہے گا۔

دوسرے دأب کا تعلق اس چیز سے ہے کہ ان کافروں نے اپنے رب کی نعمتوں اور آیات کی تکذیب کی حالانکہ خدا ہی ان کا پروردگار تھا۔ اس میں پیغمبروں کی تکذیب وعناد اور ایذا بھی داخل ہے نیز وہ نعمتیں جو ان کی بعثت سے متعلق ہیں ان کی تکذیب بھی اس میں داخل ہے۔ اور اس دأب کا تعلق ان جرموں کی سزا میں ان کے احوال کے بدل دیئے جانے اور آخرت میں عذاب کے ساتھ بھی ہے۔ گویا یہ دأب خدا کی ربوبیت سے متعلق ہے اور پہلا اس کی الوہیت سے![1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تاریخ انسانی نے اقوام وملل کی کفر و تکذیب اور ظلم میں حالت وعادت کو محفوظ رکھ کر اسے مدوّن کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان پر خدا کا عذاب کیسے آتا رہا ہے، یہ خدائے تعالیٰ کی اُن سنن و قوانین کے مطابق ہے جو اقوام عالم میں جاری وساری ہیں۔ اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی سے نعمت چھین کر اور عذاب میں مبتلاء کر کے اس پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ اس سزا و عذاب کو ان کے کفر و ظلم کا طبیعی و فطرتی اثر و نتیجہ کہنا بجا ہوگا!

رہا آسمانی عذاب استیصال (جو جڑ پیڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے!) سو وہ ان قوموں سے خاص ہے جنہوں نے آیات و معجزات طلب کئے کہ پیغمبروں نے قبل از وقت بتا دیا کہ اگر ان فرمائشی آیات پر وہ ایمان نہ لائے تو عذاب یقینی ہوگا۔ پھر انہوں نے ان آیات کا انکار کیا تو نتیجہ عذاب عام اور "جڑ مار عذاب" کی صورت میں برآمد ہوا۔

لہ معرکہ میں خداوند تعالیٰ کی دخل اندازی اور اس کے حکم سے ملاء اعلیٰ کی

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۴۳-۴۷

دخل اندازی کے نظاروں میں سے ایک نظارہ ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو سزا دینے اور ملامت کرنے میں شرکت فرماتا ہے اور ملائکہ بہت بُری طرح سے ان کی ارواح کو قبض کرتے ہیں، انہیں ذلیل کن اذیت دیتے ہیں۔ یہ ان کے فخر و تکبّر کی سزا ہے۔ ملائکہ ان سخت تنگ لمحات میں ان کی بداعمالیاں اور بُری امیدیں بیان کرتے ہیں۔ یہ ان کے اعمال کی پوری اور صحیح جزاء ہے کوئی ظلم نہیں ہے۔

اس سلسلے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تکذیب کے باعث کفار کو ماخوذ کرنا پرانی سُنّت ہے۔

آیت نمبر ۵۰ ، اور ہو سکتا ہے کہ معرکۂ بدر میں مشرکین کا حال بیان کرتی ہوں۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ ملائکہ اس غزوہ میں شریک تھے اور انہیں حکم ملا تھا کہ: "کفار کی گردنوں پر ضرب لگاؤ اور ان کی ایک ایک پور کاٹ دو" اگرچہ یہ واقعہ عالم غیب میں سے ہے اور اس کی کیفیت کو ہم نہیں جان سکتے! لیکن کیفیت سے جاہل ہونے کا تقاضا یہ نہیں کہ اس واضح نص کو ظاہری مدلول سے ہی پھیر دیا جائے۔ اس آیت کا ظاہری مدلول یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ملائکہ کو ضرب کا حکم دیا تھا۔ اور ملائکہ نافرمانی سے پاک ہیں! پس ممکن ہے کہ یہ دو آیتیں جو اس وقت زیر بحث ہیں یہی وہی یوم بدر کا حال بیان فرمایا گیا ہو۔ گویا آیتیں ملائکہ کے کافروں کے ساتھ کیے ہوئے سلوک کا تکملہ پیش کر رہی ہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان آیات میں ایک دائمی حالت کا بیان ہو کہ جب کبھی ملائکہ کافروں کی جان قبض کرتے ہیں ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس صورت میں لو تریٰ کا خطاب عام محاورات کے مطابق ہر شخص کی طرف ہوگا۔ کلام عرب میں واضح اور عام واقعات کے بیان میں یہ خطابی اُسلوب عام ہے۔

وذوقوا عذاب الحریق : یہ عذاب الحریق آیا بعث و حساب

کے بعد ہو گا یا کفار کو محض روح قبض کرنے کے ساتھ ہی انہیں مبتلاء کر دیا جاتا ہے؟ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور آیت قرآنی سے دونوں سمجھی جاتی ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس کا وقت کون سا ہے سو یہ علاّم الغیوب ہی جانتا ہے !

اس کے بعد ایک قاعدۂ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کی ایک غیر متبدّل سنّت ہے جس میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوئی نہ اب ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اتفاقی حوادث اور اٹکل پچّو کے سپرد نہیں فرماتا بلکہ یہ اس کی سنت ہے جس کے مطابق اس کی تقدیر جاری رہتی ہے۔ جو کچھ یوم بدر میں مشرکوں پر گزری ہمیشہ سے مکذبوں اور کافروں پر یہی گزرتی آئی ہے۔ چنانچہ آلِ فرعون پر اور ان سے بھی پہلے لوگوں پر یہی کچھ بیت چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمت دی اور اپنا فضل بخشا، انہیں زمین میں حکومت واقتدار بخشا اور دنیا کے معاملات کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں دے دی۔ خداوند تعالیٰ یہ سب کچھ جسے بھی دیتا ہے اپنی طرف سے ابتلاء وامتحان کے طور پر دیتا ہے تاکہ دیکھے کہ وہ شکر کرتے ہیں یا ناشکری کی راہ پر چل پڑتے ہیں؟ لیکن انہوں نے ناشکری کی اور شکر یہ ادا نہ کیا، خدا کی عطا کی وجہ سے بغی وطغیان میں مبتلاء ہو گئے۔ نعمت وقوّت نے انہیں تبدیل کر دیا، وہ جابر وفاجر اور فاسق وطاغوت بن گئے۔ خدا کی آیات اُن کے پاس آئیں تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا۔ بس یہی وقت تھا کہ کفر وتکذیب پر ان پر عذاب کی سنّت جاری ہوئی، اللہ نے ان کی نعمت کو نقمت سے بدل دیا اور انہیں عذاب میں پکڑ لیا۔ نتیجہ تباہی اور بربادی کی صورت میں نکلا! خداوند تعالیٰ نے اپنی آیات کی تکذیب کے بعد انہیں ہلاک کیا پہلے نہیں، باوجودیکہ وہ کافر تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خدا کی رحمت وسنّت ہے وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ اس آیت میں ظلم کا لفظ کفر یا شرک کے معنیٰ میں آیا ہے۔ قرآن میں یہ استعمال عام ہے!

Marfat.com

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً الخ : یہ آیت ایک طرف بندوں کے معاملہ میں عدلِ الٰہی کو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دی ہوئی نعمت ان سے نہیں چھینتا جب تک وہ اپنی نیتوں میں تبدیلی نہ کرلیں ، اپنا سلوک نہ بدل ڈالیں اور اپنے اوضاع و اطوار میں تبدیلی نہ کر ڈالیں۔ پھر اس وقت وہ اس بات کے مستحق ہو جاتے ہیں کہ انہیں جو نعمت اللہ نے ابتلاء و آزمائش کے طور پر دی تھی ان سے چھن جائے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی قدر نہیں کی ہوتی نہ اس کا شکر یہ ادا کیا ہوتا ہے اور اس طرح وہ خدائی آزمائش میں ناکام ہو چکے ہوتے ہیں۔

دوسری طرف اس آیت میں خدائے تعالیٰ انسانی مخلوق کی بہت بڑی تکریم کر رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اس کی تقدیر انسان کے ذریعہ سے نافذ ہوتی اور اس کی حرکت و عمل سے جاری ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیری تغییر ان کے دلوں اور نیتوں، سلوک، عمل اور اوضاع و اطوار کے تغیر پر مبنی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ تیسری طرف سے انسان پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے جو اس شرف و اکرام کے لائق اور اس کے مقابلہ میں ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کی اپنے اوپر نعمت کو باقی رکھنے بلکہ اس میں اضافہ کرنے کا انسان خود مالک ہے اگر وہ اس کا حق پہچانے گا اور شکر کرے گا تو نعمت باقی بلکہ زیادہ ہوگی۔ اس طرح وہ اس نعمت کو زائل کرنے کا بھی خود مالک ہے، اگر وہ انکار و غرور کی راہ اختیار کرے اور اس کے نتیجہ میں اس کی نیت و عمل بدل جائے تو نعمت زائل ہو جائے گی۔

یہ عظیم حقیقت انسان کی حقیقت کے بارے میں اسلامی تصور کی ایک جانب کو پیش کر رہی ہے۔ اور بتا رہی ہے کہ اس وجود کے ساتھ خدا کی تقدیر کا علاقہ کیا ہے؟ پھر انسانی وجود کا کائنات ارض و سماء کے وجود کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا انسان سے کیا تعلق ہے؟ اس حیثیت سے پتہ چل جاتا ہے کہ خدا کی میزان میں انسانی وجود کی کیا قدر و منزلت ہے اور اس

Marfat.com

تقدیر الٰہی سے اس کا کونسا شرف و اکرام وابستہ ہے؟ اسی طرح یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس میں اور اپنے ماحول کے واقعات و حوادث میں انسان کا کردار ایک فاعلی کردار ہے۔ وہ خدا کی تقدیر و اذن سے اپنے حال و مستقبل کے بنانے میں ایک مثبت اور ایجابی عنصر ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کی تقدیر اس کی حرکت و عمل اور نیّت و سلوک سے ظاہر ہوتی ہے۔ مادّی مذاہب نے انسان پر جو ذلیل سلبیّت لاد دی ہے یہ تصور اس سے بچاتا ہے۔ مادّی مذاہب انسان کو جبّار و قہّار حتمیّات کے سامنے ایک سلبی وجود قرار دیتے ہیں مثلاً اقتصادی حتمیّت، تاریخ کی حتمیّت اور انقلابات کی حتمیّت۔ ان حتمیتوں اور ان جیسی اور حتمیتوں کے سامنے انسانی وجود کی کوئی قدر و منزلت اور کوئی قوّت و طاقت نہیں۔ وہ ایک ضائع، ذلیل کیا ہوا اور عاجز وجود ہے جسے ان حتمی چیزوں کے آگے بس جھک جانا چاہیئے!

اسی طرح یہ آیات عمل اور جزاء کے درمیان ایک تلازم ثابت کرتی ہیں۔ اس کائنات کی زندگی اور پہل پہل میں عمل و جزاء ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس تلازم کو اپنی سنّتوں میں سے ایک سنّت قرار دیا ہے، جن پر اس کی تقدیر چلتی ہے۔ اور جن میں وہ اپنے بندوں میں سے کسی بندے پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ یہ آیات اسی مضمون کو ثابت کر رہی ہیں:

وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝

فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَکُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ الآیۃ

Marfat.com

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا

بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

ایمان نہیں لاتے جن سے تو نے معاہدہ کیا ہے ان میں سے پھر

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ

سو اگر کبھی تو پائے ان کو لڑائی میں تو ان کو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں انکے پچھلے

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً

تاکہ ان کو عبرت ہو اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا

فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۳

تو پھینک دے ان کا عہد انکی طرف ایسی طرح کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر۔ بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا

اور یہ نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے۔ وہ ہرگز

يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

تھکا نہ سکیں گے ہم کو

Marfat.com

[1] دابّۃ کا لفظ اصل لغت میں زمین پر رینگنے والے ہر جانور کے لئے ہے پھر اس کا استعمال چار پایوں میں غالب ہو گیا۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ عِندَ اللّٰہِ یعنی خدا کے علم و حکم میں۔ الَّذِینَ عٰاھَدتَّ مِنھُم سے مراد یہود مدینہ کی جماعتیں ہیں۔ تَثقَفَنَّھُم ثقف سے نکلا ہے جس کا معنی ہے پانا، غالب آنا اور قابو پانا فَشَرِّد بِھِم: تشرید کا معنی ہے ڈرانا اور بھگانا یعنی انہیں ایسا سخت عذاب دو کہ دوسرے عہد شکن بھی ڈر جائیں۔ مَن خَلفَھُم سے مراد مشرکین مکہ اور ان کے ہم نوا مشرک قبائل ہیں۔ نبذ کا معنی ہے پھینک دینا عَلٰی سَوَاءٍ کا مطلب ہے واضح طریقے پر جس میں کوئی پوشیدگی دھوکا اور ظلم و خیانت نہ ہو۔ سَبَقُوا یعنی وہ قابو میں آنے سے بچ نکلے۔ لَا یُعجِزُونَ یعنی وہ خدا کو اس سے عاجز نہ پائیں گے کہ وہ انہیں قابو میں کرے بلکہ وہ انہیں ان کے کفر کا بدلہ عنقریب دے گا۔

مشرکین مکہ کا ذکر کر چکنے کے بعد ان آیات میں کفار کے ایک اور فریق کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت و قتال کیا تھا اور وہ حجاز کے یہودی تھے۔

حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ آیت یہود کے چھ اشخاص کے متعلق نازل ہوئی ہے جن میں سے ایک کا نام ابن تابوت تھا۔ امام مجاہد کا قول ہے کہ یہ آیت یہود مدینہ کے بارے میں اتری ہے اور ان کا سردار کعب بن اشرف "طاغوت" تھا۔ اور اس کی حیثیت یہود میں اسی طرح تھی جس طرح کہ مشرکین مکہ میں ابو جہل کی تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان جیسے دوسرے خائنوں اور بدعہدوں سے کیا سلوک کیا جانا چاہیئے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تفسیر المراغی ج ۱۰ صہ ۱۹

Marfat.com

ان کی خفیہ تدابیر اور مکر و فریب سے محفوظ رہیں گے۔

آیت ۵۵-۵۶[1] : جو لوگ ہمیشہ کے لئے کفر اور بے ایمانی پر تل گئے اور انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر ہو رہے ہیں وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ فرعونیوں کا حال بدعہدی اور غداری میں یہی تھا: "جب کبھی ان پر عذاب آتا تو کہتے اے موسیٰؑ تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر کہ تجھ سے اس نے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرے۔ اگر تو ہم سے یہ عذاب اٹھوا دے تو ہم تجھ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے ایک مدت مقرر تک عذاب کو دور کر دیتے تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگتے" (الاعراف ع۱۶) اور حضورؐ کے زمانہ میں یہود بنی قریظہ وغیرہ کی بھی یہی خصلت تھی۔ آپؐ سے عہد کر لیتے کہ ہم مشرکین مکہ کو مدد نہ دیں گے، پھر ان کی امداد کرتے اور کہہ دیتے کہ ہم کو عہد یاد نہ رہا تھا۔ بار بار ایسا ہی کرتے تھے آگے بتلایا ہے کہ ایسے غداروں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیئے۔

آیت ۵۷، ۵۸ : یعنی اگر یہ دغاباز غدار معاہدوں کو علانیہ پس پُشت ڈال کر آپ کے مقابل میدانِ جنگ میں آ جائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں۔ اور اگر ایک قوم نے علانیہ دغابازی نہیں کی، ہاں آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ عہد شکنی پر آمادہ ہے تو آپ کو اجازت ہے کہ مصلحت سمجھیں تو ان کا عہد واپس کر دیں اور معاہدہ سے دست برداری کی اطلاع کر کے مناسب کارروائی کریں۔ تاکہ فریقین پچھلے معاہدات کی نسبت شک و شبہ میں نہ رہیں۔ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ

---

[1] فوائد القرآن ص۲۴۳

و بیدار ہو کر اپنی تیاری اور حفاظت میں مشغول ہوں۔ آپ کی جانب سے کوئی چوری اور خیانت نہ ہو، سب معاملہ صاف صاف ہو۔ حق تعالیٰ خیانت کی کارروائی کو خواہ وہ کفار کے ساتھ ہو، پسند نہیں کرتا۔

سُنن میں روایت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور روم میں میعادی معاہدہ تھا۔ میعاد کے اندر امیر معاویہؓ نے اپنی فوجوں کو سرحد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی سرحد سے اس قدر قریب اور پہلے سے تیار رہیں کہ میعاد گزرتے ہی فوراً دھاوا بول دیا جائے۔ جس وقت یہ کارروائی جاری تھی ایک بزرگ سواری پر یہ کہتے ہوئے آئے: "اللہ اکبر، اللہ اکبر، وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ"، یعنی عہد پورا کرو عہد شکنی مت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو کوئی گرہ نہ کھولی جائے نہ باندھی جائے، یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت پوری ہو جائے۔ یا فریق ثانی کو مساویانہ طور پر معاہدہ واپس کیا جائے۔ معاویہؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو اُلٹے واپس آگئے۔ پھر جو دیکھا تو وہ بزرگ ایک صحابی حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔

<u>آیت ۵۹</u>: "نبذ عہد" کا جو حکم اوپر مذکور ہوا، ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر حمل کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت و غدر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے گا۔ اس کا جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو، جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب و رسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں سزا دینا چاہے گا تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے، نہ اس کے احاطۂ قدرت و تسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔

Marfat.com

لہ بار بار عہد توڑنے والوں کو تو عبرت ناک سزا دی جائے جیسا کہ مدینہ کے یہود تھے کہ پہلے انہوں نے بدر میں کافروں کو ہتھیار مہیا کیے پھر معذرت اور معافی تلافی کے بعد جنگ احزاب میں کھلم کھلا دشمنانِ اسلام سے جا ملے۔ یہ تو عہد شکنوں کا حکم تھا۔ مگر جن سے عہد شکنی کا گمان اور خطرہ ہو اور علامات پائی جائیں تو ان کے ساتھ بر سرِ عام معاہدہ ختم کرکے ان کے خلاف کارروائی کی جائے، تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی اور شک واشتباہ باقی نہ رہے اور آپ پر عہد شکنی کا الزام نہ آسکے۔

لہ ان آیات میں پہلی تین آیات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت سے عداوت و قتال کرنے والے ایک خاص کافر فریق کا حال بیان کرتی ہیں۔ اس فریق سے مراد عرب اور مدینہ کے یہودی ہیں۔ چوتھی آیت میں اسی قسم کے عہد شکن لوگوں کا عام حکم بیان کیا گیا ہے اور پانچویں آیت میں ان کی تہدید کے لئے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے محفوظ رکھنے اور ان کی خفیہ سازشوں سے بچانے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ .... وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝

یعنی خدا کے حکم و فیصلہ اور اس کے عدل کے لحاظ سے زمین پر چلنے والی بدترین مخلوق وہ کافر ہیں جن میں دو صفات جمع ہیں :

(۱) کفر پر اصرار و رسوخ جس کی وجہ سے اب اُن سب یا ان کی اکثریت کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی، کیونکہ وہ کفّار کے رئیس اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حاسد ہیں۔ آپ سے عناد رکھتے ہیں اور آپ کے حق و صدق کے علم کے باوجود آپ کی تائید کرنے والی اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والی آیات کا انکار و تکذیب کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے

لہ تفسیر حقانی ج ۴ ص ۲ لہ تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۶۰-۶۱، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۲۱-۲۳

متعلق ارشاد ہوا ہے کہ: یَعرِفُونَہٗ کَمَا یَعرِفُونَ اَبنَآءَھُم اور ان میں سے جو رئیس نہیں وہ اندھے مقلد ہیں۔ محض باپ دادا اور اپنے رئیسوں کی پیروی پر اڑے ہوئے ہیں اور دلائل و آیات میں غور و فکر نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دواب کا لقب دیا ہے، اور اس لفظ کا استعمال چار پایوں پر غالب ہے، اس سے یہ ظاہر فرمانا مدنظر ہے کہ وہ صرف بدترین انسان ہی نہیں بلکہ بے زبان چار پایوں سے بھی گمراہ تر ہیں۔ کیونکہ حیوانات کے بھی بہت سے فوائد و منافع ہوتے ہیں مگر ان لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں، نہ ان سے کسی کو کوئی نفع پہنچتا ہے۔ ایک اور آیت میں اسی قسم کے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: "کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں وہ تو صرف چار پایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر اور گئے گزرے ہیں۔"

(۲) دوسری صفت عہد شکنی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد یہود مدینہ سے ایک معاہدہ فرمایا تھا جس میں ان کے دین و مذہب اور جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی۔ لیکن یہود کے تمام قبائل نے عہد شکنی کی۔

عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت کے یہود سے مراد بنو قریظہ ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شکنی کی اور جنگ بدر میں اسلحے سے کفار کی مدد کی تھی۔ پھر جب بازپرس ہوئی تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے اور ہم سے غلطی ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان سے معاہدہ کیا۔ لیکن انہوں نے پھر عہد توڑا۔ غزوہ خندق (احزاب) میں انہوں نے کفار کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا اور ان کا سردار کعب ابن اشرف بڑے اہتمام سے مکہ گیا اور کفار و مشرکین سے حضور کے خلاف لڑنے پر معاہدہ کیا

Marfat.com

فَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ عہد شکنی میں نہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ انہیں اس بات کا خوف ہے کہ نقضِ عہد کا انجام قتال اور مسلمانوں کی فتح کی صورت میں ہوا اور انہیں قابو میں کر لیا گیا تو پھر کیا ہوگا! پس اگلی آیت میں ان سے معاملہ کرنے کی وضاحت فرما دی گئی ہے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ

پس اگر آپ ان عہد شکنوں کو پائیں اور یہ لوگ میدانِ جنگ و قتال میں قابو میں آ جائیں تو انہیں ایسی شدید عبرت ناک سزا دیجئے جو ان دشمنوں کے ڈر کر بھاگ جانے کا باعث بنے جو ان کے پیچھے ہیں، اور ان کی مثال ان اونٹوں کی مانند ہو جائے جو اپنے ٹھکانوں سے بھاگ جاتے اور دور چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان عہد شکن یہودیوں کی خون ریزی اور انہیں دوسروں کے لئے عبرت و نکال اور مثال بنانے کا حکم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے دیا تاکہ آپ ان کے جھوٹے سے پھر کبھی دھوکا نہ کھائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ فطرۃً رحیم اور صلح پسند تھے اور جنگ کو صرف ایک ناگزیر ضرورت جانتے تھے، جب اس کا سبب دور ہو جاتا تو اسے ترک کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک عام حکم بھی ہے کہ: "اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم خدا پر بھروسہ کر کے اس کی طرف جھک پڑو۔" یہودیوں نے بار بار اس امر کا اظہار کیا کہ وہ صلح کی رغبت رکھتے ہیں۔ انہوں نے عہد شکنی کا عذر بھی بیان کیا اور معافی مانگی۔ لیکن وہ اس معاملے میں دل سے بے ایمان تھے اور دھوکا دینا چاہتے تھے۔

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ: یعنی شاید وہ دشمن جو ان یہود کے پیچھے ہیں، یا ان کے علاوہ ہیں، وہ اس سزا کو یاد رکھیں اور نقضِ عہد سے بچتے رہیں تاکہ قتال کی نوبت نہ آسکے۔

Marfat.com

بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ کسی جنگ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ: "اے لوگو! دشمن سے بھڑ جانے کی آرزو مت کرو اور خدا سے عافیت مانگو۔ مگر جب مقابلہ کی نوبت آجائے تو صبر کرو اور جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔" پھر آپؐ نے یہ دعا مانگی:

"اے کتاب اتارنے والے خدا، اے بادلوں کو چلانے والے خدا اور اے لشکروں کو شکست دینے والے انہیں شکست دے اور ان پر ہمیں فتح بخش"!

اس میں دو چیزوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے:

(۱) لڑائی خدا اور رسولؐ کے نزدیک پسندیدہ چیز نہیں، وہ تو صرف ایک ناگزیر ضرورت ہے جس کے ساتھ بغی و عدوان کو روکا جاتا، باطل کو مٹایا جاتا اور خدا کا حکم بلند کیا جاتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ: "وہ جو جھاگ ہیں وہ ضائع ہو جاتے اور بیکار جاتے ہیں اور لوگوں کو نفع دینے والی جو چیز ہے (پانی) وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔"

(۲) عہد شکن دشمنوں کے ساتھ سنگدلی اور شدت کا برتاؤ کرنا، لڑائی میں ابتداء کرنے والوں کو سخت سزا دینا اور ان کے پچھلوں کو ڈرانے کے لئے انہیں بھگا دینا اور منتشر کر دینا ایک ناگزیر امر ہے تاکہ وہ بھی اور دوسرے بھی عبرت و نصیحت پائیں۔ اور تاکہ یہ لوگ پھر کبھی ایسا نہ کریں نہ اوروں کو عہد شکنی کی ہمت پڑے۔

یہ معاملہ آج کل بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ گو فرق یہ ہے کہ آج کل لوگوں کے پیشِ نظر انتقام اور دل کی آگ بجھانا ہوتا ہے اور وہ لوٹ مار اور منقولہ و غیر منقولہ جائدادوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

عہد شکن دشمنوں کا حال اور حکم بیان فرمانے کے بعد اگلی آیتوں میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے جن کے قول و قرار کا اعتبار نہیں، اور گو انہوں نے

Marfat.com

ابھی عہد نہیں توڑا مگر خطرہ ہے کہ ایسا ضرور کریں گے۔

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ

یعنی اگر کسی معاہد قوم سے خیانت و نقض عہد کا خدشہ ہو، اس کی علامات ظا ہو اور قرائن بتا رہے ہوں کہ وہ عہد توڑ دیں گے، تو ان کی خیانت کے وقوع سے پہلے ہی عہد شکنی کا راستہ قطع کر دو اور انہیں صاف طور پر کہہ دو کہ ہمارا تمہارا کوئی عہد نہیں اور اب ہم پہلے عہد کے پابند نہیں، نہ ہمیں تم سے معاہدہ کا کوئی اہتمام ہے۔ یہ اعلان ایسے واضح طریقے سے ہو کہ اس میں کوئی غلط فہمی اور دھوکا فریب یا پوشیدگی نہ رہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ اسلام خیانت اور نقض عہد کو ہرگز جائز نہیں رکھتا۔

اور اس گزشتہ حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ معاہدے کو برسرعام فسخ کئے اور اس کے لئے اسے غیر مؤثر قرار دئے بغیر ایسے دشمن سے اعلان جنگ جائز نہیں جس سے کہ نقض عہد کا اندیشہ ہو۔ فسخ معاہدہ کا اعلان ایسا واضح اور صاف ہو کہ تم بھی اور تمہارے دشمن بھی اسے برابر جان لیں۔ تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں یا یہ نہ کہہ سکیں کہ تم نے بلاوجہ اعلان جنگ کر کے عہد کو توڑا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ : یعنی خیانت اپنی تمام اقسام سمیت خدا کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ہے، اور کفار کی طرف سے جب خیانت کی علامات ظاہر ہوں تو اس کے ضرر سے بچنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ علی الاعلان ان کے عہد کو فسخ کر دیا جائے۔

بیہقی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ: "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلم و کافر برابر ہیں۔ جس سے تم معاہدہ کرو اسے پورا کرو چاہے وہ مومن ہو چاہے کافر، کیونکہ عہد تو اللہ کے لئے ہے۔ اور جس سے تمہاری رشتہ داری اور قرابت ہے اس سے صلۂ رحمی کرو

Marfat.com

خواہ وہ مسلم ہو خواہ کافر۔ اور جو شخص تمہیں کوئی امانت دے اسے واپس ادا
کرو، چاہے وہ مسلم ہو چاہے کافر۔"

اس کے بعد اگلی آیت میں ان خیانت کاروں کو اس عذاب اور سزا سے ڈرایا ہے جو عنقریب ان پر واقع ہوگا۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ ہم سے بچ نکلے ہیں اور اپنی عہد شکنی اور شرارت کے انجام سے بچ گئے ہیں۔ قرآن میں اسی طرح کی ایک اور آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: کیا برائیاں کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان سے بچ نکلے ہیں؟ اگر یہی ان کا فیصلہ ہے تو بہت برا فیصلہ ہے۔"

اِنَّہُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ۔ وہ اللہ کو عاجز نہ کر سکیں گے اور اپنے مکر و خیانت کے ذریعہ اس سے بچ نہ سکیں گے، بلکہ وہ عنقریب انہیں سزا دے گا۔ ان پر اپنے رسول اور اہل ایمان کو مسلط کر دے گا اور انہیں سازشوں کے انجام اور نتیجہ سے دوچار کرے گا۔ اسی کا ہم معنی ایک اور آیت بھی ہے: "تم جان رکھو کہ تم خدا کو تھکا نہ سکو گے اور اللہ کافروں کو ذلیل کر کے رہے گا۔"

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ کافر اگر فسخ عہد یا نقض عہد سے فائدہ اٹھانا اور مومنوں پر غلبہ پانا چاہتے ہیں تو انہیں یہ امیدیں ختم کر دینی چاہئیں۔ ایسا ہرگز نہ ہونے دیا جائے گا۔

ان آیات میں اسلام کے اس واجبی حکم کی طرف اشارہ ہے کہ ان دشمنوں سے کئے ہوئے معاہدوں کی بھی حفاظت و نگرانی کی جائے جو دین میں ہمارے مخالف ہوں۔ اور اسلام نے خیانت و نقض عہد کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اسلام کی محافظت تمہارے ضعف و عجز کی بنا پر نہیں بلکہ قوت و تائید الٰہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عہد شکن اور خائن یہودیوں پر اپنے پیغمبرؐ اور ایمان والوں کو فتح دی تھی اور جو تلوار سے بچ گئے تھے انہیں دارالاسلام کے قرب سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

لہ سورۃ الانفال کے آخری قطعہ میں صلح و جنگ کے قواعد مسلم و غیر مسلم

لہ فی ظلال القرآن صفحہ ۴۴-۴۷

معاشروں کے خارجی تعلقات مسلم معاشرے کا داخلی نظم و ضبط، مختلف احوال میں عہد و میثاق کے بارے میں اسلام کا نظریہ اور اسی طرح خون، جنس، زمین اور عقیدہ کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس قطعہ کے قواعد و احکام میں سے بعض تو بالکل آخری اور انتہائی ہیں اور بعض کا تعلق اس مرحلے سے مخاطب ہیں سے اس وقت مسلم معاشرہ بالفعل گزر رہا تھا اور پھر اگلی سورۃ (توبہ) میں ان مرحلاتی احکام پر آخری اور انتہائی تعدیلات نازل کی گئیں جب کہ حضورؐ کی مدنی زندگی کا آخری دور شروع ہوا تھا۔

زیر تفسیر آیات میں دو حکم بیان فرمائے گئے ہیں، جو اسلام کے بنیادی معاشرتی و سیاسی احکام میں سے ہیں۔

(۱) جو لوگ اسلامی جماعت سے معاہدہ کرتے اور پھر اسے توڑنے کے مرتکب ہوتے ہیں وہ بدترین جانور ہیں۔ اس لئے ضروری ہے مسلم جماعت ان کی ایسی مناسب سرکوبی کرے جس میں عبرت و نصیحت اور انہیں اور ان جیسے اور لوگوں کو ڈرانا اور نقض عہد کے انجام بد سے عبرت دلانا مد نظر ہو۔

(۲) اسلامی قیادت جن معاہدین سے نقض عہد اور خیانت کا خوف رکھتی ہے ان کے معاہدوں کو برسر عام فسخ کرنے کا اعلان کرنا لازم ہے۔ اس کے بعد اسلامی قیادت انہیں سزا دینے، عبرتناک نصیحت دینے اور ان سے جنگ و قتال کرنے کی کھلی مجاز ہے۔

مدینہ کی نوزائیدہ مسلم مملکت اور مسلم قیادت و جماعت اس وقت جن حالات سے گزر رہی تھی، یہ آیات اس پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس وقت اور ان حالات کے مناسب احوال احکام سے مسلم قیادت کو مالا مال کیا گیا تاکہ پیش آمدہ حالات میں صحیح فیصلے کئے جائیں اور درست طریق کار اختیار کیا جائے۔ یہ بنیادی احکام ہیں جو مسلم اور غیر مسلم معاشرے کے خارجی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آگے چل کر ان احکام میں کچھ ضمنی تکمیلات و تعدیلات تو ہوئیں (سورۃ توبہ میں) مگر

Marfat.com

بنیادی طور پر اسلامی حکومت کے معاملات کی بنیاد انھیں پر قائم رہی۔
یہ آیات ثابت کرتی ہیں کہ مختلف معاشروں اور حکومتوں کے درمیان عہد و پیمان کا قائم کرنا ممکن ہے۔ اور حتی الوسع ان معاہدوں کو ٹوٹنے سے بچانا ضروری ہے۔ اسلام ان معاہدوں کو پورا احترام اور حقیقی وزن عطا کرتا ہے۔ مگر جب دوسرا فریق ان معاہدوں کو اپنی خیانت، غداری اور عہد شکنی کا پردہ بنائے اور حملہ آوری یا نقض عہد کی تیاریاں کرنے لگے تو مسلم قیادت کا فرض ہے کہ ان معاہدوں کو علی الاعلان فسخ کر دے اور اس کی اطلاع باضابطہ طور پر دوسرے فریق کو دے دے۔ تاکہ ان عہد شکنوں پر ضرب لگانے اور انھیں سزا دینے کا مناسب وقت تلاش کر سکے۔ اور یہ ضرب اتنی شدید، اتنی عبرتناک اور ایسی تند و تیز ہونی چاہیئے کہ آئندہ کسی کو نقض عہد کی جرأت نہ ہو سکے۔ اور کوئی غدار فریق خفیہ یا علانیہ طور پر مسلم جماعت کو چھیڑنے اور ان سے عہد شکنی کرنے سے قبل سو مرتبہ انجام کو سوچ لیا کرے۔ رہے وہ لوگ جو اسلامی جماعت کے ساتھ صلح و صفائی کے ساتھ رہنا چاہیں، دعوت اسلامی سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں، اسے ہر کان تک پہنچانے میں حائل نہ ہوں، ایسے لوگوں کے ساتھ اسلامی قیادت اس وقت تک صلح و صفائی سے رہے گی جب تک ان کے ظاہری احوال صلح پسندی کی تائید کرتے رہیں گے۔

آگے چل کر سورۂ توبہ میں ان حالات کی آخری اور انتہائی تنظیم کی گئی۔
امام ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں مدینہ کے احوال و ظروف اور اس میں مسلم قیادت کے احوال و واقعات پر مختصر تبصرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپؐ کے ساتھ معاملہ کے لحاظ سے کفار کی تین قسمیں ہو گئیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی تھی جنہوں نے آپ سے مصالحت اور معاہدہ کر لیا کہ وہ آپؐ سے نہ لڑیں گے، نہ آپؐ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے اور نہ آپؐ کے دشمنوں سے موالات رکھیں گے

ان لوگوں کو کفر کے باوجود مال و جان کی امان اور حفاظت مہیا کی گئی۔ دوسری قسم کے وہ لوگ تھے جو آپؐ سے لڑے اور دشمنی کے لئے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو نہ آپؐ سے لڑے نہ معاہدہ و مصالحت کی بلکہ اس انتظار میں رہے کہ آپؐ کی اور اسلام کے دشمنوں کی کشمکش کا انجام کیا ہوتا ہے۔ آخری قسم کے ان لوگوں میں بعض دل سے آپؐ کا غلبہ اور فتح چاہتے تھے، بعض آپؐ کے دشمنوں کے غلبہ اور کامیابی کے آرزومند تھے اور بعض وہ تھے جو اندر سے دشمنوں کے ساتھ تھے لیکن بظاہر آپؐ کی جماعت میں شامل ہو گئے تاکہ مومن و کافر دونوں فریقوں سے امن میں رہیں۔ یہ آخری قسم کے لوگ منافق تھے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بامر خداوندی ہر فریق کے ساتھ اس کے مناسب حال معاملہ فرمایا۔"

جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ و مصالحت کی ان میں سے یہود مدینہ کے تین گروہ بھی تھے یعنی بنو قینقاع، بنو النضیر، اور بنو قریظہ۔ اسی طرح مدینہ کے آس پاس کچھ مشرک قبائل بھی تھے جن کے معاہدے ہوئے۔

ظاہر ہے کہ یہ احوال و اوضاع دائمی نہیں تھے بلکہ مؤقت (ہنگامی و وقتی) تھے اور ان سے غرض یہ تھی کہ پیش آمدہ حالات میں مناسب صورتیں اختیار کی جائیں۔ اسلامی حکومت کے خارجی تعلقات میں یہ آخری انتہائی اوضاع و احوال نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر ان احکام میں متواتر تبدیلیاں کی گئیں یہاں تک کہ سورۂ البراءۃ کے نازل شدہ احکام کے ساتھ یہ اوضاع و احوال انتہائی طور پر مستقر ہو گئے۔

ہم نے سورۂ الانفال کی تفسیر میں (جزء ۹) اوپر امام ابن القیمؒ کی کتاب زادالمعاد سے ایک نہایت مفید اقتباس نقل کیا تھا، مناسب ہو گا کہ اس پر پھر ایک دفعہ نظر ڈال لی جائے تاکہ مسلم جماعت کے مدینہ میں داخلہ

Marfat.com

خارجی تعلقات پر پھر ایک مرتبہ روشنی پڑ جائے۔

امام ابن القیمؒ کی اس تلخیص جیّد کی مراجعت سے، سیرت نبویؐ کے حوادث و واقعات کی مراجعت سے اور ان سورتوں اور آیات کی تاریخ نزول سے جن میں یہ (صلح و قتال اور معاہدہ وغیرہ) کے احکام ہیں، ہم پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سورۃ الانفال کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں، یہ اس درمیانی مرحلہ کی تصویر پیش کر رہی ہیں جو مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی عہد اور سورۃ توبہ کے نزول کے بعد والے انتہائی عہد کے درمیان واقع تھا۔ ان آیات کو اس روشنی میں پڑھنا چاہیئے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ گو ان آیات میں بعض بنیادی قواعد و احکام دیئے گئے ہیں مگر یہ آیتیں انہیں بالکل آخری اور انتہائی صورت میں پیش نہیں کرتیں۔ کیونکہ انتہائی صورت تو سورۂ توبہ نے پیش کی تھی اور ان کی عملی تطبیقات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے آخر میں آئی تھیں۔ جیسا کہ عنقریب یہ مضمون آرہا ہے۔

پس ان آیات کے مضمون کا سامنا کرنے کے لئے اوپر بیان کردہ مضمون کی روشنی ضروری ہے!

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللّٰہِ .... ھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ : دواب کا لفظ زمین پر چلنے والے جانداروں پر بولا جاتا ہے جن میں آدمی بھی داخل ہیں۔ لیکن یہ لفظ جب آدمیوں پر بولا جائے تو ایک خاص معنے کی وضاحت کرتا ہے وہ یہ کہ ایسے لوگ بہائم اور حیوانات ہیں۔ پھر انہیں شرّ الدّواب فرمایا گیا ہے۔ ان سے مراد وہ ہٹ دھرم اور اندھے کافر ہیں جو ایمان کی طرف بالکل نہیں لوٹتے، بار بار عہد شکنی کرتے ہیں اور ایک بار بھی خدا کا خوف نہیں کرتے۔

ان آیات سے کون سے کافر مراد ہیں؟ بنو قینقاع کے یہود؟ یا

Marfat.com

یہود بنی نضیر ؟ یا ان میں سے بنو قریظہ ؟ یا مدینہ کے آس پاس کے بعض عہد شکن مشرک قبائل ؟ متعدد روایات وارد ہیں جن میں سے بعض میں ایک فریق کا، بعض میں دوسرے کا، بعض میں تیسرے حتیٰ کہ چوتھے کا ذکر بھی آیا ہے لیکن یہ نقل اور تاریخی واقعات دونوں یہ احتمال رکھتے ہیں کہ یہ سب فریق ہی یہاں مراد ہیں۔ کیونکہ یہود مدینہ نے باری باری عہد شکنی کی تھی اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ مدینہ کے اردگرد کے مشرک قبائل نے بھی عہد توڑا تھا۔
پس اہم بات یہ ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ یہ آیات ایک ایسے واقعہ کا بیان کرتی ہیں جو بدر سے کچھ پہلے یا اس کے بعد (جب کہ یہ آیات اتریں) پیش آیا تھا کہ عہد شکن کفار کی دائمی اور قائم و ثابت صفات یہ ہوتی ہیں۔
بتایا جا رہا ہے کہ یہ کافر کفر میں ایسے گھسے ہیں کہ اس سے باہر نہیں آتے ان کی فطرت فاسد ہو چکی ہے اس لئے خدا کے ہاں یہ بدترین حیوان بن گئے ہیں یہ ہر مرتبہ عہد کو پکا کرتے اور پھر توڑ دیتے ہیں۔ اس طرح یہ انسانیت کی ایک خصوصیت، یعنی عہد و پیمان کی پابندی، سے مجرد و بری ہو چکے ہیں۔ جانوروں کی مانند ہر قید اور ہر پابندی سے آزاد ہو گئے ہیں۔ بلکہ حیوانات تو اپنی فطرت کے ضوابط سے مقید ہیں یہ ان سے بھی آزاد ہیں۔ پس اس طرح خدا کے نزدیک یہ بدترین حیوان ہوئے۔
پھر فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ جن کے عہد و پیمان اور حلف و جوار پر کوئی شخص مطمئن نہیں ہو سکتا، ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں بھی امن سے محروم کر دیا جائے جس طرح انہوں نے دوسروں کو بدامنی کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں ڈرایا دھمکایا جائے۔ عبرت ناک سزا دی جائے۔ ان کے ہاتھوں پر ایسی چوٹ لگائی جائے جو صرف انہی کو نہ ڈرائے، بلکہ ان جیسے اور لوگ جو ان کے پیچھے ہیں انہیں بھی خوف میں مبتلا کر دے۔
قرآن کی یہ تعبیر : فشرد بہم من خلفہم بڑی عجیب تعبیر ہے

Marfat.com

یہ جو تصویر کھینچتی ہے وہ ڈراؤنی گرفت کی تصویر ہے، کپکپا دینے والے رعب کی تصویر ہے جس کا صرف سُن پانا ہی خوف زدہ ہونے اور بھاگ جانے کے لئے کافی ہے۔ پھر اندازہ کر لو کہ جس پر یہ ہولناک سزا نافذ ہوگی اس کا کیا حال ہوگا؟ حضورؐ کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ ایک طرف تو اسلامی معاشرہ امن و سلامتی سے رہ سکے اور دوسری طرف اس کے خلاف خروج و بغاوت کرنے والوں کی ہیبت کو ختم کیا جا سکے اور اسلام کی راہ میں کھڑا ہونے کی تدبیر سوچنے والے ہر قریب و بعید کو ایسا کرنے سے روکا جا سکے۔

اس لفظ میں دین اسلام کی فطرت و طبیعت پیش کی گئی ہے اور اس تصویر کا مسلم جماعت کے دل میں مستقر ہونا واجب ہے۔ اس دین کی ہیبت و رعب کا پایا جانا ناگزیر ہے، اس کے پاس قوت و سطوت ہو تاکہ اس کے رعب سے طاغوتوں پر کپکپی طاری رہے تاکہ وہ اسلامی دعوت کا راستہ نہ روک سکیں جب وہ کائنات ارضی میں انسان کو ہر طاغوت کی غلامی سے چھڑانے کو آگے بڑھے تو کسی کو اس کو منہ آنے کی جرأت نہ ہو۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس دین کا طریقہ طاغوت کی قوتوں میں سے مادی مصائب و مشکلات کے سامنے محض دعوت و تبلیغ کا طریقہ ہے وہ اس دین کی فطرت سے قطعاً نا آشنا ہیں! یہ تو پہلا حکم تھا جس کا تعلق ایسی حالت کے ساتھ ہے کہ اسلامی جماعت و قیادت سے کئے گئے عہد و پیمان توڑ دیئے جائیں، پس اس صورت میں عہد شکن لوگوں پر فیصلہ کن اور خوفناک چوٹ لگانا فرض ہے جس سے وہ بھی اور دوسرے اس قسم کے لوگ بھی کانپ اٹھیں۔

دوسرے حکم کا تعلق اس حالت سے ہے جب کہ نقض عہد کا ارادہ کرنے والی قوم سے کچھ ایسی علامات ظاہر ہوں گی، کچھ ایسے افعال سرزد ہوں گے جس سے پتہ چل جائے گا کہ یہ لوگ عہد شکنی پر تلے بیٹھے ہیں۔ پس وہ حکم یہ ہے:

Marfat.com

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَاءٍ الخ :

اسلام عہد کی حفاظت و پابندی کے لئے معاہدہ کرتا ہے۔ مگر جب فریق ثانی سے خیانت کا خوف ہو تو علی الاعلان اس عہد کو فسخ کر دیتا ہے، اور خیانت و بدعہدی کا روادار نہیں ہوتا۔ نہ وہ عہد کا فریب اور سازش کرتا ہے، بلکہ صاف صاف کھلے لفظوں میں پکار کر کہہ دیتا ہے کہ ہم نے ان کے عہد سے ذمہ داری ہٹا لی ہے۔ اور ہمارے اور ان کے درمیان اب کوئی عہد و پیمان باقی نہیں رہا۔ اس طرح اسلام بشریت کو شرف و استقامت اور امن و اطمینان کے آفاق میں بلند کر دیتا ہے۔ وہ دوسروں پر غدر و خیانت اور فجور و خداع سے رات کو چھپ کر چڑھائی نہیں کرتا، درآں حالیکہ وہ عہد و پیمان پر مطمئن اور پر امن ہوں۔ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ عہد و پیمان کے باعث ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان عہد شکنی اور بدعہدی کا امکان نہیں۔ وہ ان لوگوں کو خوف زدہ نہیں کرتا جو آنے والی صورت حالات کا مقابلہ کرنے کو تیار نہ ہوں، حتیٰ کہ اگر وہ ان سے خیانت کا خوف بھی رکھتا ہو تب بھی سازش نہیں کرتا۔ ہاں عہد کے ختم ہو جانے کا اعلان کرنے کے بعد وہ ہر جائز صورت اختیار کرے گا کیونکہ جنگ نام ہی چال بازی اور ہوشیاری کا ہے۔ اس وقت دشمن ہوشیار ہو چکا ہو گا۔ اس حالت میں اگر کوئی جنگی چال چلی جائے تو یہ غدر و خیانت نہیں بلکہ دشمن کی غفلت کہلائے گی۔ اس حالت میں جنگی چالوں کے تمام جائز وسائل مباح ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ غدر و خیانت اور بدعہدی نہیں۔

اسلام انسانیت کو بلند کرنا اور اسے عفیف بنانا چاہتا ہے لہٰذا غلبہ پانے کے لئے غدر و خیانت کو جائز نہیں رکھتا۔ چونکہ اس کے سامنے بلند ترین اور اعلیٰ ترین مقاصد ہیں لہٰذا وہ ان اچھے مقاصد کے حصول کے لئے خسیس ذرائع اختیار کرنے کا روادار نہیں ہے۔

Marfat.com

اسلام خیانت کو ناپسند کرتا ہے اور عہد شکنی کرنے والے خائنوں کو حقیر جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کسی بلند سے بلند اور اچھے سے اچھے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ مسلمانوں کو امانت میں خیانت کی اجازت نہیں دیتا۔ انسانی نفس ایک ہی ہے جس کا تجزیہ و تقسیم ناممکن ہے۔ لہذا جب وہ اپنے لئے کوئی خسیس وسیلہ حلال سمجھ لے تو ممکن نہیں کہ بلند مقصد کی محافظت کر سکے۔ وہ شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جو مقصد کی اچھائی سے وسیلے اور ذریعے کی برائی کی تلافی کرے۔ یہ چیز اسلامی احساس کے لئے بالکل بے گانہ اور غیر ہے۔ کیونکہ انسانی نفس کی تکوین اور اس کے جہان میں وسائل و مقاصد کے اندر کوئی جدائی نہیں، خوبصورت اور شاداب ساحل مسلمان کو اس پر آمادہ نہیں کرتا کہ وہ کیچڑ کے تالاب میں گھس جائے! کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر کار لتھڑے ہوئے پاؤں اس خوبصورت ساحل کو بھی ملوث کر ڈالیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیانت اور خائنوں کو ناپسند کرتا ہے

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ٥

یہاں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ جب یہ احکام اُترے تھے تو انسانیت ساری کی ساری اس روشن اور چمکدار امر کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ اس زمانے میں لڑنے والوں کا قانون "جنگل کا قانون" تھا، قوت کا قانون دنیا میں کارفرما تھا، ایسی قوت کہ جب اسے قدرت ملے تو وہ کسی پابندی کو قبول نہ کرتی تھی۔ یہ بیان کرنا بھی لازم ہے کہ اس کے بعد بھی اٹھارہویں صدی عیسوی تک تمام جاہلی معاشروں میں جنگل کا قانون ہی حاکم و فیصلہ کن رہا کیا ہے۔ یورپ اس وقت تک ملکی اور سیاسی معاملات میں سے صرف وہ جانتا تھا جو اس نے عالم اسلامی کے ساتھ تعامل کے اثناء میں سیکھے تھے۔ پھر وہ عملی دنیا میں اب تک اس بلند افق تک بلند نہیں ہوا جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ اب بھی یورپ نظری طور پر ایک چیز کو پہچانتا ہے جس کا

Marfat.com

نام "بین الاقوامی قانون" ہے مگر اب بھی وہ اس بلندی تک نہیں پہنچا۔ وہ لوگ جنہیں قانون کے پیشے میں یورپ کی فنی ترقی حیرت میں ڈالتی ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ اسلام اور موجودہ تمام نظاموں کا تقابل کر کے حقیقت واقعی کو معلوم کریں۔

اس پاکیزگی اور نظافت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ایمانداروں سے مدد کا وعدہ کرتا ہے اور کفر و کفار کا معاملہ ان کی نظر میں معمولی بنا کر پیش کرتا ہوا فرماتا ہے کہ: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ٥ غدر و خیانت کے خفیہ مشورے انہیں بچ نکلنے کی فرصت نہ دیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اکیلا نہ چھوڑے گا اور خائنوں کو ان کی خیانت و غداری کے باعث بچ کر نہ جانے دے گا۔ جب اللہ کافروں کو مغلوب کرنا چاہے گا تو وہ اس کے ہاتھ سے نکل نہ سکیں گے۔ وہ مسلمانوں کو بھی کمزور نہ کر سکیں گے دراں حالیکہ اللہ ان کا مددگار ہے!

پاک وسائل والے جب اخلاص نیت سے کام لیں تو انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ خسیس وسائل والے ان پر سبقت نہ لے جا سکیں گے۔ ان کا غلبہ اللہ کی وجہ سے ہے جس کا کام وہ اس زمین میں کرتے ہیں اور جس کا کلمہ وہ لوگوں میں بلند کرتے ہیں۔ جس کا نام لے کر وہ آگے بڑھتے اور لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر جس کی بندگی اور غلامی میں داخل کرنے کے لئے جہاد کرتے ہیں۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے لئے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے

الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ

گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر

Marfat.com

مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا

ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے اور جو

تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ

کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ

اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک

لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾

اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر، بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۗ

اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو کافی ہے اللہ

هُوَ الَّذِيْ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

اسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۗ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور الفت ڈالی ان کے دلوں میں۔ اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا

مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۗ

تو الفت نہ ڈال سکتا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں

Marfat.com

اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (٦٣)

بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا

اعداد: مستقبل کے لئے کسی چیز کو تیار کرنا۔ رِبَاط اور مربط: وہ رسی جس سے جانور کو باندھا جاتا ہے۔ رِبَاطُ الْخَیل کا معنی ہے ان کی پرورش اور غور و پرداخت کرنا۔ ارہاب و ترہیب کا معنی ہے کسی کو رہبتہ میں ڈالنا' رہبت کا معنی خوف مع الاضطراب ہے۔ جنح کا معنی ہے جھکنا' مائل ہونا' جنحت الشمس للغروب کا معنی ہے کہ وہ مغربی افق کی طرف مائل ہوا۔ السلم سین کی فتح و کسرہ دونوں کے ساتھ اور السلام کا معنی ہے صلح اور یہ لفظ جنگ کی ضد ہے۔ بولا جاتا ہے۔ اسلام صلح و سلامتی کا دین ہے اسی لئے اُسے اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً میں سلم فرمایا گیا ہے۔ حسبك الله یعنی اللہ تجھے کافی ہے اور ان کے مقابلہ میں وہ تیری مدد کرے گا۔

: پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح یہود نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے کئے اور پھر ازراہ غدر و خیانت انہیں توڑ دیا اور اسلام کے خلاف ان مشرکوں کی مدد کی جنہوں نے حضور کو وطن سے نکالا تھا اور پھر دین کو مٹانے کے لئے لشکر چڑھا لائے تھے۔ اس طرح یہود اور مشرک برابر ہو گئے تھے۔ اب غدر و خیانت اور ابتدائے قتال کے باعث ان سے جنگ ناگزیر تھی لہذا ان آیات میں جنگ کی تیاری کا حکم دیا گیا اور اثنائے قتال میں جو معاملات پیش آنے والے تھے ان کا فیصلہ فرمایا۔ انسانی علم الاجتماع کی سُنن میں سے یہ ایک ناگزیر سنت ہے کہ حق و باطل اور قوت و ضعف کے درمیان جنگ ہو کر رہے۔ اس سے

لہ تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۲۳ ۔ ۲۴

Marfat.com

چارہ نہیں ہے!

آیت ۶۰[1]: خدا پر بھروسہ کرنے کا یہ معنی نہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے، نہیں، بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامانِ جہاد فراہم کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامانِ جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آب دوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ (مختلف قسم کے بم، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم وغیرہ) کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش کرنا وغیرہ بھی سب سامانِ جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلاتِ حرب و ضرب تیار ہوں، انشاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں۔ باقی گھوڑے کے متعلق تو آپؐ خود ہی فرما چکے کہ: الخیلُ معقودٌ فی نواصیہا الخیرُ الیٰ یوم القیامہ۔ یعنی قیامت تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے اور احادیث میں ہے کہ جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے، اس کے کھانے پینے بلکہ ہر قدم اٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اس کی خوراک وغیرہ تک، قیامت کے دن ترازو میں وزن کی جائے گی!

پھر فرمایا ہے کہ یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھانے کا ایک ظاہر سبب ہے، باقی فتح و ظفر کا اصلی سبب تو خدا کی مدد ہے جو پہلے بیان ہو چکی۔ اور وہ لوگ جن کو بالیقین تم نہیں جانتے منافقین ہیں جو مسلمانی کے پردہ میں تھے۔ یا یہود بنی قریظہ یا روم و فارس وغیرہ وہ سب قومیں جن سے آئندہ مقابلہ پیش آنے والا تھا۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ الخ یہ مالی جہاد کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جہاد کی تیاری میں جس قدر مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یعنی ایک درہم

---

[1] فوائد القرآن ص ۲۳۸، ۲۳۹

Marfat.com

کے سات سو درہم وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَن یَّشَآءُ اور بسا اوقات دنیا میں اس سے کہیں زیادہ معاوضہ مل جاتا ہے۔

آیت ۶۱: مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں۔ تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھا دیں۔ کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے۔ اگر بدون خوں ریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے؟ اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردے میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروا نہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھیئے۔ وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے۔ اس کی حمایت کے سامنے ان کی بدنیتی نہ چل سکے گی۔ آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔

آیت ۶۲: اگر صلح کر کے وہ لوگ دغابازی اور عہد شکنی کا ارادہ کریں تو فکر نہ کیجئے، خدا آپ کی مدد کے لئے کافی ہے، وہ ان کے سب فریب و خداع بیکار کر دے گا۔ اُسی نے بدر میں آپ کی غیبی امداد فرمائی اور ظاہری طور پر جاں نثار و سرفروش مسلمانوں سے آپ کی تائید کی۔

آیت ۶۳: اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے۔ دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی مدینہ کے دو زبردست قبیلوں اوس اور خزرج کی حریفانہ نبرد آزمائی اور دیرینہ عداوت و بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور عزت و آبرو کا بھوکا تھا۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے۔ لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرالیا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق

Marfat.com

کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے لئے حضورؐ کی ذاتِ قدسی صفات کو مطمح نظر بنا لیا۔ وہ آپؐ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپؐ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الٰہی و رحبِ نبویؐ کی روح پھونک دے اور شرابِ توحید کا متوالہ بنا کر سب کو یک دم اخوت و الفت باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم ناخریدہ غلام اور عاشقِ جاں نثار بنا دیتی، جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی۔ بلا شبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا تھا جو اللہ کی رحمت و عنائت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو دفعۃً ایسا پلٹ دینا خدا کی زور آور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت و الفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمالِ حکمت کی دلیل ہے۔

[۱] چالاک کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو گئے، وہ ہمارے قابو میں ہیں ہم ان سے عاجز نہیں۔ مگر اے اہل اسلام بظاہر تم بھی ان کے مقابلہ میں جہاں تک قوت بہم پہنچ سکے پہنچاؤ۔ آنحضرتؐ کے عہد میں علاوہ "رباط الخیل" یعنی گھوڑے پالنے کے تیر اندازی بھی عمدہ قوت تھی۔ مگر اس زمانہ میں بجائے اس کے عام مسلمانوں کو قواعد سکھلانا، عمدہ اور نو ایجاد توپیں بندوقیں، دخانی اور ہوائی جہاز اور دیگر ہر قسم کا جدید ترین سامانِ حرب بہم پہنچانا، عمدہ موقعوں پر قلعے بنانا، خندقیں کھودنا، ریل اور تار برقی لگانا وغیرہ

---

[۱] تفسیر حقانی ج ۴ ص ۲۰۰، ۲۰۱

Marfat.com

فرض کفایہ ہے۔ اس قوت کا فائدہ دشمنوں کو خوف دلانا ہے کیونکہ اعدائے دین نہ کسی علم سے ڈرتے ہیں نہ کسی معاہدہ سے، نہ کسی صنعت و حرفت سے ڈرتے ہیں نہ جدید لباس و عادات سے، بلکہ وہ تو جنگی قوت سے ڈرتے ہیں جس کے پاس یہ قوت ہے اسی کی عزت ہے اور اسی کا عہد مضبوط ہے۔ اس میں جو کچھ مسلمانوں کا صرف ہوگا اس کا اجر اللہ کے ہاں سے پورا ملے گا۔ پھر اگر اس طاقت و شوکت کے بہم پہنچانے کے بعد وہ لوگ صلح پر آمادہ ہوں تو صلح و آشتی کر لیجیئے اور اللہ پر بھروسہ کیجیئے۔ ان کے مکر و کید سے وہی آپ کو محفوظ رکھے گا۔ آپ کے لئے اللہ کافی ہے جس نے آپ کی بغیر ظاہری اسباب کے اور مومنوں کی اس جماعت سے مدد کی ہے۔

خدا نے ہی ان ایمانداروں کے دلوں میں الفت ڈالی ہے یہ کسی کے اختیار کی بات نہ تھی۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے، جس طرح تمام روئے زمین پر کفر و بت پرستی محیط تھی وہ تاریخ سے ظاہر ہے حد یہ ہے کہ اہلِ کتاب بھی شرک میں مبتلا تھے۔ اسی طرح عرب میں بت پرستی شراب خوری اور زناکاری کے رواج کے علاوہ باہمی عداوت اور خانہ جنگی کا بھی کوئی حد و حساب نہ تھا۔ جہاں کسی نے ایک قبیلہ کے لڑکے کو طمانچہ مار دیا دوسرا قبیلہ ان پر چڑھ آیا۔ پھر یہ آتشِ جنگ قرنوں تک فرو نہ ہوتی تھی۔ مدینہ کے اوس و خزرج نامی قبائل میں صدیوں سے عداوت و خانہ جنگی اور کشت و خون کا سلسلہ قائم تھا۔ جونہی عرب میں آفتابِ نبوت طلوع ہوا اور اس نے اپنی کرنوں سے جہان کو منور کیا، عرب کی عداوتیں اور خانہ جنگیاں مٹ گئیں اور ان کے بجائے ان میں محبت و اتفاق پیدا ہو گیا۔ یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو عملاً تمام انبیائے سلف کے معجزات کا عطر ہے۔ عزیز و حکیم سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو روم و ایران پر غلبہ دیا جائے گا اور آسمانی سلطنت کا جھنڈا دُور دُور تک لہرائے گا۔

Marfat.com

مسند احمد[1] کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے اَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ کی تفسیر میں قوت سے مراد تیر اندازی لی اور منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دو مرتبہ اس کی تاکید فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ تیر اندازی کیا کرو، شہ سواری کی مشق کیا کرو اور تیر اندازی گھوڑ اسواری کی مشق سے بہتر ہے (وجہ یہ کہ میدانِ جنگ میں تو پیدل بھی لڑا جا سکتا ہے لیکن فنونِ جنگ کے بغیر چارۂ کار ہی نہیں!) صحیح احادیث میں رباط الخیل یعنی گھوڑوں کی پرورش کے بہت فضائل آئے ہیں۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ گھوڑ دوڑ پر شرطیں لگانے اور جوئے بازی کے گھوڑے بدترین اور شیطانی گھوڑے ہیں۔ جہاد کی نیت سے پالے ہوئے گھوڑے بہترین ہیں۔ اور سواری کے لئے پالا ہوا گھوڑا عزت و آبرو کا باعث ہے۔

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ : یعنی نہ صرف موجودہ اور علانیہ دشمنوں کے لئے آلات اور فنونِ جنگ کی مہارت بہم پہنچانا ضروری ہے بلکہ کچھ اور دشمن ہیں جن کے خوف دلانے اور قتال کے لئے ایسا کرنا لازم ہے یعنی یہودی فارس والے اور دیگر محل نشیں شیاطین۔ اور ان سے مراد منافقین بھی لئے گئے ہیں۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ : بخاری و مسلم میں ہے کہ غزدۂ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تھا کہ اے گروہِ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں پا کر خدا کی مہربانی سے راہِ راست نہیں دکھائی؟ کیا تم فقیر نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کر دیا تم جدا جدا تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہارے دل باہم ملا دیئے۔ آپ کی ہر بات پر انصار بیشک بیشک کہتے جاتے تھے۔ (اس خطبہ کا باعث حدیث میں یہ لکھا ہے کہ بعض جوشیلے نوجوان انصار کی زبان سے غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں کچھ نامناسب باتیں نکل گئی تھیں، اس پر حضورؐ نے انصار کو جمع کر کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر پ ۱۰ ص ۱۶-۱۹

Marfat.com

یہ خطبہ دیا تھا اور انصار سے فرمایا تھا کہ کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ اور لوگ اونٹ بکریاں اور مالِ غنیمت لے کر اپنے گھروں کو جائیں گے اور تم رسول اللہ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ گے؟ اس پر انصار دھاڑیں مار کر رو دئے اور "ہم راضی ہیں، ہم راضی ہیں" کہنے لگے۔ مؤلف)

عبداللہ بن عباس کا فرمان ہے کہ قرابت داری کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے مگر دلوں کے میل محبت جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔ ایک عرب شاعر کا قول ہے کہ میں نے خوب آزما کر اور لوگوں میں رہ کر دیکھ لیا ہے کہ دلوں کی الفت و محبت رشتہ داری سے بھی بڑھ کر ہے۔

عبدہ ابن ابی لبابہ کہتے ہیں کہ میری ملاقات امام مجاہدؒ سے ہوئی۔ آپ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا کہ جب دو شخص خدا کی راہ میں محبت رکھنے والے باہم ملتے ہیں اور بہ خندہ پیشانی مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کے گناہ درخت کے خشک پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ کام تو بہت آسان ہے۔ فرمایا یوں مت کہو یہی تو وہ الفت ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر آپ روئے زمین کے خزانے خرچ کر ڈالتے تب بھی اپنے صحابہ میں وہ الفت نہ ڈال سکتے جو اللہ نے ایمان و عقیدہ کی وجہ سے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے۔ عبدہ کہتے ہیں کہ مجاہد کے اس قول سے میں نے جان لیا کہ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ (دین کو سمجھنے والا) ہیں۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ سب سے پہلی چیز جو لوگوں میں سے اٹھ جائے گی وہ یہی خلوص اور دینی الفت ہے۔

[1] وَأَعِدُّوا لَهُم الخ: اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا ہے جو زیادتی کو ہٹانے جان و مال اور حق و فضیلت کو محفوظ رکھنے کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ تیاری دو چیزوں سے ہوتی ہے:

---

[1] تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۶۰-۶۳، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۲۷-۲۸

Marfat.com

(۱) امکان و استطاعت بھر قوّت مہیّا کرنا، یہ چیز زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف ہو سکتی ہے۔

پس اس آیت کی رو سے موجودہ دور کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ توپیں، طیارے، بمب اور ٹینک تیار کریں۔ بحری جنگی جہاز، آبدوز کشتیاں اور ہر قسم کا جدید سامانِ جنگ مہیا کریں۔ اسی طرح ان پر واجب ہے وہ فنون و صناعات سیکھیں جن پہ یہ اور اس قسم کی دوسری جنگی چیزیں بنانا موقوف ہے۔

صحابہؓ نے غزوۂ خیبر وغیرہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منجنیق کا استعمال کیا تھا۔ امام مسلم نے عقبہؓ بن عامر سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور تین مرتبہ فرمایا کہ خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ اس ارشاد کا باعث یہ ہے کہ دشمن کو قریب سے تلوار، نیزے، حربے اور خنجر وغیرہ سے قتل کرنے کی نسبت دور سے کچھ پھینک کر قتل کر دینا زیادہ بہتر اور اپنی حفاظت کا باعث ہے۔ رمی کا جو لفظ حدیث میں آیا ہے اور قرآن کا قوّۃ کا لفظ منجنیق سے پھینکے ہوئے آلات، جنگی طیارو کے بم، توپ کے گولے اور بندوق وغیرہ کی گولی سب کو شامل ہے، اگرچہ یہ چیزیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معروف نہ تھیں۔ (اگر بالفرض ہوتیں تو آپؐ اور آپ کے صحابہؓ بالضرور انہیں مہیّا اور استعمال کرتے جیسے کہ منجنیق اور جنگِ طائف و اوطاس وغیرہ میں آپ نے قلعہ شکن دبابے اور گرم سلاخیں پھینکنے والے آلات استعمال فرمائے حالاں کہ عرب اس سے قبل ان ہتھیاروں سے ناآشنا تھے! مؤلف)

(۲) اسلامی ملکوں کی حدود اور چھاؤنیوں میں رسالے تیار رکھنا۔ کیونکہ دشمن کے دار الاسلام میں گھسنے اور حملہ ہونے کے مواقع و مقامات یہی ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اور اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ امّت اسلامیہ کے پاس ہر وقت دفاع کے لئے ایک مستعد فوج موجود رہنی لازم ہے مبادا دشمن غفلت میں حملہ کر دے اس تیاری کا بنیادی اور مرکزی نقطہ گھوڑوں کی پرورش اور انہیں سدھانا ہے۔ کیونکہ یہ تیز بھاگتے اور میدان میں بھی کام آتے ہیں۔ اور سرحدوں سے شہروں تک خبریں وغیرہ بھی پہنچاتے ہیں اور ساری سلطنت میں پھیل کر کام آسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے گھوڑوں کے معاملے کو عظمت بخشی اور ان کے اکرام کا حکم دیا۔ گھوڑوں کو ہمیشہ ہی جنگ میں اہم مقام حاصل رہا ہے حتّٰی کہ موجودہ دور میں جب کہ جنگی قومیں جنگی فنون میں بہت ترقی یافتہ ہو چکی ہیں، پھر بھی گھوڑوں کی اہمیّت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے! (اور حمل و نقل وغیرہ کے دیگر ذرائع اور جدید ترین ساز و سامان کے باوجود گھوڑے جنگی کارروائیوں سے الگ نہیں کئے جا سکتے! مؤلف)

تُرْهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ: تاکہ تم ان جنگی تیاریوں اور قوت و شوکت سے خدا کے دشمنوں کو ڈرا سکو اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو جو ہر وقت تم پہ مصائب اور گردش زمانہ کے انتظار میں رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ جنگ کو روکنے والی چیز صرف جنگی تیاری ہے۔ لہذا جب کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان ہر وقت چاق و چوبند اور جنگ و قتال کے لئے بالکل تیار ہیں تو انہیں چھیڑنے سے گریز کریں گے اور برے انجام سے ڈریں گے مشہور شاعر ابوتمام نے کہا ہے کہ خون کی حفاظت صرف خون ہی کر سکتا ہے۔

دشمنوں کا یہ خوف مسلمانوں کے لئے کئی لحاظ سے مفید ہوگا۔

(۱) دشمنان اسلام مسلمانوں کے کسی اور دشمن کی مدد کرنے سے گریز کریں گے۔

(۲) وہ مسلمانوں کے مطلوبہ التزامات کی ادائیگی اور معاہدات کی پابندی کریں گے۔

(۳) بارہا یہی چیز ان کے دخول اسلام اور ایمان کے اظہار کا باعث بن جائے گی۔

Marfat.com

وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِہِمْ الخ یعنی ان مشہور دشمنوں کے علاوہ کچھ اور دشمن بھی ہیں جن کا ڈرانا مقصود ہے۔ ان دشمنوں سے مراد وہ لوگ تھے جو غزوۂ بدر کے بعد خدا و رسولؐ اور مسلمانوں کی عداوت میں میدانِ مقابلہ میں اترنے والے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ جنگ و قتال کی تیاری اور آلاتِ جہاد کو مہیا کرنے سے نہ صرف وہ دشمن ڈریں گے جنکی عداوت کا حال ہمیں معلوم ہے بلکہ وہ دشمن بھی رعب کا شکار ہوں گے جن کی دشمنی کو ہم نہیں جانتے۔ پس جنگ و قتال کی تیاری ان سب کو ڈرائے گی اور پہل کرنے سے روکے گی۔ یہی وہ چیز ہے جسے موجودہ دور کی جنگی و سیاسی اصطلاح میں "مسلّح امن" کا نام دیا جاتا ہے۔

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ: نہ صرف یہ کہ تمہیں جہاد کی تیاریوں کی پوری اور پھر پور جزاء خداوند تعالیٰ کی طرف سے ملے گی بلکہ دشمن بھی تم پر ظلم و زیادتی نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ وہ مضبوط آدمی جو زیادتی کرنے والے کے مقابلہ کے لئے تیّار رہو اس پر کوئی کم ہی زیادتی کرنے کی جرأت کرتا ہے اور اگر کرے تو کامیاب نہیں ہوتا۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حسب استطاعت جنگی قوّت بہم پہنچانا اور فی سبیل اللہ مرابطہ کرنا صرف اسی طرح متحقق ہو سکتا ہے کہ بہت سا مال خرچ کیا جائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کا خرچ کیا ہوا انہیں دنیا و آخرت دونوں میں یا آخرت میں ہی پورا پورا دیا جائے گا۔

اگلی آیات دشمنوں کے صلح پر آمادہ ہونے پر صلح و آشتی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد جنگ نہیں بلکہ صلح ہے۔ لیکن اگر وہ اس صلح میں بھی بے ایمان اور دھوکا باز ہوں تو پھر تمہیں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ وہی تمہیں کفایت کرنے والا اور تمہارا مددگار ہے۔

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کی اتمام عنایات کے آثار میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری مدد فرمائی ہے اور مومنوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ انہیں تمہاری مدد پر متحد و متفق اور ایک دوسرے کی مدد کرنے والا بنا دیا ہے۔ بِنَصْرِهٖ میں وہ خوارق و معجزات داخل ہیں جو ماوراء الاسباب تھے جیسے بدر میں ملائکہ کا نزول۔

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ: انہیں خدا نے تم پر ایمان لانے پر جمع کر دیا ہے وہ تمہاری مدد میں جانی و مالی قربانیاں دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام سے پہلے وہ بالکل پھٹے ہوئے اور باہم دست و گریبان تھے۔ پرانی عداوتیں اور موروثی کینے انہیں الگ الگ کر چکے تھے۔ قبیلہ قبیلہ الگ الگ تھا۔

اسی مضمون کی آیت سورۂ آلِ عمران میں بھی ہے "اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرو، جب کہ تم دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم خدا کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔"

اس آیت میں اس طرف ایماء ہے کہ نصرت چند اسباب پر منحصر ہے جن میں سے اہم ترین اتحاد و ایتلاف ہے اور یہ اسباب کو مقدر کرنے والے کا فضل و کرم اور بندوں پر اس کی رحمت ہے کہ نصرت کے یہ اسباب مہیا ہو جائیں۔ چنانچہ اگلی آیت میں یہی مضمون فرمایا گیا ہے۔

حضور کے زمانے میں بعض ایسے مواقع پیش آتے رہے جن میں یہ خدشہ پیدا ہوتا رہا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان کچھ بغض و کینہ پیدا ہو جائے گا۔ جیسا کہ جنگ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ہوا لیکن خدا کے فضل و کرم اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی سے یہ شر دب گیا اور اس کے برے نتائج سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا گیا۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ: مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام اسلامی اخوت ہے جو نسب و

Marfat.com

وطن کی اخوت سے قوی تر ہے۔ اگر یہ اخوت نہ ہوتی تو دنیوی منافع کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دلوں کو باہم جوڑنا ممکن نہ تھا۔ انصار میں جو موروثی کینے موجود تھے اور جو خون ریزیاں ہو چکی تھیں وہ ایسی چیزیں نہ تھیں جو دنیا کے فانی مال و دولت سے زائل ہو جاتیں۔ یہ تو صرف سچے ایمان سے ہی زائل ہو سکتی تھیں جو دنیا و آخرت کی سعادت کا وسیلہ تھا۔ اسی طرح مہاجرین و انصار کا بھائی چارہ، مہاجرین میں سے دولت مندوں اور مفلسوں کا باہمی اتحاد، اعلیٰ و ادنیٰ کا اتفاق، باوجودیکہ زمانۂ جاہلیت میں ان میں جدائی ڈالنے والے اسباب پیدا ہو چکے تھے، برادریوں اور قبائل کا اتحاد حالانکہ اس سے قبل ان میں عداوتیں اور بغض موجود رہے تھے، یہ سب چیزیں مال سے حاصل نہ ہو سکتی تھیں۔ نہ مالِ غنیمت کی امیدیں یہ نتائج پیدا کر سکتی تھیں۔ پھر اسلام کی ابتداء میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں نہ کوئی مال تھا نہ دنیوی اسباب و منافع اور غنیمت کی بالفعل امید تھی۔ ہاں! مدینہ منورہ میں جب اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور مشرکین و یہود پر غلبہ عطا فرمایا تو کافی مال ہاتھ آ گیا۔

علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کو ایک مرکز پر جمع فرما دیا۔ حالانکہ ان میں سے ہر فریق میں ایک ایسی وجہ امتیاز موجود تھی جو دوسرے میں نہ تھی۔ مہاجرین کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور ایمان میں سبقت لے جانے کا شرف و امتیاز حاصل تھا۔ انصار کو قوت و مال کا امتیاز اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مومن قوم کو مشرکین مکہ کے ظلم سے نکالنے کا شرف حاصل تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور اپنے مالوں میں انہیں شریک کر لیا تھا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور مہربانی نہ ہوتی تو یہ چیزیں باہم حسد و تنازع کا باعث بن جاتیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا ہے:

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ : یعنی آپ کی دعوت پر خدا تعالیٰ نے لبیک کہنے اور اخوتِ اسلامی کے دائرے میں آ جانے کی توفیق بخشی اور ان کے قلوب میں باہم الفت پیدا ہو گئی۔

Marfat.com

یہی مضمون ایک اور آیت میں یوں بیان فرمایا گیا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

تجربے بتاتے ہیں کہ باہمی اتحاد و اتفاق تعاون کا قوی ترین اور کامیاب ترین وسیلہ ہے اور باہمی محبت والفت کا سب سے مضبوط ذریعہ ایمان کی قوت ہے۔ اسی لئے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرابت قطع ہو جاتی ہے اور احسان کی ناشکری کی جاتی ہے، مگر جب اللہ تعالیٰ دلوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دے تو کوئی چیز انہیں دور نہیں کر سکتی! پھر ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ الآیہ

[1] اسلام فتح و نصرت کے لئے عملی اور واقعی تیاری کا حکم دیتا ہے۔ مسلم جماعت کا فرض ہے کہ اپنی طاقت اور امکان کے مطابق تیاری کرے۔ وہ اس وقت تک اپنی آنکھیں ان بلند آفاق پر ڈال نہیں ڈال سکتی جب تک اس کے پاؤں کے نیچے سخت زمین نہ ہو جس پر اس کے قدم جم جائیں، اور ان عملی اسباب کو مہیا نہ کرے جسے اس کی فطرت پہچانتی ہو اور تجربے اس کی تائید کرتے ہوں۔ یہ تیاری مسلم جماعت کی اس عملی حرکت کے لئے ہے جو ان بلند مقاصد کو پورا کر سکے۔

پس ان آیات کی رو سے حسب استطاعت تیاری کرنا بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح خود جہاد فرض ہے۔ نص قرآنی ہر قسم، ہر رنگ اور ہر سبب کی قوت تیار رکھنے کا حکم دیتی ہے۔ رباط الخیل کا خصوصی حکم اس لئے دیا گیا کہ قرآن کے اولین مخاطب لوگوں کے ہاں یہی چیز جہاد کا ظاہر ترین ذریعہ تھی۔ اگر قرآن انہیں ایسے اسباب و ذرائع اور آلات جہاد تیار کرنے کا حکم دیتا جو ان کے ہاں مجہول تھے تو یقیناً وہ حیرت و سرگردانی میں پڑ جاتے۔ اس لئے ایک عام لفظ

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۴۸ – ۵۷

بولا گیا کہ: جس قدر ہو سکے ان مشرکوں اور دشمنوں کے لئے "قوت" مہیا کرو۔ اسلام کے پاس "قوت" کا ہونا ناگزیر ہے جس کے بل پر وہ اپنا انسانی آزادی کا پروگرام لے کر آگے چلے۔ یہ "قوت" دعوت کے میدان میں پہلا کام یہ کرتی ہے کہ اسلامی عقیدہ اختیار کرنے والوں کو امن و اطمینان مہیا کرتی ہے تاکہ انہیں اس عقیدہ سے روکا نہ جائے اور جب وہ اسے اختیار کر لیں تو فتنہ و اذیت میں مبتلاء نہ کئے جائیں۔ اس قوت کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ اعدائے دین کو ڈرانی ہے مبادا وہ دارالاسلام پر چڑھ دوڑیں۔ کیونکہ ان کی حمایت کے لئے یہ قوت موجود رہتی ہے۔ تیسرا فائدہ اس کا یہ ہے کہ اعداء اسلام کے دلوں میں رعب ڈال دے مبادا وہ اسلامی تبلیغ و دعوت کا راستہ روکیں، جب کہ یہ دعوت زمین میں انسانی آزادی کا پیغام لے کر آگے بڑھ رہی ہو۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ یہ قوت زمین میں ہر اس قوت کو پیس ڈالے جو اپنے لئے صفت الوہیت کو اپنا چکی ہو، انسانوں کو اپنے قوانین و تسلط کے مطابق ہانکے اور ایک اللہ کی الوہیت و حاکمیت کا اعتراف نہ کرے کیونکہ حاکمیت تو دراصل الوہیت کا نتیجہ ہے۔

اسلام کوئی محض "لاہوتی" نظام نہیں جو صرف دلوں کا عقیدہ بن جانے سے ہی متحقق ہو جاتا ہو اور چند عبادات و رسوم بنا کر الگ ہو جائے۔ اسلام زندگی کا ایک عملی اور واقعی نظام ہے، جو دوسرے نظاموں کا مقابلہ کرتا ہے ان عملی نظاموں پر اقتدار و تسلط قائم ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے مادی قوتیں کھڑی ہوتی ہیں۔ پس اسلام کے لئے اپنے ربانی نظام کو قائم کرنے کے لئے ان مادی قوتوں کو توڑ ڈالنا ضروری ہے۔ نیز ان اقتداروں کو توڑنا پھوڑنا واجب ہے جو ان باطل نظاموں کو نافذ کرتے ہیں اور خدائی نظام کا مقابلہ کرتے ہیں۔

مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ اس عظیم حقیقت کا اظہار کرنے میں

Marfat.com

کسی قسم کی ہچکچاہٹ یا شرم و عار محسوس کرے ؟ اپنے ربّانی دین کے اظہار میں شرم کا کیا سوال ہے ؟ اسے علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ کہنا چاہیئے کہ اسلام کے دنیا میں پھیلاؤ کا مقصد اللہ وحدہٗ کی الوہیت کو قائم کرنا اور انسان کو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد کرانا ہے۔ وہ غیر اللہ کی خدائی کو۔ چاہے کسی شکل میں ہے۔ توڑ دینا چاہتا ہے۔ وہ کسی انسان کے بنائے ہوئے نظام کو نافذ کرنے نہیں اٹھتا، نہ کسی رہنما، حکومت، طبقے یا جنس کے تسلّط و اقتدار کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ رومیوں کی طرح بندوں کو غلام بنانے کیلئے نہیں اٹھتا کہ وہ بڑے لوگوں کی کھیتی باڑی کیا کریں۔ نہ وہ خام مال کی منڈیاں بنانے جاتا ہے جیسا کہ مغربی سرمایہ داری کرتی ہے۔ نہ وہ کسی جاہل انسان کے بنائے ہوئے نظام کو لوگوں کی گردنوں پر بہ جبر مسلّط کرنے کو اٹھتا ہے جیسا کہ اشتراکیت کرتی ہے۔ غرض اسلام کا طریقہ اور دعوت سب خود ساختہ انسانی مذاہب سے الگ تھلگ اور انوکھی ہے۔ یہ اللہ علیم و حکیم اور خبیر و بصیر کا بنایا ہوا نظامِ حیات ہے یہ اس لئے بڑھتا ہے کہ صرف ایک خدا کی خدائی کو قائم کرے اور سارے انسانوں کو دوسرے انسانوں کی غلامی سے نجات دلادے۔

وہ شکست خوردہ ذہنیت کے لوگ جو دین کا نام نہاد دفاع کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ حقیقت کُبرای معلوم کر لینا ضروری ہے۔ وہ اسلامی دعوت کے پھیلاؤ اور اسلامی جہاد کے لئے غیروں کے سامنے معذرت خواہی کرنے کے لئے شرم سے پانی پانی ہوئے جاتے ہیں۔ ہچکچاہٹ کے مارے منہ سے بات تک نہیں نکلتی۔ اور توتلی زبان میں اسلام کی غلط نمائندگی کرتے ہیں۔

ہم نے سورۂ الانفال کے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے اسے ایک دفعہ پھر دیکھ لیجئے اور جہاد کے موضوع پر سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان کا اسی نام کا رسالہ (الجہاد فی سبیل اللہ) بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

مسلمان قوت مہیا کرنے کے حکم کے جو مکلّف قرار دیئے گئے ہیں، اس کی حدود

Marfat.com

کو جان لینا مناسب ہے۔ نصِّ قرآنی نے اس سلسلے میں استطاعت کا لفظ بولا ہے۔ اس سے مراد اپنی طاقت کی آخری حدود ہیں، مطلب یہ ہوا کہ مسلم جماعت کو وہ تمام اسباب قوّت مہیا کرنے فرض ہیں جو اس کی طاقت میں داخل ہیں۔

اسی طرح آیتِ قرآنی نے قوّت مہیّا کرنے کا اوّلین مقصد بھی بتایا ہے۔ کہ وہ خدا کے دشمنوں کے دلوں میں، جو دنیا میں مسلم جماعت کے اعداء بھی ہیں، رُعب اور خوف ڈال دینا ہے۔ ان دشمنوں میں سے کچھ تو ظاہر ہیں جنہیں مسلمان جانتے ہیں، مگر ان کے پیچھے کچھ اور بھی ہیں جنہیں مسلمان نہیں جانتے، یا جو مسلمانوں سے ابھی علانیہ عداوت کا اظہار نہیں کرتے اور اللہ ان کی پوشیدہ نیتوں اور حقیقتوں کو جانتا ہے۔ ان لوگوں کو اسلام کی قوت خوف اور رُعب میں مبتلا کرے گی اگرچہ بالفعل وہ ان تک نہ پہنچے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ باعزت، بارُعب اور طاقت ور ہو کر زندگی گذاریں اور قوت کے ممکن اسباب کو حاصل کریں تاکہ خدا کی بات ہی سر بلند اور خدا کا دین ہی دین ہو۔

سازوسامان کا تیار کرنا چونکہ مال پر موقوف ہے اور اسلام کا سارا نظام تکافل یعنی باہمی مشترکہ ذمہ داری کی بنیاد پر قائم ہے، لہٰذا جہاد کی دعوت نے انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت بھی ان کے سامنے رکھی ہے۔ انفاق میں بھی فی سبیل اللہ کی شرط لگائی ہے جیسا کہ جہاد میں بھی یہی شرط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ضمن میں کوئی گھٹیا یا شخصی مقصد پیش نظر نہ رکھو، کوئی طبقاتی یا قومی شعور تمہارے سامنے نہ آنے پائے بلکہ انفاق و جہاد صرف خدا کی راہ میں ہو کیونکہ اس کا مقصد کلمۃ اللہ کو حق ثابت کرنا اور صرف خدا کی رضا مندی حاصل کرنا ہے۔

یہی باعث ہے کہ اسلام بالکل ابتدائی مرحلہ میں ہی ہر ایسی جنگ کی نفی کرتا ہے جو اشخاص یا حکومتوں کی سربلندی کے لئے قائم ہوتی ہے۔ اسی طرح

Marfat.com

ہر وہ جنگ جو خام مال کی منڈیاں بنانے اور تجارت کی توسیع کے لئے ہوتی ہے وہ بھی اس کے دائرہ سے باہر ہے۔ ہر وہ جنگ جو قہر و اذلال کے لئے ہو، ہر وہ جنگ جو ایک وطن کو دوسرے وطن پر سروار بنانے کے لئے ہو، ایک قوم کو دوسری پر فائق کرنے یا ایک جنس کو دوسری جنس پر غالب کرنے کے لئے لڑی جائے، ایک طبقے کو دوسرے پر مسلّط کرنے کے برپا کی جائے۔ یہ سب جنگیں اسلام کے دائرۂ عقیدہ وعمل سے باہر ہیں! وہ جنگ کی صرف ایک قسم کو باقی چھوڑتا ہے یعنی وہ جو فی سبیل اللہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ایک جنس کو دوسری پر، ایک قوم کو دوسری قوم پر، ایک طبقے، فرد یا ذات برادری کو دوسروں کو مسلّط کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی الوہیّت واقتدار اور حاکمیت کی سیادت مانی جائے، ورنہ وہ تو دنیا والوں سے غنی ہے۔ ہاں! دنیا والوں کی خیر وبرکت اور حریت اور شرف وکرامت صرف اسی ایک الوہیت کو غالب کرنے میں ہے۔

ان آیات میں تیسرا حکم یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی جماعت سے صلح وآشتی عہد و پیمان اور سلم و مصالحت چاہتے ہیں اور ان کے ظواہر ان کی اس رغبت پر دلالت کرتے ہیں تو تم بھی ان سے صلح وآشتی کرلو۔ اس کی تعبیر لفظ جنوح سے فرمائی گئی ہے جس سے مراد آہستگی کے ساتھ پروں کا امن وسلامتی کی طرف مائل ہونا ہے۔ یہ بڑی لطیف تعبیر ہے۔ علی ہذا القیاس یہ مائل ہونے کا حکم توکل خداوندی کے حکم کے ساتھ وابستہ کردیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ چھپے بھیدوں سے واقف ہے لہذا اس پر اعتماد کرنے میں کفایت و امان پائی جاتی ہے۔

امام ابن القیمؒ نے حضورؐ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد بدر تک کفّار واعداء کے جو موقف بیان کئے ہیں ان کی رُو سے یہ حکم ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کنارہ کشی کی روش اختیار کی تھی۔

Marfat.com

اور آپ صلعم کے ساتھ جنگ و قتال نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ لوگ صلح و آشتی کی طرف مائل ہوئے اور عداوت کا اظہار نہ کیا نہ دعوت اسلام کے راستے میں روڑے اٹکائے تھے، اور نہ مسلم حکومت کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اس فریق کو چھوڑ دیں اور ان کی صلح و صفائی کی پیش کش کو قبول فرمائیں۔ لیکن یہ سورۂ توبہ کے نزول سے پہلے تک تھا۔ اسی سورت میں غیر معاہد کافروں یا غیر موقت مدت والے معاہد کافروں کے لئے چار ماہ کی مدت ٹھہرائی گئی تھی۔ اور اس مدت کے بعد فیصلہ اس فریق کے موقف کے پیش نظر ہونے والا تھا۔ پس ان ملابسات و متعلقات سے مجرد کر کے جب اس نص کو دیکھا جائے تو اس لحاظ سے یہ انتہائی اور آخری حکم نہیں تھا بلکہ اس وقت کے پیش آمدہ مرحلے کا حکم تھا۔ جیسا کہ بعد کی نصوص نے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی تصرفات نے ایسا ہی ثابت کیا ہے۔

لیکن بوقت نزول اس آیت کے حکم میں ایک نوع کا عموم پایا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی عموم کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں صلح حدیبیہ منعقد فرمائی تھی۔ سورۂ براءۃ کے نزول تک اسی پر عملدرآمد رہا تھا۔

بعض فقہاء نے اس آیت کے حکم کو دائمی آخری سمجھا ہے اور صلح کی طرف جھکنے کی تفسیر انہوں نے ادائے جزیہ سے کی ہے۔ لیکن یہ چیز تاریخی واقعات کے ساتھ متفق نہیں ہے۔ کیونکہ جزیہ کے احکام سورۂ براءۃ میں ۸ھ کے بعد نازل ہوئے تھے اور یہ آیت جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں اتری تھی، اس وقت جزیہ یا اس کے احکام موجود نہ تھے۔ پس واقعات و حوادث اور تاریخ و اسلامی تحریک کے مراحل و منازل بلکہ تاریخ نزول کے لحاظ سے بھی اقرب الی الصحت یہی بات ہے کہ اس حکم کو انتہائی قرار نہ دیا جائے اور کہ یہ حکم سورۂ براءۃ سے نزول سے کچھ تبدیل ہوا تھا۔ آخری احکام کی رو سے لوگوں کا موقف اسلام کے متعلق ان تین صورتوں میں سے فقط ایک

Marfat.com

رہ گیا تھا:

(۱) وہ محارب ہوں اور جنگ و جدال کریں۔

(۲) وہ مسلم ہوں جن میں خدائی قانون نافذ ہوں۔

(۳) اہلِ ذمہ بن کر جزیہ ادا کریں اور جب تک عقد و عہد ذمہ کو نبھائیں انہیں اس پر قائم رکھا جائے گا۔

اسلامی جہاد کے آخری احکام یہی تھے۔ ان کے علاوہ وہ جو حالات بھی تھے وہ عملی و واقعی تھے اور اسلام انہیں تبدیل کرنا چاہتا تھا حتیٰ کہ اسلام کے بارے میں آخر کار صرف تین قسم کے لوگ رہ گئے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ یہی وہ تین قسم کے تعلقات ہیں جنہیں امام مسلم اور امام احمد نے یزید بن الخطیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

وہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چھوٹی یا بڑی فوج پر کسی شخص کو امیر بنا کر روانہ فرماتے تو اسے پہلے تو خود تقویٰ اختیار کرنے اور مسلمان ساتھیوں سے نیک سلوک کا حکم دیتے اور پھر فرماتے کہ خدا کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کرو۔ جو لوگ خدا سے کفر کرتے ہیں ان سے قتال کرو جب تم مشرکوں میں سے اپنے دشمن کے بالمقابل ہو تو انہیں تین باتوں میں سے ایک کو مان لینے کی دعوت دو۔ ان میں سے وہ جو بھی مان لے اس سے وہ قبول کر لینا اور پھر ان سے تعرض نہ کرنا۔ پہلے تو انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو تم اپنا ہاتھ روک لینا۔ اور انہیں اپنے علاقے سے دار الہجرت میں منتقل ہو جانے کی دعوت دینا اور انہیں بتانا کہ اس صورت میں ان کے اور مہاجرین کے حقوق و فرائض برابر ہوں گے۔ اگر وہ ہجرت نہ کریں اور اپنا ملک نہ چھوڑیں تو انہیں بتانا کہ ان کا حکم مدینہ کے باہر کے مسلمانوں جیسا ہوگا اور ان پر وہ تمام حکم جاری ہوں گے جو ایماندار دل پر جاری ہوتے ہیں۔ مگر فئے اور غنیمت میں سے انہیں حصہ نہ ملے گا جب تک کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ

Marfat.com

ہو کر جہاد نہ کریں۔

اور اگر دشمن دعوتِ اسلامی کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو انہیں جزیۂ ادا کرنے کی دعوت دینا، اگر وہ جزیہ قبول کر لیں تو ان سے مال لینا اور ہاتھ روک لینا۔ لیکن اگر وہ اس سے انکار کر دیں تو پھر خدا کا نام لے کر ان سے قتال کرنا۔

اس حدیث میں جو چیز مشکل ہے وہ ہجرت اور دار المہاجرین کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ہی جزیہ کا ذکر بھی ہوا ہے حالانکہ جزیہ تو فتح مکہ کے بعد مقرر ہوا تھا اور فتح کے بعد ہجرت نہیں رہی تھی اس لئے کہ اسلام کی پہلی جماعت ایک دار الاسلام میں پہنچ چکی تھی اور فتح کے بعد مکہ بھی دار الاسلام بن گیا تھا اور اسلام کا حکم غالب و متمکن ہو گیا تھا۔ اور یہ بات ثابت اور طے شدہ ہے کہ جزیۂ صرف ۸ھ کے بعد مقرر ہوا تھا اور یہی وجہ ہے کہ مشرکینِ عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا گیا کیونکہ وہ نزولِ جزیہ کے حکم سے قبل ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ اور اس کے بعد ان جیسے مشرکوں مثلاً مجوسیوں سے جزیۂ لینا قبول کیا گیا تھا، اور وہ بھی شرک میں مشرکینِ عرب جیسے تھے۔ اگر جزیہ کا حکم اس وقت اترا ہوتا جب کہ عرب و مشرک موجود تھے تو جس طرح امام ابن القیمؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ (اپنے ایک قول میں) فرماتے ہیں ان سے جزیہ لینا قبول کیا جاتا۔ امام قرطبیؒ نے یہ قول امام اوزاعیؒ اور مالکؒ اور دوسرے لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے۔

بہر حال ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اللہ کا یہ ارشاد: وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا الخ اس باب میں کوئی مطلق اور آخری حکم نہیں دیتا اور آخری احکام سورۂ توبہ میں اترے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فریق سے صلح و آشتی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جو الگ تھلگ تھا اور آپؐ سے قتال نہ کرتا تھا۔ چاہے اس نے اس وقت تک آپؐ سے معاہدہ کیا تھا یا نہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کے مطابق سورۂ براءۃ

Marfat.com

کے نزول تک کفّار اور اہلِ کتاب سے صلح و صفائی کو قبول فرماتے رہے۔ سورۂ براۃ کے احکام اتر آنے پر آپ نے ان لوگوں سے اسلام یا جزیہ کے سوا تیسری کوئی چیز قبول نہ فرمائی۔ اس وقت مسالمت و مصالحت کی حالت جو عہد کرنے والوں سے قابلِ قبول تھی وہ یہی تھی، بشرطیکہ وہ اپنے عہد کی پابندی کریں۔ ورنہ پھر قتال ہوگا جب کہ مسلمان اس کی استطاعت رکھیں۔ تاکہ دین صرف اللہ کا ہو جائے۔

میں نے اس سلسلے میں بات کے چل چلاؤ میں تھوڑی سی تفصیل بیان کی ہے اس بیان میں اُن روحانی اور عقلی و ذہنی طور پر شکست خوردہ لوگوں کے لئے کچھ روشنی اور شک و شبہ کے ازالہ کا سامان موجود ہے جو اسلامی جہاد پر اکثر گفتگو کرتے وقت راہِ حق سے گمراہ ہو جاتے ہیں، ان کی عقل و روح پر موجودہ واقعات کا بوجھ پڑا ہوتا ہے۔ وہ دینِ اسلام کی حقیقت کے ادراک و شعور کے بغیر اکثر یہ چاہتے ہیں کہ وہ عملی و واقعاتی دنیا میں ساری انسانیت کے مقابلے میں اسلام یا جزیہ یا قتال پیش کرے۔ لیکن اس کے خلاف دیکھتے یہ ہیں کہ ساری جاہلی قوتیں اسلام سے جنگ و جدال چھیڑے ہوئے ہیں۔ اہلِ اسلام اپنے دین کی حقیقت و اصلیت سے ناواقف ہیں اور دوسرے ادیان و مذاہب کے پیروؤں یا مدعیوں کے مقابلہ میں بالکل کمزور ہیں۔ پھر وہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی برحق جماعت کے لشکر قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انہیں زمین میں کوئی قوت و شوکت حاصل نہیں ہے یہ دیکھ دیکھ کر یہ لکھنے والے نصوص کی گردنوں کو مروڑنے اور جھکانے پر کمر باندھ لیتے ہیں تاکہ انہیں واقعات کی شدّت کے بوجھ اور گھٹن کے مطابق پھیر دیں۔ اور اکثر یہ کہتے ہوئے پلٹے جاتے ہیں کہ کاش دینِ اسلام کا طریقہ اور رفتار یوں اور یوں ہوتی۔

دراصل ہوتا یہ ہے کہ وہ ہنگامی اور مرحلاتی نصوص و احکام کو لیتے

Marfat.com

اور انہیں آخری اور انتہائی بنا ڈالتے ہیں۔ مقیّد نصوص و احکام کو لیتے ہیں اور انہیں مطلق بنا ڈالتے ہیں، حالانکہ وہ مخصوص قسم کے حالات کے لئے ہیں حتّٰی کہ .....

جب وہ آخری اور انتہائی مطلق نصوص تک پہنچتے ہیں تو انہیں ان مرحلاتی مقیّد نصوص کے مطابق پھیر دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ ثابت کرسکیں کہ اسلامی جہاد مسلمانوں کے جسم و جان اور دارالاسلام کے تحفظ کے لئے ہے جب کہ اس پر دشمن چڑھ دوڑیں۔ اور اسلام دشمنوں سے صلح و صفائی کرنے کو بیتاب ہے، اس پر گرا پڑتا ہے۔ اور صلح و آشتی کا معنیٰ صرف اسی قدر ہے کہ دشمن دارالاسلام پر چڑھائی سے باز رہیں۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک اسلام ہمیشہ اپنی حدود کے اندر ہی محبوس رہتا اور کڑ کڑاتا رہتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اُسے ایسا کرنا ہی واجب ہے۔ اسے دوسروں سے یہ مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں کہ مجھے قبول کرلو اور خدائی احکام و نظام کے سامنے جھک جاؤ۔ ہاں! اگر وہ ایسا کرے گا تو صرف زبانی کلامی، کوئی کتاب شائع کرکے یا بیان شائع کرکے، اور بس! رہ گئی وہ مادّی قوت جو جاہلیت کے تسلّط کی صورت میں لوگوں پر محیط و کارفرما ہے، سو اسلام اس سے زور آزمائی نہیں کرتا جب تک کہ خود ہی وہ قوت ہی اس کے خلاف میدان میں نہ اُتر آئے اور اس پر نہ چڑھ دوڑے۔ اسلام اس وقت محض "دفاع" کا فریضہ انجام دے گا۔

اگر یہ روحانی شکست خوردہ اور ذہنی مفلس واقعی اور عملی گھٹن کے سامنے اپنے دین کے اصلی احکام کو تلاش کرنا چاہتے تو نصوص و احکام کی توڑ مروڑ کے بغیر بھی انہیں وہ ہنگامی اور مرحلاتی احکام یقیناً مل جاتے جن میں حالاتِ موجودہ کے مناسب احکام موجود تھے۔ کیونکہ جن حالات سے ہم

Marfat.com

اس وقت دوچار ہیں ان کے لئے دین کے پاس احکام و نصوص موجود ہیں۔ پھر یہ لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس قسم کے حالات میں اسلام یہ حکم دیتا ہے۔ اور خیر القرون میں فلاں فلاں موقع پر جب یہی حالات درپیش تھے تو اسلام نے یوں رہنمائی فرمائی تھی۔ لیکن یہ قواعد و احکام دائمی اور انتہائی و آخری نہیں ہیں محض ضروریات اور پیش آمدہ حالات کے لئے یہ احکام دئے گئے ہیں۔

ہم یہاں مرحلاتی احکام و تصرّفات کی چند مثالیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) مدینہ میں تشریف لاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے آس پاس کے یہود و مشرکین کیساتھ صلح و آشتی اور مدینہ کے مشترک دفاع کا معاہدہ منعقد فرمایا اس معاہدہ میں یہ طے پاگیا تھا کہ مدینہ میں اقتدار اعلیٰ حضورؐ کے ہاتھ میں رہے گا اور قریش کے خلاف یہود و مشرکین مدینہ دفاع میں شامل ہوں گے، وہ کسی حملہ آور کی مدد نہ کریں گے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن کے بغیر برسرِ جنگ کفار و مشرکین سے کوئی معاہدہ نہ کریں گے۔ اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ صلح کے خواہشمند لوگوں سے صلح کو قبول کرلیں اگرچہ وہ لوگ آپ کے ساتھ کسی عہد میں داخل نہ ہوئے ہوں اور جب تک وہ پہل نہ کریں آپ اُن سے تعرّض نہ کریں۔ بعد میں یہ ساری صورت احوال بدل گئی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

(۲) جب غزوۂ خندق پیش آیا اور مشرکین مدینہ پر چڑھ آئے، بنو قریظہ نے عہد شکنی کی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے متعلق خوف ہوا تو آپؐ نے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مرّی رئیس غطفان کے سامنے مدینہ کے ⅓ پھلوں پر صلح کی پیش کش فرمائی تاکہ اپنی قوم کو لے کر واپس چلے جائیں اور قریش کو اکیلا چھوڑدیں۔ حضورؐ کا ان کے ساتھ یہ کلام فرمانا بطور عقد نہ تھا صرف بات کے چل چلاؤ میں ایک بہلاوا تھا۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ راضی ہیں تو آپؐ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ سے مشورہ فرمایا۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ: یا رسول اللہ

Marfat.com

کیا یہ آپ کی پسندیدہ بات ہے تاکہ آپ کی خاطر ہم اسے مان لیں یا خدا کا حکم ہے تاکہ ہم اسے سنیں اور گردن جھکا دیں؟ یا آپؐ صرف ہماری خاطر ایسا کرنا چاہتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا کہ: "میں اسے تمہاری خاطر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ سارے عرب نے تمہاری طرف ایک ہی کمان سے تیر پھینکا ہے" (یعنی سب تمہارے خلاف متحد ہو گئے ہیں!)۔ سعدؓ بن معاذ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! جب ہم اور یہ لوگ سب شرک اور بت پرستی پر جمع تھے، نہ خدا کی عبادت کرتے تھے نہ اسے پہچانتے تھے، اس وقت بھی انہیں کبھی یہ طمع نہیں ہو سکی کہ ہم سے کوئی پھل لے سکیں، خرید و فروخت اور ضیافت اس سے مستثنیٰ ہے پس اب جب کہ ہمیں اللہ نے اسلام سے نوازا، اس سے باعزت بنایا اور اس سے ہمیں ہدایت دی ہے، ہمیں آپؐ کے ذریعہ سے عزت بخشی ہے، اب کیسے ممکن ہے کہ ہم انہیں اپنے مال دے دیں۔ واللہ ہم انہیں شمشیر زنی کے سوا کچھ نہ دیں گے حتیٰ کہ خدا ہم میں اور ان میں فیصلہ فرما دے۔" حضورؐ کو سعدؓ بن معاذ کی اس تقریر سے بہت خوشی ہوئی اور آپ نے فرمایا بہت اچھا ایسا ہی ہوگا۔ اور عیینہ اور حارث سے فرمادیا کہ: "تم واپس چلے جاؤ ہمارے پاس تمہارے لئے تلوار کے سوا کچھ نہیں"۔ سو اس موقع پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ سوچا محض ضرورت کے تقاضے سے تھا، کوئی آخری فیصلہ کن حکم و امر نہ تھا۔

(۳) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کی اور ایسی شرطیں تسلیم کر لیں جن پر مسلمان دل سے خوش نہ تھے، کہ آپؐ میں اور ان میں دس سال تک جنگ بند رہے گی اور لوگ ایک دوسرے سے پر امن ہو جائیں گے، آپ اس سال واپس چلے جائیں آئندہ سال آئیں، کفار تین دن کے لئے مکہ میں آپؐ کو داخل ہونے اور رہنے کی اجازت دیں گے، صرف وہ ہتھیار ساتھ لائیں جو ہر سوار کے پاس عموماً ہوتے ہیں اور تلواریں نیام میں

Marfat.com

رہیں گی ، آپ کے ساتھیوں میں سے جو مشرکوں کے پاس آجانا چاہے وہ اُسے واپس نہ کریں گے اور مشرکوں میں سے جو آپ کے پاس آئے اسے واپس کرنا ہوگا - الہام الٰہی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرطیں قبول اور پسند فرمالیں حالانکہ بظاہر یہ جھکانے والی تھیں ، اللہ تعالیٰ کی اس میں مصلحت تھی - اور ان شرطوں میں ہر قسم کے احوال میں پیش آمدہ احوال کے لئے گنجائش موجود ہے - یہ مسلم قیادت کا کام ہے کہ وقت اور حال کے مطابق مناسب تصرف کرے -

اصل بات یہ ہے کہ اس دین کا رواں دواں اور متحرک نظام ہمیشہ واقعات کا مقابلہ پورے اور مناسب وسائل سے کرتا ہے - اسلام ایک رواں دواں لچک دار نظام ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مضبوط اور واضح ہے - جو لوگ ہر قسم کے پیش آمدہ حالات میں اس سے رہنمائی طلب کریں گے وہ کبھی نصوص کی گردنوں کو جھکانے اور ان میں ایسی تاویلیں کرنے پر مجبور نہ ہوں گے جن کا وہ انکار کرتا ہے - مطلوب تو ہر حال میں خوف خدا ہے ، خدا کے دین کو جاہلی شر کے تابع اور پسندیدہ بنانے سے گریز کرتا ہے - اور محض اس کا " دفاع " کرنے اور شکست خوردگی سے پرہیز کرتا ہے ، کیونکہ وہ ایک غالب ، چھا جانے والا اور حاکم دین ہے اور اپنی بلندیوں سے تمام واقعی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت لبیک کہنے پر آمادہ ہے -

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ : ایک ایسا معجزہ واقع ہو کر رہا جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہ تھا - یہ معجزہ صرف اسلامی عقیدے سے تیار ہوتا ہے ایک دوسرے سے نفور دل ، باہم مختلف و متنفر طبائع مل جل کر ایک ایسی مضبوط ، پختہ ، متوازن اور باہمی ہمدرد جماعت میں ڈھل گئے جس کی محبت و شفقت ، الفت و خیر خواہی اور وحدت کی کوئی مثال تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے - درحقیقت اس جماعت نے دنیا کے اندر رہتے ہوئے

Marfat.com

جنت اور اس کی بلند علامات وصفات کی عملی تصویر پیش کردی۔ یہ جنت کی زندگی کی صفت ہے کہ دلوں سے کینہ اور میل کچیل نکل جائے اور سب لوگ بھائی بھائی بن جائیں۔

عملی طور پر یہ عقیدہ بڑا عجیب ہے۔ جب یہ دلوں میں رَچ جاتا ہے تو دلوں کی محبت والفت اور اخوّت ومودّت میں ڈھل جاتا ہے۔ پھر وہ دل باہم نرم ورقیق ہو جاتے ہیں اور ان میں مضبوط گہرے رفاقت کے علاقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر آنکھ کی نگاہ، ہاتھ کا مسّ، زبان کا بول اور دل کی دھڑکن سب باہمی تعارف وتعاطف کے نغمے بن جاتے ہیں۔ اس قدر موالات سماحت اور نرمی پیدا ہو جاتی ہے جس کے اندرونی بھید کو صرف خدا ہی جانتا ہے، جو انہیں جوڑنے والا ہے۔ اور اس کا مزا صرف یہ دل ہی جان سکتے ہیں۔

یہ عقیدہ انسانیّت کو حبّ فی اللہ کی دعوت دیتا ہے۔ بشریت کے تاروں پر خلوص والفت اور رنگ نیتی کا روغن چڑھاتا ہے۔ جب دل اس دعوت کو مان لیں تو وہ معجزہ واقع ہو جاتا ہے جس کی گہرائی اور حقیقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، نہ اسے اس کے سوا کوئی پیدا کر سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "خدا کے بندوں میں سے بعض ایسے ہیں جو نبی یا شہید نہیں مگر نبی اور شہید بھی قیامت کے دن ان کے قربِ الٰہی پر رشک کریں گے۔" لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمیں بتائیے کہ وہ لوگ کون ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو محض خدائی محبت کی وجہ سے باہم الفت وپیار کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں قرابتداری نہیں ہوتی، نہ وہ باہم مال کا لین دین کرتے ہیں۔ واللہ ان کے چہرے منوّر ہوں گے اور خود یہ لوگ بھی منوّر ہوں گے۔ لوگوں کے خوف کے وقت انہیں خوف نہ ہوگا اور اُن کے غم کے وقت یہ غمگین نہ ہوں گے۔" (ابو داؤد)

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑتا ہے تو ان دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے تیز آندھی کے دن خشک درخت کے پتے جھڑتے ہیں ان کے گناہ اگر سمندروں کی جھاگ کی مانند ہوں تب بھی معاف ہو جاتے ہیں" (طبرانی)

اس باب میں حضورؐ کے ارشادات بہت سے ہیں۔ آپؐ کی رسالت میں اس عنصر پر آپؐ کے اعمال بھی گواہ ہیں اور وہ امت بھی گواہ ہے جیسے آپؐ نے تیار فرمایا تھا کہ یہ محض خالی خولی کلمات ہی نہیں، نہ صرف انفرادی مثالی اعمال ہیں۔ یہ ایک عظیم واقعہ تھا جو مضبوط بنیاد پر باذن الٰہی قائم ہوا تھا۔ ان دلوں کو اس طرح باہم جوڑنے پر خدا کے سوا اور کوئی قادر نہ ہو سکتا تھا۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اے نبی! کافی ہے تجھ کو اللہ اور جتنے تیرے ساتھ ہیں

الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ع

مسلمان اے نبی! شوق دلا مسلمانوں کو

عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا

لڑائی کا اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں

مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا

دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص تو غالب ہوں ہزار

Marfat.com

مِّنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ ﴿۶۵﴾

کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے

اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِیۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ

اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں سستی ہے

فَاِنۡ یَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ۚ

سو اگر ہوں تم میں سَو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سَو پر

وَاِنۡ یَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَیۡنِ بِاِذۡنِ

اور اگر تم میں ہوں ہزار تو غالب ہوں دو ہزار پر اللہ کے

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۶۶﴾

حکم سے۔ اور اللہ ساتھ ہے ثابت قدم رہنے والوں کے

حَسۡبُكَ: یعنی آپ کے لئے مہمات میں کافی ہے تحریض کا معنی ہے کسی چیز پر ابھارنا اور ترغیب دینا۔ لا یفقہون: یعنی وہ جنگ کی حکمت اور اس کے دنیوی و اخروی مقصد کی حقیقت کا ادراک نہیں رکھتے۔ ضعف ض کے فتح اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح، مادی اور معنوی دونوں کمزوریوں کو شامل ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ضُعف بالضم تو وہ ہے جو بدن میں ہو اور ضعف بالفتح وہ کمزوری ہے جو رائے، عقل اور نفس میں ہو۔

لہ تفسیر المراغی ج۱۰ ص۲۹

Marfat.com

اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ جب دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ اور چونکہ ایسا ممکن تھا کہ کافروں کا صلح کی طرف جھکنا ازراہ مکر و فریب ہو لہٰذا وعدہ فرمایا کہ اگر وہ صلح سے ناجائز فائدہ اٹھا کر جنگ کی تیاری کرنا اور کسی قسم کی ایذاء و شر پہنچانا چاہیں گے تو اللہ آپ کے لئے کافی ہے۔ پھر اپنا یہ احسان یاد دلایا کہ خدا نے آپ کی تائید اپنی نصرت، اور ایماندار وں سے فرمائی ہے۔ انہیں آپ کا مطیع و منقاد اور باہم متحد و متفق کر دیا ہے۔ ان موجودہ آیات میں آپ کو اور آپ کے مومن ساتھیوں کو صلح و جنگ کی ہر حالت میں اپنی نصرت و کفایت کا یقین دلایا ہے۔ اور اس وعدہ کو مقدمہ و تمہید بنا کر آپ کو حکم دیا ہے کہ حسب ضرورت ایمانداروں کو جنگ پر ابھاریں اور اس کے لئے آمادہ کریں۔ یہ ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب کہ آپ دیکھیں کہ دشمن نے لڑائی چھیڑ دی ہے یا عہد شکنی کی ہے اور صلح و آشتی میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

آیت ۶۴ : اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، اکثر سلف کے نزدیک مطلب[1] یہ ہے کہ اے پیغمبر! خدا تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو کافی ہے۔ یعنی قلت عدد اور بے سرو سامانی وغیرہ سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور بعض علماء نے یہ معنی لئے ہیں کہ اے پیغمبر! تجھ کو فی الحقیقت اکیلا خدا کافی ہے اور ظاہر اسباب کے اعتبار سے مخلص مسلمانوں کی جماعت، خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو کافی ہے۔ پہلے جو فرمایا تھا کہ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ گویا یہ اس کا خلاصہ ہوا۔

آیت ۶۵ : یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں۔ خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ سبب

---

[1] فوائد القرآن صـ ۲۳۹-۲۴۰

Marfat.com

یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کے لئے ہے۔ وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدانِ جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ پر مرنا اصل زندگی ہے۔ اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے، خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور مسرت سے ہم کنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائیدِ ایزدی مددگار ہوتی ہے۔ اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لئے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے، کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتا، اس لئے محض حقیر اور فانی اغراض کے لئے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوتِ قلبی اور امدادِ غیبی سے محروم رہتا ہے۔ اس بناء پر خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنا دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہیئے۔ اگر مسلمان بیس ۲۰ ہوں تو دو سو ۲۰۰ کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ۱۰۰ ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھائیں۔

بیس ۲۰ اور سو ۱۰۰، دو عدد شاید اس لئے بیان فرمائے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے "سریہ" میں کم از کم بیس اور "جیش" میں ایک "سو" سپاہی ہوتے ہوں گے۔ اگلی آیت مدت کے بعد اتری اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اس لئے سریہ کم از کم ایک سو اور جیش ایک ہزار کا ہو گا۔ دونوں آیتوں میں بیانِ نسبت کے وقت اعداد کا یہ تفاوت ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی۔

آیت ۶۶: بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ گزشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب

لہ فوائد القرآن صہ ۲۳۹ - ۲۴۰

لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری: اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ الخ یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھا لیا۔ اب صرف اپنے دگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے۔ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلادت معلوم تھی۔ کچھ مدت کے بعد ان میں کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے۔ اور جو نئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم و تفویض نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور "توکل علی اللہ" میں قدرے کمی واقع ہوئی ہوگی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوشِ عمل زیادہ ہوتا ہے، اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے۔ لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش، حرارت اور ہمت میں کمی آجاتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ: "اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنا کافروں پر جہاد کریں۔ پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے تب یہی حکم ہوا کہ دو گنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرتؐ کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں"۔ غزوۂ مؤتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے تاریخ اسلام بحمد اللہ بھری پڑی ہے۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت الاستاذ کی تقریر سے معلوم ہوا

Marfat.com

کہ حکم میں یہ آسانی دراصل حالات و ظروف پر منحصر ہے۔ اور ایک اور دو کی نسبت اس وقت ہے جب کہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہو۔ لیکن اگر یہ تناسب کسی صورت میں قائم نہ ہوسکتا ہو تو پھر یقیناً یہ حکم نہ ہو گا اور پہلا حکم ہی لوٹ آئے گا۔ بطورِ مثال پاکستان اور ہندوستان کی فوجوں کا تناسب بظاہر کبھی ایک اور دو کا نہیں ہو سکتا، جس کی وجوہ ہر عقلمند پر روشن ہیں۔ پس یہاں یہ آسانی والا حکم نافذ نہیں ہو گا۔ ورنہ خدانخواستہ ایسا وقت بھی آنے کا خدشہ ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی مٹ جائے، ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں یہ حکم نہ ہو گا۔ نیز اس میں فرضِ کفایہ اور فرضِ عین کا بھی فرق و امتیاز ہے جب نفیرِ عام ہو جائے تو اس وقت کوئی تناسب، کوئی تعداد اور کوئی دوسرا جزئی سوال پیشِ نظر نہ ہو گا بلکہ تخت یا تختہ، زندگی یا موت کا سوال ہو گا۔ جیسا کہ گزشتہ ۶۵ء کی جنگ کے موقع پر تھا! واللہ اعلم بالصواب۔

ؔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب میدانِ جنگ میں بنفسِ نفیس تشریف فرما ہوتے تو صف بندی اور مقابلہ کے وقت برابر مسلمانوں کا دل بڑھاتے۔ جنگ بدر میں صفوں کے اندر فرما رہے تھے کہ اٹھو! اس جنت کو حاصل کرو جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے۔ عُمیر رضؓ بن حمام نے کہا کہ اتنی چوڑائی؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں ہاں اتنی ہی! انہوں نے کہا واہ واہ! حضورؐ نے فرمایا تم ایسا کس ارادے سے کہتے ہو؟ کہنے لگے اس خیال سے کہ اللہ مجھے بھی جنتی کر دے ارشاد فرمایا تو جنتی ہے۔ وہ اٹھے تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور چند کھجوریں جو پاس تھیں، کھانے لگے۔ یکایک وہ کھجوریں بھی پھینک دیں اور کہا کہ اب تو اتنی دیر بھی یہاں ٹھہرنا شاق ہے کہ یہ کھجوریں ختم کر لوں! چنانچہ دشمنوں کی صف میں گھس گئے اور لڑ کر سرِ دانہ وار شہید ہو گئے۔

ؔ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۱۹ تا ۲۰

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ:
یعنی اللہ آپؐ کے لئے اور آپؐ کے متبع ایمانداروں کے لئے دشمنوں کی طرف سے کافی ہے۔ ایک اور آیت میں اہلِ ایمان کا مقولہ یوں مذکور ہے: "لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہارے لئے بہت سے لوگ جمع ہو چکے ہیں تم ان سے ڈر جاؤ۔ تو ان مومنوں کا ایمان اور بھی قوی ہو گیا اور کہنے لگے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔" ایک اور آیت میں اللہ کا ارشاد ہے کہ: "مجھے اللہ کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اسی پر اعتماد اور تکیہ کرتے ہیں۔"

جب عام مومنوں کا قاعدہ یہ ہے کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہتے ہیں تو پیغمبر، بالخصوص جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سے کہیں زیادہ توحید و توکل میں کامل تر ہوتے ہیں، پس مصائب و تکالیف میں ان کا یہی کام تھا کہ خدا پر بھروسہ کرکے ڈٹے رہتے تھے۔

اس آیت میں مؤمنین سے مراد مہاجرین و انصار کی پہلی مقدس مومن جماعت ہے، بالخصوص جو ان میں سے بدر میں شامل ہوئے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ: ایمانداروں کو شوق و ترغیب دلاؤ کہ کفار کے عدوان کو دور کرنے، حق و عدل کا کلمہ بلند کرنے، اہلِ حق کو سرفراز کرنے اور باطل و ظلم اور اہلِ باطل کو سرنگوں کرنے کی خاطر قتال کریں۔ ایسے مواقع پر اور ان مقاصد کے لئے جہاد اجتماعِ بشری کی ضروریات میں سے ہے۔ اور زندگی اور سرفرازی میں حق و باطل کے تنازع کی جو سنت چلی آتی ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ قتال کیا جائے۔

[1] تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۷۴-۸۳، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۲۹-۳۲

Marfat.com

اگر مسلمانوں کو جہاد و قتال کا شوق نہ رہے گا تو وہ ایک ہلاک ہونے والی بوڑھی قوم بن جائیں گے کیونکہ کافر جب دیکھیں گے کہ مسلمان کمزور اور غیر جنگی قوم بن کر رہ گئے ہیں تو وہ ان پر ظلم و تعدی کریں گے اور مٹا ڈالیں گے۔

(یعنی اسلام کی فطرت اور مسلم قوم کی طبیعت ہی ایسی ہے کہ اس کی زندگی جہاد و قتال پر موقوف ہے، ساری دنیا ہماری دشمن ہے اس کے شر سے بچنے کی صرف دو صورتیں ہیں یا تو خدا نخواستہ اسلام کو ترک کر دینا اور یا پھر جہاد و قتال! ظاہر ہے کہ باغیرت مسلمان کے لئے صرف دوسری صورت قابل قبول ہے۔ مؤلف)

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ الخ اگر تم میں سے بیس صابر موجود ہوں تو وہ اپنے ایمان و صبر اور علم کی گہرائی کی تاثیر سے دو سو کافروں پر غالب آجائیں گے جو کہ ان صفات سے عاری ہیں۔ یہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ مومن جماعت جتنی صابر ہو گی اتنی ہی غالب ہو گی۔ ایک مومن کی دس کے مقابلہ میں صبر کرنا چاہیئے کیونکہ مومن صابر جماعت اسی نسبت سے کافروں پر بھاری ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ: یعنی تم اس ایک اور دس کے تناسب سے ان پر اس لئے غالب آجاؤ گے کہ جنگ کی حکمت سے جس طرح تم آشنا ہو وہ اس سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ تمہارے نزدیک تو اس میں خدا کی رضا مدنظر ہوتی ہے تاکہ اس کی عادل سُنن کو قائم کیا جائے اور عقائد صحیحہ و اخلاق فاضلہ سے اس کے بندوں کے حال کی اصلاح کی جائے۔ اسی طرح تم جہاد و قتال میں اس کے احکام و سُنن کی رعایت کرتے ہو اور حسب استطاعت ان مقاصد کے لئے تیاری کرتے ہو۔ نیز مومنوں کے نزدیک جنگ کا نتیجہ دو اچھی چیزوں میں سے ایک ضرور

Marfat.com

نکلے گا یا تو فتح اور دنیوی غنیمت ملے گی اور یا شہادت اور اخروی سعادت حاصل ہو گی۔ اور یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ کفّار ان سب چیزوں سے ناواقف ہیں۔

کفّار کا حال ان سب مذکورہ باتوں میں تمہارے خلاف ہے۔ بالخصوص ان میں سے جو مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور جزاء و سزا کے منکر ہیں مثلاً اُس زمانے کے مشرکین عرب اور یہود جن کی آنکھوں کو مادّی طمع اور لذّات و شہوات کی محبّت نے اندھا کر رکھا تھا۔ پس یہ لوگ مسلمانوں سے دنیوی زندگی پر زیادہ تر حریص تھے کیونکہ ان کا اُخروی سعادت پر ایمان ہی نہ تھا اور اگر بعض کا تھا بھی تو برائے نام تھا (مثلاً عیسائی اور بعض یہود) کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ نسب کی بزرگی اور پیغمبروں کی شفاعت سے انہیں آنے والی زندگی کی کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ ذاتی ایمان اور نیکی کو ضروری نہیں جانتے تھے۔

اس آیت میں یہ اشارہ موجود ہے کہ ایمان داروں کو انسانی زندگی اور اقوام کے ارتقاء کے بارے میں کافروں سے ہر طرح زیادہ عالم ہونا چاہیئے اور یہی چیز ان کے اور کافروں کے درمیان ایک اور دس کے تناسب کا موجب ہے۔ پہلے زمانوں کے مسلمان جب اپنے دین کی ہدایت پر عامل تھے تو اُن کا یہی حال تھا۔ انہیں ایک وسیع ملک اور عظیم عزّت و شان و شوکت حاصل تھی۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی قومیں اور طاقتیں ان کے سامنے سرنگوں تھیں جب انہوں نے اس ہدایت کو چھوڑ دیا تو ان کی شان و شوکت اور سرداری جاتی رہی۔ آپس کے اختلاف سے ہوا اکھڑ گئی اور حکومت کا اکثر حصّہ ان سے چھن گیا۔

اس آیت میں ایمان کا اعلیٰ مرتبہ بیان فرمایا گیا ہے اور آنے والی آیت میں ادنیٰ و ضعیف مرتبہ پیش فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اَلْــٰٔنَ

Marfat.com

خفف اللہ عنکم الخ کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ مومنوں کو کافروں پر جو کم از کم ترجیح حاصل ہے وہ ایک اور دو کا تناسب ہے۔ اور یہ رخصت ضعف کے حال کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ غزوۂ بدر کا حال تھا (جس وقت یہ آیات نازل ہوئی تھیں!) کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس نہ تو کافی خوراک تھی اور نہ ساز و سامان۔ فقط ایک گھوڑا ان کے پاس تھا۔ وہ تو تجارتی قافلے کے ارادہ سے گئے تھے جنگ کی تیاری کر کے نہ گئے تھے اور مشرکوں سے ان کی تعداد ⅓ سے کم تھی۔ مشرک ہر طرح سے چاق و چوبند اور مسلح تھے۔

جب مسلمانوں کی قوت کامل ہو گئی تو وہ اپنے سے دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد سے لڑا کرتے تھے اور فتح پا لیتے تھے۔ روم و فارس وغیرہ ممالک کی فتح اسی طرح ہوئی تھی۔

حضورؐ کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اس بارے میں حضورؐ کے اصحابؓ مسلمانوں کے لئے رہنمائی اور تقلید کی مثال تھے۔ آپؐ نے اپنے قاصد حارثؓ بن عمیر ازدی کے قتل کا قصاص لینے کے لئے شام کی سطح مرتفع کے علاقہ مؤتہ کو جو لشکر روانہ فرمایا تھا اس کی تعداد تین ہزار تھی اور ان سے لڑنے والے رومیوں اور عیسائی عربوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔

باذن اللہ کا معنی ہے اس کی معاونت و توفیق سے۔ اسی معنی میں یہ آیت بھی ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ اور اس میں یہ ایما ہے کہ غلبے کے لئے خدا کی سنت یہ ہے کہ صابروں کو غیر صابروں پر فتح دی جائے۔ اور اس میں ایمان داروں کے لئے عبرت و تحذیر بھی ہے کہ مبادا اپنے دین پر مغرور ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ صرف ایمان ہی نصرت و فتح کا مقتضی ہے اور اس کی لازم صفات کو حاصل کرنے کی ضرورت نہیں جن سے وہ کامل ہو جاتے۔ ان

Marfat.com

صفات میں سے اہم تر اور عظیم تر صبر ہے اور چیزوں کے حقائق کو جاننا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی سنتوں کا علم حاصل کرنا ہے۔ یہ سب ایمان ہی کے تقاضے ہیں۔ پس فقط زبانی اور دعوے کا ایمان کافی نہیں ہو سکتا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلم جماعت کو اطمینان دلایا ہے، کہ وہ ان کا ولی اور کارساز ہے اور کی نصرت و مدد کے لئے کافی ہے۔ نیز حضورؐ کو حکم دیا ہے کہ ایماندار وں کو قتال فی سبیل اللہ پر ابھاریں کیونکہ وہ کافروں میں سے دس دس کے برابر ہیں کیونکہ کافروں میں ان جیسی فقہ نہیں ہے۔ اور ضعیف ترین حالات میں وہ اپنے سے دُگنے کافروں کے برابر ہیں۔[1]

ایک طرف اس قوت کو رکھو جسے کوئی ہٹا سکنے والا اور جس کا کوئی تعاقب کر سکنے والا نہیں ہے۔ یعنی اللہ قوی وعزیز کی قوت ـــــ اور دوسری طرف وہ عاجز و ضعیف اور دُبلی پتلی قوت ہے جو اللہ کے لشکروں کا مقابلہ کرتی ہے۔ پھر سوچو کہ دونوں میں فرق کتنا بعید و عظیم ہے۔ پس اسلام و کفر کے معرکہ میں انجام کی ذمہ داری خدا کے سپرد ہے اور نتیجہ معلوم و معروف ہے۔ یہ سارا مضمون اس آیت سے معلوم ہوتا ہے

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ الخ

اور یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کو حکم دیا گیا کہ اہل ایمان کو قتال کی ترغیب دیں یہ ترغیب اس وقت دی گئی جب کہ ہر جی تیار تھا، ہر دل اور جسم کا ایک ایک پٹھا آمادہ تھا۔ رگ رگ میں آمادگی پیدا ہو چکی تھی۔ دلوں میں اطمینان و یقین اور اعتماد کا دور دورہ تھا۔

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۵۷، ۵۹

Marfat.com

اب جب پیغمبرؐ نے انہیں جنگ پر ابھارا تو مسلمان اپنے دشمن اور خدا کے دشمن کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھے۔ وہ اس کے کفو و مثیل تھے گو ان کی تعداد کم اور دشمن کی زیادہ تھی۔

لیکن قرآن نے بِاَنَّھُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَھُوۡنَ ۝ فرما کر مسلمانوں اور کفار کے ایک اور دس کے تفاوت و توازن کی نہایت عجیب و غریب علّت بیان کی ہے۔ لیکن یہ علّت سچی اور گہری ہے۔ یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ غلبہ و فتح میں بظاہر "فقہ" کا کیا تعلق؟ لیکن یہ ایک حقیقی تعلق اور مضبوط تعلق ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ مومن جماعت دوسروں سے صرف اس بات میں ممتاز ہے کہ وہ اپنی راہِ عمل کو پہچانتی ہے، اپنے نظامِ عمل کو سمجھتی ہے اور اپنے وجود کی حقیقت کو اور اپنے مقصد کی حقیقت کو دل سے جانتی ہے۔ وہ الوہیت و عبودیت کی حقیقت کو سمجھتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ الوہیّت کا الگ تھلگ منفرد اور بلند و بالا ہونا لازم ہے اور عبودیت صرف ایک معبود کے لئے ہونی چاہیئے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مسلم جماعت یہ بھی سمجھتی ہے کہ وہ خود ہی "اُمّتِ مسلمہ" ہے جو ہدایتِ الٰہی کی پابند ہے اور زمین میں اس لئے کام کر رہی ہے کہ انسانوں کو بندوں کو بندگی سے نکال کر صرف ایک خدا کی عبادت و بندگی میں داخل کرے۔ اور صرف وہی اس زمین میں خدا کی نائب ہے، اس کو اقتدار بخشا گیا ہے، اس لئے نہیں کہ متکبر و مغرور ہو کر دوسروں پر چڑھ دوڑے، بلکہ محض اس لئے کہ خدا کا کلمہ بلند کرے اور اس کی راہ میں جہاد کرے، زمین کو حق سے آباد کرے، لوگوں کے اندر انصاف سے حکم و فیصلے کرے اور زمین میں خدا کی مملکت قائم کرے جو لوگوں کے اندر عدل قائم کرنے پر مبنی ہو۔ یہ ساری چیزیں "فقہ" کہلائیں گی جو مسلم جماعت کے دلوں میں نور و یقین اور قوت و اعتماد انڈیل دیتی ہیں۔ وہ ان چیزوں کو لے کر جہاد فی سبیل اللّٰہ کی طرف

Marfat.com

ایسی قوت واطمینان سے آگے بڑھتی ہے جو اس کی اصل قوت کو کئی گنا کر دیتی ہیں۔ اور کافروں کو یہ فقاہت حاصل نہیں۔ ان کے دل بند، آنکھیں پردے میں، قوت عاجز اور تھکی ہوئی ہے اگرچہ بظاہر مسلمانوں سے زیادہ ہی نظر آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوت طاقت کی اصل اور بڑی جڑ سے کٹی ہوئی ہے۔

یہ ایک اور دس کی نسبت ہی مضبوط اور قوی ایمانداروں اور کافروں میں معتبر ہے۔ ہاں! مسلمانوں کے خفیف ترین حالات میں ایک اور دو کی نسبت تو ضرور ہی ہونی چاہیئے۔

بعض مفسرین اور فقہاء نے یہ سمجھا ہے کہ یہ آیات اہل ایمان کو حکم دیتی ہیں کہ وہ قوت کی حالت میں دس گنا کافروں سے مقابلہ کریں اور فرار نہ کریں۔ اور ضعف کی حالت میں ایک آدمی دو کا مقابلہ کرے اور منہ نہ پھیرے۔ اس موقع پر بہت سی فرعی مشہور اختلافات ہیں جن میں ہم داخل نہیں ہونا چاہتے ہمارے نزدیک راجح تفسیر یہی ہے کہ یہ آیات خدا کی میزانِ حق میں دشمن کے مقابلہ میں مومنوں کی قوت کا اندازہ پیش کرتی ہیں اور ایمان داروں کی اس طور پر تعریف فرماتی ہیں کہ ان کے دلوں میں اطمینان کی دولت بیدار ہو جائے۔ یہ احکامِ تشریعیہ نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي

نبی کو نہیں چاہیئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کرے

الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ

ملک میں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ کے ہاں چاہیئے

Marfat.com

الْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ

آخرت - اور اللہ زور آور حکمت والا ہے اگر نہ ہوتی ایک بات

مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ

جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں

عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ

بڑا عذاب سو کھاؤ تم جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا اور

ع ۵ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

ڈرتے رہو اللہ سے - بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

[1] اَسْرٰی : اَسِیْرٌ کی جمع ہے - اس کا مادہ اَسْر ہے جس کا معنی ہے چمڑے کی ڈوری سے باندھنا - میدان جنگ سے جو گرفتار ہوتا تھا اُسے باندھ لیا کرتے تھے تاکہ بھاگ نہ جائے - پھر یہ لفظ ہر جنگی قیدی پر بولا جانے لگا اگرچہ اُسے باندھا نہ گیا ہو - اِثْخَانٌ کا معنی ہے کسی چیز یا کام کو شدت و قوت سے کرنا قَدْ اَثْخَنَهُ الْمَرَضُ کہتے ہیں جب کہ بیماری کا شدید حملہ ہو اور اس کی قوت مریض پر غالب آ جائے - اسی طرح جب کوئی سخت زخمی ہو جائے تو کہتے ہیں اَثْخَنَتْهُ الْجِرَاحُ - ثخانت کا معنی ہے غلیظ ہونا اور ہر غلیظ (گاڑھی) چیز کو ثخین کہتے ہیں - عَرَضٌ کا معنی ہے عارضی چیز جو دائم نہ ہو - دنیوی ساز و سامان کو عَرَضٌ

---

[1] تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۳۳-۳۴

Marfat.com

کہتے ہیں کیونکہ وہ عارضی ہے اور تھوڑی دیر رہنے والا ہے۔ مَسَّکُمْ: یعنی تمہیں پہنچتا، تمہیں مصیبت آتی۔

فِيمَا أَخَذْتُمْ: تم نے جو فدیہ لیا ہے اس کی وجہ سے۔

کافروں سے جہاد و قتال کے وقت مومنوں کو صبر و ثبات کا حکم دینے، اور جب وہ صلح و آشتی کی طرف جھکیں تو اسے ترجیح دینے کا حکم دینے کے بعد ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگی قیدیوں کے احکام بیان فرمائے ہیں کیونکہ قیدیوں کے معاملات کا فیصلہ عموماً قتال کے بعد ہی طے کیا جاتا ہے، جنگِ بدر میں بھی ایسا ہی ہوا تھا اور ہر زمانے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابن مردویہ اور بیہقی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ: "جب بدر کی جنگ ختم ہو چکی تو اس کے بعد قیدیوں کو لایا گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم اور ذات برادری کے لوگ ہیں، انہیں زندہ چھوڑ دیجئے شاید اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی توفیق دے دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ آپ کو وطن سے نکالا اور آپ سے لڑائی کی، انہیں آگے کیجئے اور ان کی گردنیں اڑوا دیجئے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس وادی میں ہیں جہاں ایندھن بکثرت مل جاتا ہے، انہیں زندہ ہی جلوا دیجئے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن رواحہ سے کہا کہ کیا تم نے قطع رحمی کا ارادہ کر لیا ہے؟ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں سن کر خاموشی سے گھر میں تشریف لے گئے۔ اور ان میں سے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ حضور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول فرمائیں گے، بعض نے کہا کہ نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول فرمائیں گے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دلوں کو اس قدر نرم کر دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہوتے ہیں۔ اور بعض آدمیوں کے دلوں کو اتنا

Marfat.com

سخت کر دیتا ہے کہ وہ پتھر دل سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

اے ابو بکرؓ! تمہاری مثال تو ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے خداوند تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ: جو میرا فرماں بردار ہے وہ تو میرا ہے اور جو میرا نافرمان ہے تو اے اللہ تو غفور رحیم ہے۔ اور اے ابو بکرؓ! تمہاری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی مانند ہے جو خداوند تعالیٰ سے میدان قیامت میں عرض کریں گے کہ: اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخشش دے تو تو غالب اور دانا ہے۔ اور اے عمرؓ! تمہاری مثال موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہے جنہوں نے دشمنوں کے لئے یہ دعا کی تھی کہ اے پروردگار! ان کے مالوں کو تباہ کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، سو یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک سزا کو نہ دیکھ لیں۔ اور اے عمر! تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی مانند ہے جنہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک بھی زندہ نہ رکھ۔

پھر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم اس وقت مفلس اور محتاج ہو سو کوئی کافر قیدی بھی مفت میں نہ چھوڑا جائے گا، یا تو وہ تاوانِ جنگ دے یا اس کی گردن اڑا دی جائے! عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سہیل بن بیضاء کو اس حکم سے مستثنیٰ فرما دیجئے! حضورؐ خاموش رہے تو مجھے جتنا اس دن اپنے اوپر خدا کی ناراضگی کے پتھر گر جانے کا اندیشہ تھا اتنا کبھی نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! سہیل بن بیضاء مستثنیٰ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى الخ

امام احمدؒ نے عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ جب مسلمانوں نے جنگِ بدر میں قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ سے فرمایا کہ ان قیدیوں کے متعلق تمہارا کیا مشورہ ہے؟

Marfat.com

ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! یہ ہمارے چچازاد اور قرابت دار ہیں، میری رائے تو یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے لیجئے جو ہمارے لئے کفار کے خلاف قوت کا باعث ہو اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی ہدایت دے دے۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن الخطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ عمرؓ نے کہا واللہ! میری رائے وہ نہیں جو ابوبکرؓ نے پیش کی ہے۔ اس کے برخلاف میری رائے یہ ہے کہ آپؐ انہیں ہمارے سپرد فرمائیے تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ عقیل کو ان کے بھائی علیؓ کے سپرد فرمائیے کہ وہ اس کی گردن اڑائیں اور میرے سپرد میرا فلاں رشتہ دار فرمائیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ اور فلاں کے سپرد اس کا فلاں رشتہ دار فرمائیے۔ کیونکہ یہ سب لوگ کفر کے سردار اور اس کے چودھری ہیں۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کا مشورہ پسند فرمایا اور عمرؓ کے مشورہ پر عمل نہ کیا۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اس واقعہ سے اگلے دن میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ ابوبکرؓ کے ساتھ بیٹھے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپؐ اور آپ کا دوست کس بات پر روتے ہیں؟ سو اگر مجھے رونا آئے تو میں بھی روؤں ورنہ آپؐ دونوں حضرات کے رونے کے باعث رونی صورت ہی بناؤں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس رائے کی وجہ سے رو رہا ہوں جو تمہارے دوستوں نے میرے سامنے فدیہ لینے کے متعلق پیش کی تھی۔ ان کی سزا میرے سامنے اس قریبی درخت سے بھی قریب پیش کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ الخ

اس حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تاوانِ جنگ کو قبول کرنے کا مشورہ دینے والے بہت سے حضرات تھے، مگر

Marfat.com

اکثر روایات میں صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے کیونکہ ایک تو ان کا مقام بہت بلند تھا اور دوسرے انہوں نے ہی پہلے پہل یہ رائے دی تھی۔

ابن المنذر نے قتادہؒ سے روایت کی ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تاوان جنگ لینے کا ارادہ کیا تو فی قیدی چار ہزار کے حساب سے وصول کیا تھا![1]

آیت ۶۷: بدر کی لڑائی سے ستّر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے۔ حق تعالیٰ نے اُن کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں۔ قتل کر دینا۔ یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لئے پیش کرنا امتحان و آزمائش کے طریقہ پر تھا کہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے اور طبیعت سے کس طرف جھکتے ہیں جیسے ازواجِ مطہراتؓ کو دو صورتوں میں اختیار کا حق دیا گیا تھا: اِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَہَا فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡکُنَّ الخ (الاحزاب ع۴) یا معراج میں آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو برتن پیش کئے گئے تھے، آپؐ نے دودھ کو اختیار فرما لیا، جبریلؑ نے کہا کہ اگر بالفرض آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت بہک جاتی۔

بہرحال آپؐ نے صحابہؓ سے اس معاملہ میں رائے طلب کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ یارسول اللہ! یہ سب قیدی اپنے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں، بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس نرم سلوک اور احسان کے بعد ممکن ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد وہ

---

[1] فوائد القرآن صفحہ ۲۴۷

اتباع ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال بالفعل ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔ باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہوجائیں تو مضائقہ نہیں، درجۂ شہادت ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی فطری رحم دلی اور شفقت کی بناء پر اور صلۂ رحمی کی خاطر اسی رائے کی طرف تھا۔ بلکہ صحابہؓ کی عام رائے اسی جانب تھی۔ بہت سے تو انہی وجوہ کی بنار پر جو جناب ابوبکرؓ نے بیان فرمائیں اور بعض محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ علامہ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن القیم کی رائے میں یہ عام صحابہؓ کا خیال اور بعض کا محض مالی فائدہ کی خاطر اس رائے سے متفق ہونا اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے: تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا۔

حضرت فاروقؓ اور سعدؓ بن معاذ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں (ان کو ختم کردیا جائے تو کفر و شرک کا سر ٹوٹ جائے گا۔ تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہوجائے گی، آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا!) اور خدا کے آگے ہماری مشرکین سے انتہائی نفرت و بغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہوجائے گا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور مالی فوائد کی کچھ پروا نہیں کی۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو ہم میں سے کسی کا عزیز و قریب ہو، وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔

الغرض بحث و تمحیص کے بعد ابوبکرؓ کے مشورہ پر عمل ہوا کیونکہ کثرت رائے اُدھر تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طبعی رافت و رحمت کی بنار پر اسی طرف مائل تھے۔ اور ویسے بھی اخلاقی اور کلی حیثیت سے عام حالات میں وہی رائے قرینِ صواب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اسلام اس وقت جن حالات سے گزر رہا تھا ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت گیر

Marfat.com

شکن کارروائی کی جائے۔ تیرہ سال کے ستم کشوں کو طاغوت کے پرستاروں پر یہ ثابت کرنے کا پہلا موقع ملا تھا کہ تمہارے تعلقات، قرابت، اموال، جتھے اور طاقتیں، اب کوئی چیز تم کو خدا کی شمشیرِ انتقام سے پناہ نہیں دے سکتی۔ ابتداءً ایک مرتبہ ظالم مشرکین پر رُعب وہیبت بٹھلا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے لئے آئندہ بہتیرے مواقع باقی رہتے تھے۔ اُدھر ستّر مسلمانوں کے آئندہ قتل ہو جانے پر راضی ہو جانا معمولی بات نہ تھی۔ اسی لئے اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور ہنگامی حالات کی نزاکت کی حیثیت سے حق تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہ ہوا: "مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ" میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی۔ اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر "تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا" سے خطاب کیا گیا۔ یعنی تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو، حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہیئے۔ خدا کی حکمت مقتضی ہو تو وہ تمہارا کام اپنے زورِ قدرت سے ظاہری اسباب کے بدون بھی کر سکتا ہے۔ بہر حال فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری غلطی قرار دی گئی۔

اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ روایات سے حضورؐ کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلۂ رحمی اور رحم دلی کی بناء پر آپؐ کا رجحان اس رائے کی طرف تھا۔ البتہ صحابہؓ میں بعض صرف مالی فوائد کو پیشِ نظر رکھ کر اور اکثر حضرات دوسری مصالح دینیہ و اخلاقی داعیہ کے ساتھ مالی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے پیش کر رہے تھے۔ گویا صحابہؓ کے مشورہ میں کُلاًّ یا جزءً مالی حیثیت ضرور زیرِ نظر تھی۔ کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے "بُغض فی اللہ" میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد "جہاد" سے

Marfat.com

غفلت برتنا اور ستّر مسلمانوں کے قتل نہ کئے جانے پر اپنے اختیار سے رضامند ہو جانا صحابہؓ جیسے مقرّبین کی شانِ عالی اور منصبِ جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لئے ان آیات میں سخت لہجہ میں عتاب آمیز خطاب اختیار فرمایا گیا ہے حدیث میں ہے کہ لڑائی میں ایک شخص کے سر پر زخم آیا، اُسے غسل کی حاجت ہوئی، پانی سر پر استعمال کرنا سخت مہلک تھا۔ ساتھیوں سے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ پانی کی موجودگی میں ہم تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ اُس نے غسل کر لیا اور فوت ہو گیا۔ حضورؐ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا، قَتَلُوْہُ قَتَلَہُمُ اللّٰہُ۔ الحدیث۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اجتہادی غلطی اگر زیادہ واضح اور خطرناک ہو تو اس پر عتاب ہو سکتا ہے۔ گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجتہد نے پوری قوّتِ اجتہاد صرف کرنے میں کوتاہی کی۔

آیت ۶۸: یعنی یہ غلطی تو فی حدّ ذاتہ ایسی تھی کہ سخت سزا ان لوگوں کو دی جاتی جنہوں نے دنیوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا، مگر سزا دہی سے وہ چیز مانع ہے جو خدا پہلے سے لکھ چکا ہے اور طے کر چکا ہے اور وہ کئی باتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) مجتہد کو اس قسم کی اجتہادی خطاء پر سزا نہیں ہو گی۔

(۲) جب تک خدا امراً و نہیاً کسی چیز کا صاف حکم بیان نہ فرمائے اس وقت تک اس کے مرتکب کو سزا نہیں دیتا۔

(۳) اہلِ بدر کی خطاؤں کو خدا معاف کر چکا ہے۔

(۴) غلطی سے جو رویّہ قبل از وقت اختیار کر لیا گیا، یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا، خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اس کی اجازت ہو جائے گی۔ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً۔

(۵) یہ بھی طے شدہ ہے کہ جب تک پیغمبر علیہ السلام ان میں موجود ہیں یا لوگ صدقِ دل سے استغفار کرتے ہیں، عذاب نہ آئے گا۔

Marfat.com

(۶) ان قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔

الغرض اس قسم کے موانع نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم و ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیئے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس قولی تنبیہ کے بعد وہ عذاب جو اس طرح کی خوفناک غلطی پر آسکتا تھا، آپؐ کے سامنے نہایت قریب کر کے پیش کیا گیا۔ گویا یہ قولی تنبیہ کو زیادہ مؤثر بنانے کی ایک صورت تھی۔ آپؐ اس منظر کو دیکھ کر وقفِ گریہ و بُکا ہوئے، حضرت عمرؓ نے سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے سامنے ان کا عذاب پیش کیا گیا ہے یعنی جس کا آنا ان پر ممکن تھا اگر موانعِ مذکورہ نہ ہوتے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ آپ کے سامنے یہ پیش نظر اسی قسم کا تھا جیسے صلوٰۃ کسوف ادا کرتے وقت آپ کے سامنے جنت و دوزخ دیوارِ قبلہ میں ممثّل کردی گئی تھی۔ یعنی اس متوقع عذاب کا نظارا کرانا تھا اور بس!

آیت ۶۹ : پچھلے عتاب و تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مالِ غنیمت کو جس میں فدیۂ اُساریٰ بھی شامل تھا، اب ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے۔ اس آیت میں تسلی فرمادی کہ وہ اللہ کی عطا ہے خوشی سے کھاؤ۔ ہاں جہاد کے سلسلہ میں مالِ غنیمت وغیرہ کو مطمح نظر بنانا یا اس قدر اہمیت دینا نہیں چاہیئے کہ مقاصدِ عالیہ اور مصالحِ کلیہ سے اعراض ہونے لگے۔ بیشک وقتی حالات و مصالح کے اعتبار سے تم نے ایک غلط طریق کار اختیار کیا مگر نفسِ مال میں کوئی خُبث نہیں۔ خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ اپنی رحمت سے غلطیوں کو معاف فرما دے گا۔

[1] بدر کی لڑائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ستّر قیدی کفار کے لے کر مدینہ میں تشریف لائے۔ ان قیدیوں کی بابت کہ جن میں حضرت کے چچا عباسؓ

---

[1] تفسیر حقانی ج ۴ ص ۲۰۲-۲۰۳

Marfat.com

اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیلؓ بھی تھے، لوگوں سے رائے پوچھی۔ اور آخر کار حضرت ابوبکرؓ کی رائے کے مطابق فیصلہ فرما دیا کہ ہر قیدی سے چالیس اوقیہ لے کر چھوڑ دیا جائے (اوقیہ سونے کا ایک پیمانہ تھا جس کے ۴۰ درہم بنتے تھے اور درہم تقریباً چار آنے کا تھا) عباسؓ سے خود ان کا، ان کے بھتیجے عقیلؓ کا اور نوفل بن حارث کا تاوان وصول کیا جس پر عباس نے کہا کہ میں تو فقیر ہو گیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سونا جو آپ گھر میں دبا آئے ہیں اسے نکال لیجئے۔ اس پر عباسؓ مسلمان ہو گئے کیونکہ اس سونے کی خبر ان کے اور ان کی بیوی کے سوا تیسرے کسی شخص کو نہ تھی۔

جنگی قیدیوں کے متعلق امام کے اختیار میں چار باتیں ہیں (۱) تاوان لے کر چھوڑ دینا (۲) مفت چھوڑ دینا (۳) قتل کر ڈالنا (۴) غلام بنا کر رکھنا۔ سب اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے بجز نیچریوں کے کہ وہ تقلیدِ یورپ میں غلام بنانا درست نہیں جانتے۔

پس فدیہ لینا اور قتل کر دینا آنحضرتؐ کے لئے دونوں فعل مباح تھے اور اسی لئے تو لوگوں سے مشورہ لیا تھا لیکن زیادہ تر مناسب وقت ان کا قتل کرنا تھا تاکہ پھر سرکشی نہ کرنے اور انبیاء علیہم السلام پر ترک اولیٰ پر بھی عتاب ہوتا ہے، اس لئے یہ آیات نازل ہوئیں کہ نبی کو زیبا نہیں کہ قیدی بنا رکھے اور خوب قتل نہ کرے الخ اگر تقدیر ازل میں نہ لکھا ہوتا کہ تم ان سے فدیہ لوگے۔ پھر وہ تم پر چڑھائی کریں گے اور نیز یہ کہ ان میں سے بہت سے لوگ اسلام لائیں گے اور یہ کہ تم کو فدیہ لینا درست ہے۔ تو تم پر اس فدیہ لینے پر عذاب الیم ہوتا! عمرؓ کی رائے حاکم بالا کے منشی کے مطابق تھی۔ خیر اب جو کچھ تم نے ان سے لیا ہے یا غنیمت میں لائے ہو وہ تمہارے لئے حلال و طیب ہے، کھاؤ پیو۔ اللہ غفور رحیم ہے۔

Marfat.com

۵ جنگ بدر کے قیدیوں میں عباسؓ بھی تھے، انہیں ایک انصاری نے گرفتار کیا تھا۔ انصار کا خیال تھا کہ انہیں قتل کر دیں۔ حضورؐ کو یہ معلوم تھا لہٰذا فرمایا کہ مجھے رات بھر اس خیال سے نیند نہیں آئی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں انصار کے پاس جاؤں۔ آپ نے اجازت دی پس حضرت عمرؓ انصار کے پاس گئے اور کہا کہ عباسؓ کو چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا واللہ ہم اسے نہ چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اسی میں ہو؟ انہوں نے کہا اگر یہ بات ہے تو آپ عباسؓ کو لے جائیے ہم نے بخوشی چھوڑا۔ اب حضرت عمرؓ نے عباسؓ سے کہا کہ مسلمان ہو جاؤ، واللہ تمہارے اسلام لانے سے مجھے اپنے باپ کے اسلام سے بھی بڑھ کر خوشی ہو گی اس لئے کہ تمہارے اسلام سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیں گے۔

۶ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ:
کسی نبی کی یہ شان اور طریقہ نہیں کہ جب تک دشمنوں کے قتال و قتل سے پوری طرح غلبہ حاصل نہ ہو جائے، اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جن کے فیصلہ میں الجھن پڑے اور تردّد لاحق ہو کہ اب انہیں مفت میں چھوڑا جائے یا تاوانِ جنگ لے کر رہا کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک و دولت کی تقویت و شدت قتل و قتال سے ہی ہوتی ہے۔ ایک عرب شاعر کا قول ہے کہ:
"بلند شرف و منزلت اذیت سے محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک اس کے اردگرد خون نہ بہایا جائے"۔

علاوہ ازیں کثرتِ قتل سے رعب اور سخت ہیبت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ چیز دشمنوں کو نامناسب جرأت و اقدام سے روکتی ہے۔ یہی باعث ہے

---

۵ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۳۲۱ ۶ تفسیر المنار ج۱۰ ص۸۳ – ۱۰۰، تفسیر المراغی ج۱۰ ص۳۵–۳۸

Marfat.com

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیدی بنانا اس وقت خیر و رحمت اور انسانوں کے لئے مصلحت کا باعث ہوتا ہے۔ جب کہ ظہور و غلبہ اہل حق و عدل کا ہو جائے۔ ایک معرکہ میں یہ مقصد اس طرح حاصل ہو گا کہ اپنے دشمن مشرکوں اور تعدی کرنے والوں کو خوب قتل و خونریزی کی جائے۔ اور عام حالات میں یہ ہر معرکہ و قتال کو شامل ہے اور اس طرح حاصل ہو گا کہ قوت عامہ اور اقتدار حق کے ساتھ جو دشمنوں کو ڈراد ے، دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ اور انہیں قوت حق کے آگے جھکا دیا جائے۔

سورۂ محمد میں بھی قیدیوں کو پکڑنے اور چھوڑنے کے کچھ احکام آتے ہیں۔ جب انہیں موجودہ آیات سے ملا کر پڑھا جائے تو خلاصۂ کلام یہی نکلتا ہے کہ میدان قتال میں جب تک حق اور اہل حق کا واضح غلبہ ظاہر نہ ہو جائے، اس وقت تک قیدیوں کو پکڑنے کی طرف زیادہ توجہ نہ کی جائے مبادا اس سے ہماری ضعف اور دشمنوں کا غلبہ ہونے لگے۔ ہاں جب ہم دشمن کو میدان میں پوری طرح بے حال کر دیں اور غالب آجائیں تو اس وقت قیدی بنانا ایک پسندیدہ چیز اور اختیاری رحمت ہو گی۔ کیونکہ جنگ کا مقصد حاصل ہو چکا ہو گا اس کے بعد مزید خونریزی یا قہر و انتقام سے لذت گیری درست نہ ہو گی۔

حدیث و تفسیر کی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کی اکثریت فدیہ لینے کے حق میں تھی گو محض مالی نفع پیش نظر رکھنے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی، بلکہ وہ کئی مصالح کی بنا پر اسے بہتر سمجھتے تھے جن میں سے ایک مصلحت یہ مالی منافع بھی تھا۔

یہی وجہ تھی کہ آیت میں تُرِیدُونَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیدُ الْآخِرَۃَ فرما کر ان سے اس فیصلہ پر انکار و عتاب کا اظہار فرمایا گیا۔

Marfat.com

یعنی تم دنیا کا زائل فانی مال چاہتے ہو یعنی قیدیوں کا تاوانِ جنگ، اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ باقی رہنے والی آخرت تمہیں دے۔ وہ تمہیں ایسے احکام دینا چاہتا ہے کہ جب تک تم ان پر عمل کرتے رہو آخرت کے باقی ثواب کو حاصل کرتے رہو گے۔ ان احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ بقدرِ استطاعت قتال کی تیاری کی جائے تاکہ زمین میں غلبہ و اقتدار (اثخان) اور سرداری حاصل ہو سکے۔ اور اسے کلمۂ حق کی بلندی اور اقامتِ عدل کا ذریعہ بنایا جا سکے۔

جمہور مومنین سے حکمت و رحمتِ الٰہیہ کے قاعدہ کے خلاف یہ جو کچھ سرزد ہوا تھا اس پر عتاب نازل ہوا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کی اس رائے پر عمل نہ فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عتاب میں حضور کو بھی شامل رکھا گیا ہے۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ: اسی لئے وہ اپنے دوستوں کو دشمنوں پر غالب کرتا ہے اور وہ انہیں قتل و قید کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو فدیہ لینے کی اجازت دیتا ہے لیکن وہ اس حکم کو اس وقت تک مؤخر کرنا چاہتا ہے کہ مومن کثیر اور معزز ہو جائیں۔ ایک اور آیت میں ہے: وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ اور یہ عزت اہلِ ایمان کو تبھی پوری طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ مادی اور مالی منافع پر زمین میں اقتدار اور غلبہ حاصل کرنے کو ترجیح دیں۔ اور مشرکوں کے قیدیوں کا فدیہ قبول نہ کریں جب کہ مشرک اپنی قوت کی انتہا پر ہوں۔ موجودہ زمانے کی عسکری حکومتیں بھی اسی قاعدے پر چل رہی ہیں۔ جب وہ اپنے ماتحت اور زیرِ اثر علاقوں اور ممالک میں مقابلہ اور قوت سے اٹھ کھڑے ہونے کا ذرا سا ابتدائی نشان بھی دیکھتی ہیں تو انہیں سخت سزا دیتی ہیں۔ پھر وہ اس سے بھی آگے بڑھ کر شہروں کو برباد کر دیتی ہیں اور مجرموں کے ساتھ بے گناہوں کو بھی قتل کر ڈالتی ہیں۔ بلکہ توپوں کی آگ، ٹینکوں کی گولہ باری اور بم بار طیارے دل

کی بم باری سے عورتوں اور بچوں کے قتل و تباہی تک سے پرہیز نہیں کرتیں۔ مگر اسلام جو رحمت وعدل کا دین ہے وہ اس قسم کی چیزوں کو بالکل جائز نہیں رکھتا اور اقامت حق وعدل کے لئے سنڈست میں بھی رحمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔

یعنی اگر خدا کے علم ازلی میں یہ طے شدہ نہ ہو کہ وہ تمہیں پیغمبر کی موجودگی میں اور استغفار کرنے والوں کے ہوتے ہوئے عذاب نہ دے گا تو اس فدیہ کے باعث تم پر سخت عذاب آ جاتا۔

ابن المنذر نے عبداللہ بن عمر کی حدیث بیان کی ہے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف تھیں۔ اس پر حضور نے ابوبکرؓ و عمرؓ سے مشورہ لیا۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ تاوان لے لیجئے اور عمرؓ نے کہا کہ انہیں قتل کر دیجئے اس پر ایک شخص بولا کہ ان کافروں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل اور اسلام کو مٹا ڈالنے کا عزم کر رکھا تھا مگر حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ ان سے تاوان جنگ لے لیا جائے! دوسرا بولا کہ اگر ان قیدیوں میں عمرؓ کا باپ یا بھائی ہوتا تو وہ ان کے قتل کا مشورہ نہ دیتے! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ والی رائے پر عمل فرمایا اور قیدیوں سے تاوان جنگ لے لیا تو یہ آیت نازل ہوئی لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ الخ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریب تھا کہ عمرؓ بن الخطاب کی رائے کے خلاف کرنے پر ہم کو "عذاب عظیم" پہنچ جاتا۔ اور اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمرؓ کے اور کوئی بھی نہ بچتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس فدیہ کو مباح کر دیا اور اسے اس مال غنیمت کی مانند قرار دیا جسے سورت کی ابتداء میں مباح کیا جا چکا تھا۔ اور فرمایا کہ:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا یعنی اسے تمہارے لئے حلال ٹھہرا دیا گیا ہے اور فی نفسہ اس میں ان چیزوں کی مانند کوئی خبث و پلیدی نہیں ہے۔

Marfat.com

جن کو ذاتی نجاست کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے مثلاً خون اور خنزیر کا گوشت وغیرہ۔

اگر سوال کیا جائے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کیا تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کی رائے کو ترجیح دی حالانکہ قاعدہ کے لحاظ سے یا انبیاء کی سنت کے لحاظ سے وہ ایک مرجوح رائے تھی، اور آپؐ وزن میں سب انبیاء سے زیادہ ثقیل اور دلیل و برہان میں سب سے قوی تھے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس رائے کو اختیار کرنے پر نکیر کیوں فرمائی؟ باوجودیکہ فدیہ کو حلال و طیب بھی قرار دے دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ تھیں:

(۱) جس معاملے میں اللہ کا حکم نہ ہوتا تھا اس میں جمہور کی رائے پر عمل فرماتے تھے۔ اور یہ سیاسی اور تمدنی مصالح کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور اس زمانے کی مضبوط حکومتیں اس جمہوری قاعدے پر عمل پیرا ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی رائے پر عمل فرما کر ــــ جس کا اظہار حبابؓ بن المنذر نے کیا تھا ــــ بدر کے موقع پر لشکر کا پڑاؤ بدل دیا تھا اور یہ چیز آپؐ کے فضائل میں سے تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم سے شوریٰ آپ پر فرض ٹھہرایا تھا کہ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔

(۲) دوسری حکمت یہ تھی کہ اس امر کا بیان مدنظر تھا کہ اکثریت بارہا خطا کر جاتی ہے، بالخصوص جس معاملے میں ان کی کوئی خواہش یا مالی منفعت ہو اس میں تو غلطی کا امکان اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اکثریت کی رائے پر عمل کو مشروع فرمایا ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ عام معاملات میں یہی چیز بہتر ہے، اس لئے نہیں کہ اکثریت معصوم ہوتی ہے!

(۳) پیغمبر بھی کبھی کبھی اجتہاد میں خطا کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے فوراً متنبہ کرتا ہے اور اس پر اسے قائم نہیں رہنے دیتا جیسا کہ علماء نے صراحت کی ہے۔

Marfat.com

پس پیغمبر خدائی احکام کی تبلیغ میں تو معصوم ہے مگر رائے اور اجتہاد میں نہیں۔
اسی قسم کی ایک اجتہادی خطاء وہ بھی تھی جس میں آپ نے ایک مفلس و ضعیف نابینا صحابی عبداللہؓ بن ام مکتوم سے اس وقت اعراض فرمایا تھا جب کہ آپ غنی و متکبر مشرکوں کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اور وہ سوال کر رہا تھا۔ اس وقت آپ کے نزدیک مصلحت یہی تھی کہ پہلے انہیں دعوت دی جائے پھر اس کی بات سنی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب نازل فرماتے ہوئے سورہ عبس کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اجتہادی خطاء پر اس کے حسنِ نیت کے باوجود عتاب کرتا اور اسے اس کی غلطی قرار دیتا ہے، پھر اس کی معافی اور مغفرت سے اس پر احسان فرماتا ہے۔ باوجودیکہ اجتہادی خطاء آپ کی شرع میں معاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر کے مقام کی بلندی اور علم و عرفان کی وسعت کے باعث اجتہادی خطاء اس کے حق میں اولیٰ و اکمل اور افضل کی مخالفت شمار ہوتی ہے اور عام ایمانداروں کا یہ حکم نہیں ہے۔ مشہور قاعدہ ہے کہ بقول عارف باللہ ابوسعید الخراز "نیکوں کی نیکیاں مقربینؑ کی برائیاں ہیں"۔
اس کی مثال یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں آپؐ نے بعض مصالح کی بناء پر بعض منافقوں کو قتال میں نہ جانے کی اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:
"اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اجازت دے دی، جب تک صادق الایمان کاذبوں سے ممتاز اور واضح نہ ہو جاتے؟" پس سورۂ فتح میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "تاکہ اللہ آپ کی گزشتہ و آئندہ خطائیں بخش دے"، اس مغفرت کی یہ چند مثالیں ہیں۔ ذنب کا لفظ جو اس آیت میں ہے اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا انجام مضر ہو یا وہ مصلحت کے خلاف ہوں، اگرچہ وہ معصیت نہیں ہوتیں۔

(۵) اس چیز کا بیان ہے کہ نفسی اعمال اور برائی کے ارادہ پر بھی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

مواخذہ کرتا ہے جب کہ انہیں عمل کے ساتھ نافذ کر دیا جائے۔ یہ مسئلہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ "تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا" اور دنیوی منافع کا ارادہ یہاں گناہ اس لئے تھا کہ اس سے پہلے معرکۂ بدر کے موقع پر بھی مسلمان ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کو میدان قتال میں لڑائی کرنے پر ترجیح دے چکے تھے مگر تاوان کا لالچ اس سے بھی شدید تر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے بعد تو انفال کا حکم لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا تھا مگر اس معاملے میں کوئی سوال نہ ہوا تھا۔ اور اس کی شدت کی وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے اس معاملے میں اس امر کی بھی پرواہ نہ کی تھی کہ آئندہ سال ان میں سے ستر آدمی قتل ہوں گے اور بعض مفسرین کا یہ قول کہ اس کا باعث شہادت کی محبت تھی، ایک دعویٰ بے دلیل ہے نص سے یا قرینۂ حال سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اور اس کا رد اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ حب شہادت کے لئے صرف قتال پر اقدام کرنا اور قتل کے خوف سے میدان سے فرار نہ کرنا کافی ہے۔ اور ایمانداروں کے لئے یہ اختیار نہیں رکھا گیا کہ اپنے میں سے کم یا زیادہ تعداد کو مشرکوں کے بدلے میں قتل کرانے کو پسند کریں (بلکہ مسلمان کے خون کا ایک قطرہ سارے کافروں اور مشرکوں سے زیادہ قیمتی ہے)

(۶) یہ تو بتایا گیا ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے وہ لوگ عذاب کے مستحق ہو چکے تھے لیکن اس کے ساتھ اس مصلحت کی مخالفت کا ذکر نہیں فرمایا گیا کیونکہ وہ ان کے سامنے واضح نہ کی گئی تھی۔ ہاں یہ بہتر سمجھا گیا کہ پیغمبرؐ خود اس مصلحت کو جانیں اور اس کے تقاضا پر عمل کریں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ حضورؐ اسے جانتے تھے لیکن مشورہ پر عمل کرنے کو اس پر ترجیح دی۔ جیسا کہ آگے چل کر مشاورت اور جمہور کی رائے پر عمل کرنا لازم ٹھہرایا گیا تھا۔ ہاں بدر کے موقع پر بذریعہ الہام آپ کے دل میں مشورہ کرنا ڈالا گیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ یہاں معافی میں سب کا ذکر ہے مگر غزوۂ تبوک کے موقعہ پر چونکہ منافقوں کو اذن دینا صرف

Marfat.com

آپ کا فعل تھا لہٰذا صرف آپ سے ہی فرمایا گیا: عَفَا اللّٰہُ عَنکَ لِمَ اَذِنتَ لَھُم۔

(۷) ساتویں حکمت یہ ہے کہ اس معاملے میں اہلِ بدر پر اللہ تعالیٰ کے احسان و فضل کا بیان ہے کہ باوجود ان کے فدیہ لینے کے اور مستحق سزا ہونے کے انہیں سزا نہیں دی گئی۔ انذار شدید کے بعد اس معافی میں اُن جیسے کامل الایمان حضرات کی بہترین تربیت تھی۔ جس کی غرض یہ تھی کہ آئندہ اس قسم کی طمع نہ کریں، اس سے یہ مراد نہ تھی کہ انہیں خدانخواستہ گناہ پر جرأت دلائی گئی ہے۔

(۸) ان میں سے بعض قیدیوں کے متعلق علم الٰہی میں طویل زندگی اور ایمان مقدّر و مکتوب تھا۔

(۹) نویں حکمت یہ تھی کہ تشریع کے قواعد میں سے یہ قاعدہ بھی قرار پائے کہ امام سیاسی یا جنگی امور میں مشورہ کے بعد جو فیصلہ نافذ کر دے اگرچہ وہ مبنی بر خطا ہو اُسے توڑا نہ جائے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے باوجود اپنی رائے کے خلاف ہونے کے جب جنگِ اُحد میں جمہور کی رائے پر عمل کر کے اسے نافذ فرما دیا تو بعد میں صحابہؓ نے گو معاملہ آپ کے سپرد فرما دیا پھر بھی آپ نے فیصلہ بحال رکھا اور اس سے رجوع نہ فرمایا۔ بلکہ ارشاد فرمایا کہ جنگی لباس پہن کر نکل آنے کے بعد نبی کا یہ کام نہیں کہ فیصلہ بدل ڈالے![1]

امام المغازی محمدؒ بن اسحاق نے غزوۂ بدر کے واقعات کے بیان میں فرمایا ہے کہ "جب لوگ قیدیوں کو باندھنے لگے اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم چھپر میں تشریف فرما تھے اور سعدؓ بن معاذ تلوار لگائے انصار کی ایک جماعت سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و پاسبانی کر رہے تھے

---

[1] فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۵۹-۶۳

کیونکہ انہیں خوف تھا کہ کہیں مشرک پلٹ کر حملہ نہ کر دیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار ملاحظہ فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ: "اے سعدؓ! شاید تم لوگ اس فعل کو ناپسند کرتے ہو"؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! اے اللہ کے رسولؐ یہ سب سے پہلا معرکہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر تباہی ڈالی ہے، مجھے زیادہ پسند یہی تھا کہ لوگوں کو قیدی بنا کر زندہ رکھنے کی بجائے خوب خون ریزی کی جاتی۔

اس آیت میں اثخان کے لفظ سے مراد خوب قتل کرنا ہے تاکہ مشرکوں کا زور ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی شوکت بڑھ جائے۔ اس آیت کی رو سے (یعنی ما کان للنبی الخ) مناسب یہی تھا کہ بدر میں کسی کو قیدی نہ بنایا جاتا کہ بعد میں فدیہ لے کر چھوڑنے کی نوبت آتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر عتاب نازل فرمایا گیا۔

غزوۂ بدر مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پہلا معرکہ تھا، مسلمان کم تھے اور مشرک زیادہ۔ اگر ان کے جنگی مردوں کی تعداد کم ہو جاتی تو اس سے ان کی شوکت اور زور ٹوٹتا، ان کا تکبر و غرور ذلیل ہوتا اور یہ چیز انہیں دوبارہ حملہ کرنے سے عاجز کر دیتی۔ لہذا مصلحت اس بلند مقصد میں تھی وہ فدیہ کے مال میں نہ تھی گو اس وقت مسلمان اس کے محتاج تھے۔

اس کے علاوہ ایک اور حقیقت بھی تھی جس کا نفوس میں جمانا اور دلوں میں بٹھانا مدِ نظر تھا۔ اور وہ بھی بلند مقصد تھا جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈنکے کی چوٹ واضح کیا تھا کہ: ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے قریبی رشتہ دار کو قتل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کے بارے میں کوئی نرمی اور مداہنت نہیں ہے"۔

ہمارا خیال ہے — واللہ اعلم — کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو واضح اسباب

Marfat.com

کے باعث ناپسند فرمایا کہ مسلمان جنگ بدر میں قیدی بنائیں اور پھر مال کا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں، اور بطور تعریض فرمایا کہ: "تم دنیا کا فانی مال چاہتے ہو"۔ یعنی اوّل تو تم نے انہیں قتل کے بدلے قیدی کیوں بنایا اور پھر فدیہ قبول کر کے چھوڑ کیوں دیا ہے؟

پھر ارشاد فرمایا کہ: لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ الخ یعنی اللہ کی قضاء و قدر کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ اہلِ بدر کو ان کی غلطیاں اور قصور بخش دئے جائیں ورنہ یہ کام جو تم نے کیا ہے یہ بہت بڑی سزا کا تمہیں مستحق بنا دیتا۔

پھر ان پر اپنا فضل و احسان اور بھی زیادہ کیا اور جنگ کی غنیمتیں — جن میں سے یہ فدیہ بھی تھا — ان کے لئے حلال فرما دیں۔ حالانکہ یہ چیزیں پہلے مذاہب میں حرام تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں تقویٰ کا حکم دیا اور اپنی رحمت و مغفرت کا بھی ذکر فرما دیا۔ تاکہ پروردگار کے سامنے ان کے احساسات متوازن ہو جائیں، نہ تو رحمت و مغفرت انہیں مغرور کر دے اور نہ تقویٰ، خوف اور تکلّف انہیں رحمتِ الٰہی بھلا دے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى لا

اے نبی کہہ دے ان سے جو تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں

اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ

اگر اللہ جانے گا تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا

خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو اللہ بخشے گا اور اللہ بخشنے والا

Marfat.com

رَّحِيمٌ ﴿٧٠﴾ وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ

مہربان ہے۔ اور اگر چاہیں گے تجھ سے دغا کرنا سو وہ دغا کر چکے ہیں اللہ سے

مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

اس سے پہلے پھر اس نے ان کو پکڑوا دیا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

ل[1] جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں سے تاوانِ جنگ لیا تو ان پر مال دینا شاق گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے اور ترغیب دینے کے لئے اتاری، اسی لئے اس میں دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور کفر پر باقی رہنے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کرنے کی صورت میں دھمکی اور انذار بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان آیات میں حضورؐ اور مسلمانوں کے اچھے انجام اور فتح و نصرت کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیات عباسؓ بن عبدالمطلب، عقیلؓ بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث کے بارے میں اتریں۔ جناب عباسؓ کو جب میدانِ بدر سے گرفتار کیا گیا تو ان کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ یہ رقم مشرکین کے لشکر کی ضیافت کی غرض سے لے کر آئے تھے اور اُن دس آدمیوں میں سے وہ ایک تھے جنہوں نے بدر کے مشرک لشکر کے کھانے کا ذمہ لے رکھا تھا۔ پس ابھی ان کی نوبت آئی ہی نہ تھی کہ جنگ ہو گئی اور وہ گرفتار ہو گئے۔ عباسؓ نے کہا کہ میں تو مسلم تھا مگر کافروں نے مجبور کر دیا تھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ درست ہے تو اللہ تمہیں جزا دے گا۔

[1] تفسیر مراغی ج ۱۰ ص ۳۸۔۳۹

Marfat.com

لیکن بظاہر تو تم ہمارے خلاف ہی لڑنے آئے تھے۔

عباسؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضورؐ سے بات کی کہ وہ سونا مجھے واپس کر دیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو چیز لے کر تم ہمارے خلاف کافروں کی مدد کے لئے آئے تھے وہ واپس نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ حضورؐ نے مجھے یہ بھی کہا کہ میں عقیل اور نوفل دونوں کا فدیہ بیس بیس اوقیہ ادا کر دوں۔

یہ حکم سن کر عباسؓ نے کہا کہ آپؐ نے مجھے کنگال کر دیا ہے کہ میں قریش سے مانگتا پھروں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پھر وہ سونا کہاں ہے جو تم نے مکہ سے نکلتے وقت اپنی زوجہ ام الفضل کو دیا تھا اور کہا تھا کہ معلوم نہیں مجھ کو کیا افتاد پڑ جائے، سو اگر ایسا ہو گیا تو یہ مال تمہارا عبداللہ، عبیداللہ، اور فضل کا ہے۔

عباسؓ نے کہا کہ آپ کو کیسے پتہ چل گیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ میرے ربّ نے مجھے بتایا ہے۔ عباسؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ واللہ اس بات پر اللہ کے سوا کسی اور کو اطلاع نہ تھی اور میں نے وہ مال اپنی بیوی کو رات کی تاریکی میں دیا تھا پہلے مجھے آپؐ کے بارے میں شک تھا مگر اب کوئی شک و ریب نہیں رہا۔

اس کے بعد عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس مال کے بدلہ میں مجھے بہت کچھ دیا۔ میرے پاس بیس غلام ہیں جن میں سے ہر ایک بیس ہزار کا کاروبار کر رہا ہے۔ اور اللہ نے مجھے چاہِ زمزم کی تولیت بخشی ہے جس کے معاوضے میں میں مکہ کے تمام اموال کو لینا بھی پسند نہ کروں گا۔ اور مجھے اپنے پروردگار کی مغفرت کا انتظار ہے۔[۱]

بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا مثلاً حضرت

---

[۱] فوائد القرآن صہ ۲۴۱

عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ) ان سے کہا گیا کہ اللہ دیکھے گا کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان و تصدیق موجود ہے تو جو کچھ زرِ فدیہ تم سے وصول کیا گیا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا اور پچھلی خطاؤں سے درگزر رے گا۔ اور اگر اظہارِ اسلام سے صرف پیغمبرؐ کو فریب دینا مقصود ہے یا دغابازی کرنے کا ارادہ ہے تو پیشتر خدا سے جو دغابازی کر چکے ہیں، یعنی فطرت عہدِ الست کے خلاف کفر و شرک اختیار کیا یا بعض "بنی ہاشم" جو ابو طالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر متفق تھے، اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں۔ آئندہ بھی دغابازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں: "خدا کا وعدہ پورا ہوا، ان میں جو مسلمان ہوئے حق تعالیٰ نے انہیں بے شمار دولت بخشی، جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ گئے!"

ؔ جنگ بدر کے دن لڑائی سے پہلے حضورؐ نے فرما دیا تھا کہ بعض بنو ہاشم وغیرہ زبردستی اس لڑائی میں لائے گئے ہیں، انہیں ہم سے لڑنے کی خواہش نہ تھی لیس انہیں قتل نہ کرنا۔ ابوالبختری بن ہشام اور عباسؓ بن عبدالمطلب کو قتل نہ کیا جائے۔ کیونکہ اسے بادلِ ناخواستہ کفار ساتھ لائے ہیں۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جس دن بدر کے قیدی لائے گئے تو حضورؐ کو رات بھر نیند نہ آئی صحابہؓ نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ قیدیوں میں سے عباسؓ کی آواز میرے کانوں میں آرہی ہے۔

ؔ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۲۲-۲۴

Marfat.com

اس وقت صحابہؓ نے عباسؓ کی قید کے بند کھول دیئے تو آپؐ کو نیند آئی۔ عباسؓ مالدار آدمی تھے اور انہوں نے اپنا زرِ فدیہ ایک سو اوقیہ سونا ادا کیا۔ بعض انصار نے سرکارِ نبوت میں عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بھانجے عباسؓ بن عبدالمطلب کو بلا تاوان لئے مفت میں چھوڑ دیں مگر آپ نے فرمایا ایک درہم بھی کم مت لینا، پورا فدیہ وصول کرنا۔ عباسؓ نے کہا میں تو مسلمان تھا اور زبردستی لایا گیا تھا۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ احکام تو ظاہر پر ہوتے ہیں۔ آپ سے ضرور فدیہ وصول کیا جائے گا۔ بلکہ حضورؐ نے ان کے دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل کا فدیہ بھی انہی سے دلوایا۔ اور ان کے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ بھی انہی سے وصول کیا گیا۔

حدیث میں ہے کہ جب بحرین سے مال آیا جو اسی ہزار کا تھا، تو آپ اس وقت نماز کے لئے وضو فرما چکے تھے۔ اس مال سے آپ نے ہر شکایت کرنے والے کی دادرسی فرمائی اور نماز سے پہلے پہلے سارا خزانہ لٹا دیا اور اپنے یا اہل وعیال کے لئے ایک کوڑی بھی نہ رکھی۔ حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ اس میں سے گٹھڑی باندھ کر لے جاؤ۔ انہوں نے گٹھڑی باندھی مگر اٹھائی نہ جا سکی۔ تو عرض کیا حضورؐ اسے اٹھوا دیجئے۔ آپ بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ نہ ہم خود اٹھوائیں گے نہ کسی اور کو حکم دیں گے، صرف اتنا لے جاؤ جسے خود اٹھا سکتے ہو۔ چنانچہ انہوں نے کچھ رقم بادلِ ناخواستہ نکال دی اور باقی باندھ کر بڑی مشکل سے اٹھا کر کندھے پر رکھ کر لے گئے وہ بڑی مشکل سے چل رہے تھے جب تک نظر آتے رہے آپؐ کی نگاہیں ان پر جمی رہیں۔ اور ان کے اس لالچ پر تعجب کا اظہار فرماتے رہے!

یہ آیت کسی خاص شخص کے بارے میں نہیں ہے اس کا حکم عام ہے جیسا کہ سُدّی کا قول ہے۔

Marfat.com

لہ ان آیتوں میں دو عبرتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مومنوں پر قیدیوں کو ایمان کی ترغیب دینا واجب ہے۔ اسی طرح انہیں خیانت اور کفر پر اصرار اور بغی و عدوان کے انجام سے ڈرانا لازم ہے۔ اور دوسری یہ کہ مسلمان جب تک فتح و نصرت کے مادی و معنوی اسباب کی محافظت پر کاربند رہیں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال رہے گی اور مشرکوں، کافروں کی ہر جنگ میں حسن خاتمہ اور بہتر انجام ان کا ساتھ دے گا۔

امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب کا فدیہ نہ لیں۔ چنانچہ انہوں نے گزارش کی کہ "ہمیں اجازت دیجئے کہ اپنے بھانجے عباس کا تاوان چھوڑ دیں" (عباس کی دادی انصاریہ تھی) مگر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ واللہ تمہیں اس میں سے ایک درہم کی کمی بھی نہ کرنا ہوگی۔

ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا ٹھہرایا گیا تھا مگر آپؐ نے عباس سے سو اوقیہ اور عقیل سے اسّی اوقیہ وصول فرمایا۔ اس پر عباس نے (غالباً طنزیہ لہجہ میں) کہا کہ یہ آپ نے قرابت داری کی وجہ سے کیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: قل لمن فی ایدیکم من الاسریٰ الخ عباسؓ نے اسلام لانے کے بعد (جب خیر و برکت دیکھ لی تو) کہا میں چاہتا ہوں کہ کاش آپ مجھ سے کئی گنا زیادہ وصول فرما لیتے۔

لہ آیات زیر تفسیر میں اللہ تعالیٰ نے ان قیدیوں کے دلوں کو چھو کر ان میں امید کی کرن زندہ کی ہے، توقع ابھاری ہے، اور ان میں روشنی کی ایک شعاع ڈالی ہے۔ انہیں ایک بہتر مستقبل کی امید دلائی ہے

لہ تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۱۰۰-۱۰۳، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۳۹-۴۱

لہ فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۶۳-۶۵

Marfat.com

اور پہلی زندگی کی نسبت ایک زیادہ باعزت، واکرام زندگی کا داعیہ ان میں پیدا فرمایا ہے۔ جو کچھ ان سے لیا گیا تھا اس سے اعلیٰ تر اور بلند تر کا وعدہ فرمایا ہے اور اس سے بڑھ کر مغفرت و رحمت کی بشارت دی ہے۔

لیکن یہ بشارتیں اس شرط پر متعلق فرمائی ہیں کہ ان کے دل نورِ ایمان کے لئے وا ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ عملاً اس چیز کو جان لے کہ واقعی ان میں خیر اور بھلائی موجود ہے۔ خیر سے مراد یہاں ایمان ہے اس کے ذکر و صراحت کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ محض خیر ہے، ہر خیر اسی سے نکلتی اور اسی سے متعلق ہے۔ ہر بھلائی کی بنیاد اسی پر قائم ہے۔

اسلام نے قیدی بنانے اور پھر انہیں زندہ رکھنے کی اجازت صرف اسی بنا پر دی ہے کہ ان دلوں میں سے پوشیدہ خیر و صلاح اور امید کو ابھارے۔ ان کی فطرت میں نیکی کے استعداد و قبولیت اور ہدایت کے تاثر و استعجاب کو بیدار کرے وہ اس لئے قیدی نہیں بناتا کہ ان سے انتقام لے کر لذت حاصل کرے یا مادی نفع کے لئے انہیں مسخر کرے۔ جیسا کہ رومیوں کی فتوحات کا یہی مقصد تھا اور آج بھی قومی و جنسی فتوحات سے یہی غرض ہوتی ہے۔

خیانت کا لفظ ان آیات میں شرک پر بولا گیا ہے، خدا سے اس سے بڑی خیانت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے محض اللہ کو ربوبیت کے لئے خاص نہیں کیا تھا اور فطرت کے عہد میں خیانت کی تھی۔ اگر اب یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کا ارادہ رکھتے ہیں تو پہلی خیانت کے انجام کو سامنے رکھ لیں۔

امام قرطبیؒ نے تفسیر میں فرمایا ہے کہ ابوبکرؒ بن العربی کا قول ہے: "جب مشرک قید ہوئے تو ان میں سے بعض نے اسلام کا اظہار کیا لیکن یہ اظہا

Marfat.com

پختہ اور جازم نہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے قریب کرلیں اور اُدھر مشرکوں سے بھی دور نہ ہوں۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کافر اپنے دل کے اسلام کا زبان سے اظہار تو کرے مگر اس اظہار میں عزیمت و پختگی نہ پائی جائے تو ایسے شخص کو مومن شمار نہ کیا جائے گا۔ اور ایسے شخص کو اظہار ایمان کے باوجود کافر ہی شمار کریں گے۔ ہاں وسوسہ چونکہ ایسی چیز ہے جس کا دفع کرنا مشکل ہے لہٰذا وہ معاف ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حقیقت حال واضح طور پر بتادی ہے کہ اگر یہ لوگ تم سے خیانت کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی اگر ان کا اظہار ایمان خیانت و مکر کے طور پر ہے تو کوئی بات نہیں وہ کفر و مکر اور قتال کے ذریعہ سے اس سے پیشتر بھی خدا سے خیانت کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ لیکن اگر ان کے قول میں بھلائی اور ان کے دلوں میں واقعی ایمان ہو گا تو اللہ ان سے قبول فرمالے گا اور ان کے ادا کردہ فدیہ سے بھی بڑھ کر انہیں دے گا بلکہ ان کی پہلی غلطی جو کفر و خیانت اور مکر و قتال کی صورت میں ہوئی تھی، اسے بھی معاف کر دیا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال

وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّ

اور جان سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور

Marfat.com

نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ

مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو

اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ

ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی رفاقت سے

مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں۔ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں

فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

دین میں تو تم کو لازم ہے ان کی مدد کرنا، مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

کہ تم میں اور ان میں عہد ہو۔ اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ

اگر تم یوں نہ کرو گے تو فتنہ پھیلے گا ملک میں اور بڑی

كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا

خرابی ہوگی اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے

Marfat.com

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالَّذِينَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا أُولٰٓئِكَ هُمُ

اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾

سچے ایماندار ان کے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا

اور جو ایمان لائے اس کے بعد اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے

مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ

تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہی میں ہیں۔ اور رشتہ دار آپس میں

اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

حق دار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ کے حکم میں۔ تحقیق اللہ ہر چیز

عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾

خبردار ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں۔[1]

اور ہر قسم کا حکم اور درجہ بیان فرمایا ہے۔

(۱) مہاجرین اوّلین یعنی غزوۂ بدر کے قبل سے لے کر صلح حدیبیہ تک

[1] تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۱۴۱

Marfat.com

ہجرت کرنے والے حضرات۔

(۲) انصارِ مدینہ، جنہوں نے ہجرت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین کے لئے مال و متاع اور مکان وغیرہ مہیا کئے۔

(۳) غیر مہاجر اہلِ ایمان۔

(۴) صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنے والے مہاجر۔

آیت ۷۲: بدر کے قیدیوں میں سے بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے اور بادلِ ناخواستہ کفّار کے ساتھ ہو کر بدر میں آئے۔ ان آیات میں یہ بتلانا منظور ہے کہ ایسے مسلمانوں کا کیا حکم ہے؟ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ: "حضرت کے اصحاب میں سے دو فریق تھے، مہاجرین اور انصار۔ مہاجرین کنبہ اور گھر چھوڑنے والے۔ اور انصار جگہ دینے والے اور مدد کرنے والے۔ ان دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات (بھائی چارہ) قائم کر دی تھی۔ آیت کا مضمون یہ ہوا کہ جتنے مسلمان حضرت کے ساتھ حاضر ہیں ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے۔ ایک کا موافق سب کا موافق، ایک کا مخالف سب کا مخالف۔ بلکہ آغازِ ہجرت میں رشتۂ مواخات کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اور جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو، یعنی دارالحرب سے ہجرت نہ کی، ان کی صلح و جنگ میں "دارالاسلام" کے رہنے والے مسلمان مہاجرین و انصار شریک نہیں۔ اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے صلح و معاہدہ کسی جماعت کفّار سے کر لیا تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کفّار سے حسبِ مصلحت جنگ کر سکتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دارالحرب کے مسلمان جس وقت دینی

---

[1] فوائد القرآن شیخ الاسلام عثمانی ص ۲۴۱، ۲۴۲

Marfat.com

معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدور کے موافق مدد کرنا چاہیئے۔ مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں تا بقائے عہد دار الحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جاسکتی۔ نیز باہمی وراثت کا سلسلہ جو مہاجرین وانصار میں قائم کیا گیا تھا اس میں بھی دار الحرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔

آیت ۷۳: یعنی کافر و مسلم میں نہ حقیقی رفاقت ہے نہ ایک دوسرے کا وارث بن سکتا ہے۔ ہاں کافر، کافر کا رفیق و وارث ہے، بلکہ سب کافر تم سے دشمنی کرنے کو آپس میں ایک ہیں۔ جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے۔ اس کے بالمقابل اگر مسلمان ایک دوسرے کے مددگار و رفیق نہ ہوں گے، یا کمزور مسلمان اپنے کو آزاد مسلمانوں کی معیت و رفاقت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ برپا ہو جائے گا۔ یعنی ضعیف مسلمان مامون و محفوظ نہ رہ سکیں گے، ان کا ایمان تک خطرہ میں ہو گا۔

آیت ۷۴: یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار کے ساتھ والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھنے والوں سے۔ آخرت میں ان کے لئے بڑی بھاری بخشش ہے اور دنیا میں عزت کی روزی یعنی غنیمت اور دوسرے فائق حقوق۔

آیت ۷۵: یعنی مہاجرین میں جتنے لوگ بعد کو شامل ہوتے جائیں وہ سب باعتبار احکام "مہاجرین اولین" کی برادری میں منسلک ہیں، ہجرت کے تقدم و تأخر کی وجہ سے صلح و جنگ یا توریث وغیرہ کے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں! اگر قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار پیچھے مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو وہ اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ رفاقت قدیم اوروں سے ہے۔

اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کس کا کس قدر حق

Marfat.com

ہونا چاہیئے۔ لہذا اس کے احکام سراسر علم و حکمت پر مبنی ہیں۔

ل؎ پچھلی آیات میں جنگ بدر کے قیدیوں کو بشرط اطاعت عوض دینے کا وعدہ کیا تھا اور انہیں دلاسا دیا تھا۔ زیر تفسیر آیات میں انصار و مہاجرین کو اجر آخرت کا دلاسا دیا گیا ہے۔ یا یوں کہو کہ جب ان قیدیوں کو عہد لے کر چھوڑا اور ان میں سے بہت نے بدر کے موقع پر آسمانی مدد اور اسلام کا برحق ہونا دیکھ لیا تھا۔ اس لئے یہ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور نیز عرب کے قبائل نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد باندھنا شروع کیا۔ اور عرب میں اس جنگ کی کرامات و اعجاز نے شہرت پائی جس سے مخالف قبائل، خصوصاً مکہ کے رہنے والوں میں سے بہت سے مشرف باسلام ہونا شروع ہوئے۔ مگر ان میں سے بعض تو ترک وطن کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کیونکہ اس وقت ہجرت فرض تھی۔ اور بہت سے ایسے تھے جن سے عورتوں، بچے، گھر بار، خویش و تبار چھوٹ نہ سکے۔ اس لئے مسلمانوں اور دیگر قبائل کی بابت کوئی قاعدہ اور ضابطہ اتحاد و ہمدردی کا مقرر ہونا ضرور ہی تھا۔ پس ان آیات میں مع فضائل و مآثر مہاجرین و انصار اس ضابطہ کو بیان فرمایا اور مسلمانوں کے درجے و مرتبے بھی ظاہر فرما دیئے۔

الغرض ہجرت اور نصرت اسلام کے اعتبار سے اس عہد میں مسلمانوں کی چار قسمیں تھیں:

(۱) پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو کہ ابتدا میں حضرت پر ایمان لائے اور ہجرت کر کے آپ کے ساتھ مدینہ میں آرہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ وغیرہم۔ ان کو اس جملہ میں چار صفات کے ساتھ ذکر کیا۔

۱۔ ایمان۔ کہ خدا و رسولؐ، ملائکہ و قیامت اور رسل و کتب پر صدق دل سے

ل؎ تفسیر حقانی ج ۴ صہ ۲۰۴-۲۰۵

Marfat.com

ایمان لائے، اب ان کے ایمان میں شک کرنا ضعفِ ایمان ہے۔

ب۔ ہجرت۔ کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لئے خویش واقارب، وطن اور فرزند وزن سب کو چھوڑ دیا۔ یہ بات اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دینے سے کچھ کم نہیں۔ جلاوطنی اور کالا پانی بھی پھانسی سے کچھ کم سزا نہیں۔ انہوں نے اپنے قدیم مذہب، قدیم وطن اور اخلاقی و روحانی قبائح کو چھوڑ دیا۔

ج و د: مالی و جانی جہاد۔ کہ انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ جان کو اللہ کے لئے سخت ہلاکتوں میں ڈال دیا مگر نبی کریمؐ پر آنچ نہ آنے دی۔ مکہ میں جب کہ مخالفوں کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا، خلفاء اربعہ نے رفاقت سے کبھی منہ نہیں موڑا، نہ کبھی تقیہ کیا نہ آپؐ کا ساتھ چھوڑا۔ پھر غارِ ثور، بدر وغیرہ ہر موقع پر ساتھ رہے اور مال کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ کئی بار ابوبکر صدیقؓ نے گھر کا تار تار دے دیا۔ اس میں روحانی جہاد کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

(۲) دوسری قسم انصار کی ہے جن کا ذکر مہاجرین کے بعد فرمایا گیا اور ان کا درجہ بھی ان کے بعد دوسرا ہے۔ ان کی دو صفات بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ انہوں نے اہلِ اسلام کو جگہ دی اور دوسری یہ کہ اسلام اور اہل اسلام کی مدد کی اور اپنی جان و مال کو اسلام کی نصرت میں صرف کیا۔

ان دونوں قسموں (مہاجرین و انصار) کی بابت فرمایا گیا ہے کہ:

اولٰئک بعضہم اولیاء بعض کہ یہ لوگ باہم جان و مال اور دین و ایمان کے ساتھی ہیں۔ ولایت سے مراد یہاں نصرت و اتحاد کی ولایت ہے۔ بعض مفسرین نے ولایت ارث بھی مراد لی ہے۔ حضورؐ نے ابتدائے اسلام میں انصار و مہاجرین میں عقد مواخات قائم فرماکر انہیں باہم وارث قرار دیا تھا۔ کیونکہ مہاجرین کے قرابت دار تو ہنوز مدینہ میں آئے نہ تھے۔ مگر جب اسلام پھیل گیا اور مکہ فتح ہو گیا، ہجرت کی ضرورت نہ رہی، آیتِ میراث یا

Marfat.com

انہی آیات کے جملہ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ سے اہل قرابت میں میراث قائم کر دی گئی۔ اسی جملہ سے امام ابو حنیفہؒ نے ذوی الارحام کی وراثت کا حکم نکالا ہے۔

یہ دونوں قسم کے مسلمان اسلام کے رئیس، سردار اور مقتدی ہیں۔

(۳) تیسری قسم کے وہ مسلمان ہیں جو ایمان تو لائے مگر ہجرت کر کے مدینہ میں نہ آئے۔ ان کی نسبت دو حکم دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب تک یہ ہجرت کر کے نہ آئیں تم پر ان کی ولایت (رفاقت و حمایت) کچھ ضرور نہیں۔ فتح مکہ سے قبل ہجرت فرض تھی۔ ہاں اب بھی اگر کہیں اسی قسم کے حالات پیدا ہو جائیں (اور دار الاسلام موجود ہو!) تو ایسی جگہ سے کہ جہاں دین کو آزادی سے ظاہر نہ کیا جا سکے ہجرت فرض ہے۔ دوسرا حکم ان کے متعلق یہ ہے کہ اگر دینی امر میں وہ تم سے مدد مانگیں تو ضرور مدد دو کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں۔ مگر اس قوم کے مقابلہ میں مدد نہ دو جن سے تمہارا عہد ہو۔ اس حکم کی تاکید و تائید میں فرمایا ہے کہ کفار بھی باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ کفر کی جنسیت یہود و نصاری اور مشرکین سب کو تمہارے مقابلہ پر ایک کر دیتی ہے اور وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جاتے ہیں۔ اگر تم آپس میں مدد نہ کرو گے تو فتنۂ کفر اور بڑا فساد قائم ہو جائے گا۔

حقیقت میں آج کل جو مسلمانوں کی سلطنتیں معرض زوال میں ہیں، اسی وجہ سے ہیں۔ اندلس میں عیسائیوں نے تمام مسلمانوں کو مقہور کیا مگر مسلمانوں کے دوسرے حاکم مدد کو نہ پہنچے۔ اسی طرح سلطان ترکی پر چڑھائی ہوئی تو ایران و کابل نہ اٹھے۔ برخلاف اس کے ادنیٰ عیسائی کی مدد پر سب عیسائی فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں یہی کچھ ہوا ہے کہ ان کے مقابلہ میں کفر کی سب طاقتیں متحد رہی ہیں۔ گزشتہ پاک بھارت جنگ اور عرب و اسرائیل کی جنگ میں اس کا مشاہدہ ساری دنیا کر چکی ہے۔ معلوم

Marfat.com

نہیں دنیا پرست اور خود غرض مسلمان حاکموں کو کب ہوش آئے گا؟ مؤلف)

(۴) چوتھی قسم کے مسلمان وہ ہیں جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے مدینہ میں حضورؐ کے پاس آ گئے، اخیر جہادوں میں شریک ہوتے رہے۔ وہ بھی بلحاظِ احکام تمہیں میں شمار ہوں گے۔

ان آیات میں مہاجرین و انصار کی بہت واضح مدح و تعریف فرمائی گئی ہے۔ کہ وہ سچے مسلمان ہیں، ان کے لئے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے۔ حیف ہے ان متعصب لوگوں پر جو خلفائے اربعہؓ کو معاذ اللہ جھوٹے مسلمان اور قابلِ عذاب کہتے ہیں۔ معاذ اللہ منہ

[1] مہاجرین و انصار کی مدح میں قرآن کی بہت سی آیات ہیں، جن میں انہیں صادق الایمان، مومنوں کا سردار، رضائے الٰہی کا حقدار، دنیا و آخرت میں معزز، ہر چیز پر خدا کی رضا کو ترجیح دینے والے، دین کے لئے جان و مال کی بازی لگا دینے والے اور دوسرے ایمانداروں کو از راہِ ایثار و خیر خواہی اپنے اوپر ترجیح دینے والے قرار دیا گیا ہے۔ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مہاجرین انصار پر مقدّم ہیں اور یہ دونوں فریق باقی سب امت پر مقدّم ہیں۔

ان آیات میں مسلمانوں کی رفاقت و ولایت صرف مسلمانوں کے لئے اور کافروں کی رفاقت و ولایت صرف کافروں کے لئے قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کا دوستانہ کاٹ دیا ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دو مختلف مذاہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، مسلمان کافر کا وارث اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔" پھر آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اسی مضمون کی کئی احادیث صحیحین اور سنن کی کتب میں موجود ہیں۔ علامہ ابن

---

[1] تفسیر ابن کثیر پ۱۰ صد ۲۴ ـ ۲۷

Marfat.com

جریر طبری نے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے مسلمان سے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا عہد لیا اور فرمایا کہ جب اور جہاں کہیں شرک کی آگ بھڑک اٹھے، اپنے آپ کو کفار کا مدِّ مقابل اور ان سے برسرِ جنگ سمجھنا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں ٹھہرا رہے۔ کیا وہ دونوں جانب لگی ہوئی آگ نہیں دیکھتا؟ ابوداؤد میں ہے کہ جو مسلمان مشرکوں سے خلا ملا رکھے اور انہی میں ٹھہرا رہے، وہ انہی جیسا ہے۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝

آیت کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے مشرکوں سے یکسوئی اختیار نہ کی اور صرف ایمانداروں سے ہی رفاقت و ولایت اختیار نہ کی تو ایک فتنہ برپا ہو جائے گا اور یہ اختلاط برے نتائج دکھائے گا، لوگوں میں زبردست فساد پھیل جائے گا۔

سورۂ الانفال کی آخری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ مہاجرین و انصار کا ساتھ دینے والے، انہی کا اتباع کرنے والے اور ایمان و عمل میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں ان کے ساتھ ہی ملا دے گا۔ ایک متفق علیہ بلکہ متواتر حدیث میں ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو کسی قوم سے محبت رکھے اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔

[1] اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی یہ کامل الایمان لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو مشرکوں کے فتنہ سے بچانے کے لئے، خدا کی رضامندی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۱۰۴-۱۱۱، تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۴۲-۴۶

Marfat.com

کی مدد کے لئے اپنے وطن چھوڑے اور امکان بھر جانی و مالی قربانیاں کیں غرض ہر قسم کی مشقتوں اور مصائب میں سے گزرے۔

ان کا مال خرچ کرنا دو قسم پر تھا:

(۱) باہمی تعاون، ہجرت، خدا کے دین کے دفاع اور نصرت اور اس کے پیغمبر کی حمایت میں انہوں نے اپنے مال خرچ کئے۔

(۲) انہوں نے محض خدا کے دین کے لئے دلوں کی آمادگی اور سخاوت سے بخوشی اپنے گھر بار چھوڑ دیئے۔ اسی طرح ان کی جانی قربانی کی بھی دو قسمیں تھیں:

(۱) دشمنانِ خدا و رسولؐ سے قتال کرنا اور ان کی کثرت تعداد اور کثرت سازوسامان کی پروا نہ کرنا۔

(۲) قتال سے قبل جو مشقتیں انہوں نے سفر، بھوک پیاس اور ہجرت کی اپنی جانوں پر برداشت کی تھیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا: یعنی جن انصار نے پیغمبرؐ کو اور آپؐ کے مہاجر ساتھیوں کو اپنے گھروں میں ٹھکانہ دیا۔ ان کی مدد کی اور خوف و حزن اور تکالیف سے انہیں بے خوف کر دیا۔ یثرب (مدینہ) مہاجروں کی پناہ گاہ بن گیا تھا۔ انصار مدینہ نے انہیں اپنے مالوں میں شریک کر لیا، انہیں اپنے آپ پر بھی ترجیح دی، ان کے دشمنوں سے قتال کیا اور ان سے عداوت کرنے والوں سے عداوت کی۔ انہی قربانیوں کے باعث اگلے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مہاجرین کے حکم میں داخل فرمایا ہے۔

اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ یعنی یہ آپس میں اس قدر قریب ہیں کہ تعاون و تناصر کے وقت ان کے منافع اور مفاد مشترک ہوتے ہیں۔ قتال اور غنائم کے معاملہ میں ان کا حکم ایک ہوتا ہے کیونکہ ان کے حقوق و فوائد ایک ہی جیسے ہیں۔ ان پر باہم حاجت مندوں کی حاجت روائی اور مجبوروں کی فریادرسی واجب ہے۔

Marfat.com

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا: ولایت، وَ کے فتح اور کسر سے اور بعض کے نزدیک بالخصوص فتح سے (وَلَایَتْ)، نصرت و معونت اور نسب و دین سے متعلق ہے۔ اور وِلَایَتْ بالکسر کا تعلق امارت اور اُمورِ عامّہ کی ذمّہ داری سنبھالنے کے ساتھ ہے کیونکہ یہ حرفت وصناعت کی قسم ہے (اور یہ وزن فِعَالَۃٌ حرفت وصناعت کے لئے ہے)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایماندار جو مشرکوں کی سرزمین میں اور ان کی حکومت و اقتدار میں مقیم ہیں۔ ان کا وطن دارالحرب اور دارالشرک ہے ان کے لئے ان مومنوں کی ولایت ثابت نہیں ہوسکتی جو دارالاسلام میں مقیم ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی مدد کرنے کی کوئی سبیل نہیں پا سکتے۔

لیکن جب مسلمان کو مشرک و کافر دارالاسلام سے قید کر کے لے جائیں وہ دارالاسلام کے مسلمانوں کے حکم میں ہے۔ ایمانداروں کا فرض ہے کہ پوری قوّت اور کوشش سے انہیں قید سے چھڑائیں۔ بلکہ یہ حمایت تو اہلِ ذمّہ کے لئے صرف کرنا بھی واجب ہے۔ (یعنی اگر کوئی ذِمّی دشمنوں کی قید میں ہو تو اسے بھی پوری کوشش سے چھڑایا جائے گا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی حمایت و ذمّہ داری میں ہے!)

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ الخ: یعنی تمہیں ان مومنوں کی ولایت (حمایت و نصرت) تو حاصل نہیں ہے لیکن جب کفّار ان پر حملہ آور ہوں دین کی وجہ سے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑیں اور وہ مسلمان تم سے مدد کے طالب ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم ان مومنوں کی مدد کرو۔ بشرطیکہ یہ کفّار حربی ہوں تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ نہ ہو۔ لیکن جب وہ معاہد ہوں تو عہد کی وفا واجب ہے اور ان سے خیانت و غدر جائز نہیں (اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان مسلمانوں کو مرنے اور مرتد ہونے کے لئے چھوڑ

Marfat.com

دیا جائے گا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب تک عہد و پیمان قائم ہے ان پر حملہ نہ کیا جائے گا۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ ایسی صورت میں ان مسلمانوں کی مدد کے لئے ہم کافروں سے گفتگو کریں گے، ان کی مشکلات کو حل کرنے کی سعی کریں گے۔ لیکن اگر کسی طرح مشکلات دور نہ ہو سکیں تو پھر عہد کو توڑ دینے کا اعلان کرکے باقاعدہ جہاد و قتال کیا جائے گا! اس مضمون کی دوسری آیات، کو اس آیت سے ملائیں تو یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ مؤلف)

وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ: چونکہ وہ اعمالِ انسانی کو دیکھتا ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اس کی حدود و ضوابط کی پابندی کرو۔ اس کے احکام کا خیال رکھو اور خود غرضی اور ہوائے نفس سے بچو جو اس سے روکتی ہے

عہد و پیمان کی اسی ظاہری و باطنی پابندی کی وجہ سے اسلامی شریعت انسانوں کی خود ساختہ شرائع و قوانین سے پوری طرح ممتاز ہے۔ اہلِ اسلام کا شعار رہا ہے کہ عہد و پیمان کی وفا اور پابندی کی جائے اور غدر و خیانت سے پرہیز کیا جائے۔

زمانۂ حال کی مہذب و متمدن ترین حکومتیں بھی حیلوں بہانوں سے عہد شکنی پر ہر وقت آمادہ رہتی ہیں، جب ذرا سا موقع پاتی ہیں اور معمولی سا بہانہ مل جاتا ہے تو عہد و پیمان کو علی الاعلان توڑ دیتی ہیں۔ بالخصوص وہ معاہدے جو کمزور قوموں سے کئے گئے ہوں انہیں تو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتیں۔ جو معاہدے طاقت ور حکومتوں سے کئے ہوں انہیں محض مکر و فریب کا سہارا بنایا جاتا ہے۔ جب مصلحت وقت یا برائے نام ضرورت دیکھیں تاویل و منطق کا سہارا لے کر انہیں بھی توڑ دیا جاتا ہے۔ حکومت جرمنی کے رئیس کا یہ قول آج کل کی سیاست کو آشکار کرتا ہے کہ: "معاہدوں کی حیثیت کاغذ کے ٹکڑوں سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی!" اس قوم و حکومت کے عظیم ترین سیاست دان پرنس بسمارک نے کہا تھا کہ:

Marfat.com

"معاہدات دراصل طاقت ور کی کمزور کے خلاف حجّت و دلیل ہوتی ہے" اور چالاکی، ہوشیاری اور مکر و فریب سے معاہدوں سے نکل بھاگنے میں سب سے زیادہ ماہر قوم انگریزوں کی ہے۔

والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض : یعنی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے باہم نصرت و تعاون میں سب کافر ایک فریق ہیں۔ اگرچہ الگ الگ ہوں اور باہم عداوت و بغض بھی رکھتے ہوں مگر جب مسلمانوں کا مقابلہ ہو تو سب ایک صف میں آجاتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے وقت حجاز میں مشرکوں اور یہودیوں کے سوا کوئی اور کافر نہ تھا۔ یہودی اسلام کے خلاف ہر جنگ میں مشرکوں کی مدد کرتے تھے اور حضورؐ اور اہلِ اسلام کی مخالفت کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اس سلسلے میں حضورؐ سے کئے گئے معاہدوں کی پروا بھی نہ کی اور ایک ایک کر کے سب کو توڑ ڈالا تھا جس کے نتیجہ میں حضورؐ نے ان سے قتال کیا اور انہیں خیبر کی طرف نکال دیا تھا جہاں انہوں نے پھر گڑبڑ کی تو خیبر کے قلعوں کو فتح کیا گیا اور از سرِ نو ان سے معاہدے مرتب ہوئے، مگر یہ سرطان اسلامی سلطنت کے جسم میں کبھی کھپ نہ سکا، بار بار عہد شکنی اور شرارت کرتے رہے حتیٰ کہ فاروقِ اعظمؓ نے انہیں وہاں سے بھی نکال دیا۔ شرارت، سازش اور عہد شکنی میں یہودی قوم ضرب المثل ہے۔ ساری دنیا ان صفات کی بنا پر انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اب محض اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کو دُکھ دینے کے لئے ساری دنیا کا کفر یہودی سلطنت اسرائیل کی پشت پر ہے۔ دل سے سب جانتے ہیں کہ یہ انسانیت کے جسم پر ایک سرطان ہے مگر اسلام دشمنی یہود دوستی کا روپ دھار چکی ہے اور مسلمان بالخصوص عرب مسلمان بد قسمتی، نااتفاقی، الحاد و اشتراکیت اور مغربی امپیریلزم کی سازشوں کا اکھاڑا بن چکے ہیں! مسلمان جب تک "مسلمان" بن کر نہ اٹھیں گے اس سرطان کا مُداوا ناممکن ہے! (مؤلف)

Marfat.com

اِلّا تفعلوہ تکن فِتنۃٌ فِی الارضِ وفسادٌ کبیرٌ: یعنی تمہیں جو باہمی ولایت وتناصر اور تعاون کا حکم دیا گیا ہے، جب تک اس پر عمل نہ کرو گے اور کافر جو سب تمہارے مقابلہ میں باہم دوست اور ایک ہی طاقت ہیں جب تک ان کے مقابلہ میں تم ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گے۔ اور جب تک معاہدوں کی مدت نہ گزر جائے، کفار و مشرکین کے ساتھ کئے ہوئے عہد پورے نہ کرو گے، اگر حسب ضرورتِ شرعیہ معاہدہ ختم کرنے کے لئے علی الاعلان صاف اظہار و تبرّی کی پالیسی پر عمل نہ کرو گے۔ تو ان سب صورتوں میں زمین میں فتنہ و فساد مچ جائے گا جس کا تمہیں شدید نقصان پہنچے گا کہ تم ضعیف و ذلیل ہو جاؤ گے، تمہاری صفوں میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور جس طرح مکّی زندگی میں کمزور مسلمانوں پر مصائب توڑی گئیں، انہیں دین سے روکا گیا اور دین نہ چھوڑنے کی صورت میں تکالیف کا شکار بنایا گیا، یہ سب کچھ اب بھی ہو گا!

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا الخ: اس آیت میں مہاجرین و انصار کو باقی تمام مسلمانوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ یہی لوگ پورے اور کامل ایماندار ہیں۔ انہیں پروردگار کی طرف سے پوری مغفرت کا وعدہ دیا گیا ہے، اگر بعض سے غلطی اور گناہ بھی ہو گیا ہو گا تو اسے بخشش دیا جائے گا۔ اور دار الجزاء میں انہیں باعزت روزی ملے گی کیونکہ انہوں نے اہل و عیال اور وطن کو چھوڑا، مال سے دست بردار ہو گئے جسمانی لذّات سے کنارا کر لیا اور دین کے لئے جانی و مالی قربانیاں کیں۔ انہی اعمال کی وجہ سے انہیں دار النعیم میں پروردگار کا قرب عنایت کیا جائے گا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا مَعَکُمْ الخ
ایمان اور ہجرت و جہاد میں متاخر مومنوں کو بھی پہلے معیاری ایمانداروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور ان کے حقوقِ ولایت و جزاء بھی انہی جیسے ہیں۔

Marfat.com

اس آیت میں سابقین اوّلین کی پچھلوں پر فضیلت کی دلیل موجود ہے اور دوسری کئی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً : لَا یَسْتَوِی مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی اور ایک جگہ فرمایا ہے! وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُہَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ الخ

آیت زیر بحث میں ایمان و ہجرت کی جو ترغیب ہے وہ مخفی نہیں۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ:

اَرْحَام، رحم کی جمع ہے رحم کا وزن "قُفْلٌ" بھی ہے اور کَتِفٌ بھی یعنی رُحْمٌ اور رَحِمٌ۔ اس لفظ کا معنی قرابت ہے۔ اُولوا الارحام کا معنی ہے قرابت والے اس کی اصل عورت کا رحم (بچے کی تکوین کی جگہ) ہے۔ اقارب کو ذی رحم اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک رحم سے نکلے ہوتے ہیں۔ یعنی قرابت دار ایک دوسرے سے تعاون و تناصر اور توارث میں اجنبی مہاجرین و انصار سے زیادہ قریب اور زیادہ حقدار ہیں۔ کتاب اللہ سے مراد یہاں حکم الٰہی ہے جو اس نے اپنے مومن بندوں پر لکھ دیا (فرض کر دیا) ہے اور صلۂ رحمی اور والدین و قرابت داروں سے نیکی کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ قریبی رشتہ دار تمام ان ولایات میں جو نکاح و وراثت اور نماز جنازہ وغیرہ سے متعلق ہیں، بعید رشتہ داروں اور عام مومنوں کی نسبت اپنے رشتہ دار کا متولّی بننے کا زیادہ مستحق ہے۔ جب دو رشتہ دار موجود ہوں ایک قریب اور دوسرا بعید تو قریب احسان و صلۂ رحمی کا زیادہ مستحق ہو گا۔ ارشادِ خداوندی ہے : وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ الخ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے : "سب سے پہلے اپنی جان سے شروع کرو اور اس پر صدقہ کرو، جو

Marfat.com

چیز اس سے فاضل ہو وہ تمہارے اہل و عیال کے لئے ہے اور جو ان سے بھی فالتو ہو وہ تمہارے رشتہ داروں کے لئے ہے۔ اور جو رشتہ داروں سے بچ جائے اُسے اِدھر اُدھر دوسرے حق داروں کو بانٹ دو۔"

اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ : اللہ تعالیٰ نے یہ ولایت خاصہ و عامہ کے احکام، عہد و پیمان کے احکام، قتال و غنائم کے احکام اور تشریعی ضوابط و قوانین جو تمہیں دئیے ہیں، وہ اپنے علم وسیع و محیط کی بناء پر دئیے ہیں۔ وہ تمہاری دنیوی و اخروی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا ہے: وَلَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِکِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ۔

لہ سورۃ الانفال کے آخر میں اسلامی معاشرہ کے داخلی و خارجی تعلقات کا مضمون بیان فرما کر اس سورت کے مضمون کو ختم کر دیا گیا ہے۔ ان آیات میں وہ احکام بیان کئے گئے ہیں جو ان دونوں قسم کے تعلقات کی تنظیم کرتے ہیں۔ اس مضمون سے ایک طرف تو اسلامی جماعت کی فطرت و طبیعت واضح ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف وہ بنیاد معلوم ہو جاتی ہے جس پر قائم ہے اور جس کی بنا پر وہ آگے کو چلتی ہے۔ اسلامی جمعیت کی بنیاد خون، وطن، جنس تاریخ، زبان اور اقتصادی تعلقات پر استوار نہیں ہوتی۔ نہ وہ قرابت، وطنیت، قومیت یا معاشی مصالح و مفادات کی بنا پر مبنی ہے۔ اس کے برخلاف اس معاشرے کی بنیاد عقیدہ پر ہے، ایک قیادت اسے بروئے کار لاتی اور ایک متحرک تنظیم اسے باہمی جوڑے رکھتی اور آگے کو چلاتی ہے۔ پس وہ لوگ جو ایمان لے آئیں اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئیں درآں حالیکہ وہ اس علاقے سے الگ ہو چکے ہوں جو انہیں اپنی سرزمین گھر بار، قوم اور مصالح سے جوڑے ہوئے تھے، اور وہ راہِ خدا میں اپنی جانوں

لہ فی ظلال القرآن ج ۱۰ ص ۸۰۰۶۵

اور مالوں سے جہاد کریں۔ اور وہ لوگ جو انہیں پناہ دیں، ان کی مدد کریں، ان کے عقیدہ میں ان کے ساتھ مل جائیں اور ایک اجتماعی تحریک کی قیادت کو قبول کریں، سب لوگ باہم اولیاء ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی تو ان میں اور مسلم جمعیت میں کوئی ولائیت نہیں۔ کیونکہ وہ ابھی تک اپنے عقیدہ کے لئے ہر چیز سے الگ نہیں ہوئے۔ ابھی انہوں نے ایک اجتماعی تحریک کی تعلیمات کو قبول نہیں کیا۔ پھر اس اجتماعی تحریک کے اندر وراثت وغیرہ کے بعض معاملات کے لئے خون کی قرابت کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور کافر بھی اسی طرح ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ تعلّقات و روابط میں یہ رئیسی خطوط ہیں جن پر مومن معاشرے کی بنیاد ہے اور جن کی بناء پر وہ دوسرے معاشروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

مدینہ منوّرہ میں مسلم معاشرہ قائم ہونے کی ابتداء سے لے کر بدر تک مسلمانوں میں ولائیت باہمی توارث، دیتوں میں اجتماعی ذمہ داری اور نصرت و اخوّت پر قائم تھی۔ یہ چیزیں خون و نسب اور رشتہ داری کے تعلّقات کی قائم مقام تھیں۔ یہاں تک کہ جب "دولت" وجود میں آ گئی اور اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر میں اسے فیصلہ کن فتح عطا فرما دی تو ولایت و نصرت تو باقی رہ گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے میراث اور دیتوں میں باہمی ذمہ داری کو خونی قرابت کی طرف لوٹا دیا۔ لیکن ہجرت جس کی طرف یہ نصّ اشارہ کر رہی ہے اور اسے "ولائیت" کی شرط ٹھہرا رہی ہے — یعنی ولایتِ عامّہ و خاصّہ دونوں کی — سو اس ہجرت سے مراد بشرطِ استطاعت دار الشرک سے دار الاسلام کی طرف ہجرت ہے۔ لیکن جو لوگ ہجرت کی طاقت رکھتے ہیں مگر کسی مصلحت یا مشرکوں کی رشتہ داری پر بھروسہ کرتے ہوئے ہجرت نہیں کرتے، سو ان لوگوں اور مسلم معاشرے کے اندر کوئی "ولایت" نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض بدوؤں کا حال تھا کہ وہ ایمان تو لے آئے مگر اس قسم کے مصالح و تعلّقات کی بناء پر

Marfat.com

انہوں نے ہجرت نہ کی۔ اسی طرح مکہ کے ان بعض افراد کا حال تھا جو ہجرت پر قادر تھے مگر ہجرت نہ کی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مدد کرنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے ــــ صرف اس وقت جب کہ وہ "دین میں" مدد چاہیں۔ بشرطیکہ ان پر زیادتی اس قوم کی طرف سے نہ ہو جس کے ساتھ مسلم جماعت کا معاہدہ ہو۔ کیونکہ مسلم جماعت کا عہد و پیمان اور اس کا تحریکی رویہ ہر چیز سے زیادہ رعایت کا حقدار ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ نصوص و احکام مسلم جمعیت اور اس کی اجتماعی ترکیب میں اور اس کی بنیادی قیمتوں میں اساسی اعتبارات پر کافی دلالت کرتے ہیں۔ لیکن یہ دلالت پوری طرح واضح نہیں ہو سکتی جب تک اس معاشرے کی تاریخی ابتداء پر، اُن بنیادی قواعد پر جن سے یہ پھوٹا تھا اور جن پر قائم تھا اور اس کے تحریکی رویے اور التزامات پر گفتگو نہ کر لی جائے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو اسلامی دعوت ظاہر ہوئی وہ پیغمبروں کی قیادت میں اسلامی دعوت کے ایک طویل سلسلہ کی صرف آخری کڑی ہے۔ انسانی تاریخ کے مدار پر یہ دعوت صرف ایک مقصد کو پیش نظر رکھتی رہی ہے۔ اور وہ یہ کہ لوگوں کو ان کے ایک ہی الٰہ اور ربّ برحق سے متعارف کرایا جائے۔ انہیں ان کے ربّ واحد کا بندہ بنایا جائے اور مخلوق کی ربوبیت کی نفی اور ردّ کیا جائے۔ لوگ ــــ مختلف زمانوں میں معدودے چند افراد کے ماسوا ــــ الوہیت کے مبداء اور خدا کے وجود کا بالکلیہ انکار نہیں کرتے تھے۔ وہ جس چیز کا انکار کرتے تھے وہ یہ ہے کہ صرف وہی ایک الٰہ و ربّ ہے۔ دراصل وہ اپنے ربّ برحق کی حقیقت کو پہچاننے میں غلطی کھاتے تھے یا خدا کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ یہ شرک یا تو اعتقاد و عبادت کی صورت میں ہوتا تھا یا حاکمیت و اتباع کی شکل میں۔ یہ دونوں شرک ہیں جو لوگوں کو خدا کے دین کے دائرے سے باہر

Marfat.com

نکال دیتا ہے۔ لوگ اس دینِ خداوندی کو ہر پیغمبر کے ذریعہ سے معلوم کرتے تھے مگر اس کے بعد ایک طویل مدت گزر جانے پر اس کا انکار کر دیتے تھے۔ اور پھر اسی جاہلیت کی طرف لوٹ جاتے تھے جس سے پیغمبر نے انہیں نکالا ہوتا تھا۔ اور دوبارہ اسی شرک کا ارتکاب کرنے لگتے تھے، یا تو صرف عقیدہ وعبادت میں، یا صرف حاکمیت و اتباع میں اور یا دونوں میں!

ساری انسانی تاریخ نے یہی بتایا ہے کہ دعوت الی اللہ کی فطرت و طبیعت یہی تھی کہ اس کے پیشِ نظر صرف "اسلام" تھا۔ یعنی خدا کے بندوں کو خدا کے سامنے جھکانا اور انہیں بندوں کی عبادت سے نکال کر صرف ایک خدا کی عبادت میں داخل کرنا۔ انہیں بندوں کے تسلّط و اقتدار، حاکمیت و قوانین اور قیم و تقالید سے نکالنا اور صرف اللہ وحدہٗ کے تسلّط و اقتدار اور حاکمیت و شریعت میں داخل کرنا اور زندگی کے تمام اجزاء و احوال کو اسی کے ماتحت کر دینا۔ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جو ظاہر ہوا وہ یہی تھا اور آپ سے پیشتر خدا کے رسولوں کی دعوت بھی اسی طرف تھی۔ خداوند تعالیٰ کی حاکمیت جس طرح تکوینی طور پر اس کائنات پر محیط ہے جس میں انسان رہتا ہے، اسی طرح اسلام کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی کے اختیاری حصّوں پر بھی خدا کی حاکمیت کی گرفت ہو۔ جس طرح وہ اپنے وجود کے اعتبار سے "مسلم" ہے اسی طرح اپنی تمام زندگی اور اس کے سارے شعبوں کے اعتبار سے بھی "مسلم" بن جائے۔ کیونکہ خدا کا قانون صرف تکوینی ہی نہیں بلکہ تشریعی بھی ہے۔ اس لحاظ سے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ساری کائنات کی مانند اپنے کسب و اختیار سے "مسلم" بن جائے۔ جس طرح وہ اپنی زندگی کے غیر ارادی اور تکوینی شعبے میں قانونِ خداوندی کا پابند ہے اسی طرح زندگی کے ارادی و اختیاری شعبے میں بھی اس کا مسلم و مطیع ہو جائے۔ لوگ اپنی پیدائش، نشو و نما،

Marfat.com

صحت و مرض اور حیات و موت میں چند فطری و طبعی قوانین کے پابند ہیں اسلام کا پیغام یہ ہے کہ اسی طرح وہ اپنی زندگی کے ان حصوں میں بھی مسلم بن جائیں جو ان کے اپنے ارادے اور اختیار میں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انسان اپنی اجتماعی زندگی میں چند فطری قوانین و سنن کا پابند ہے جن سے وہ ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا، یہ اس کی اجتماعی زندگی کا غیر اختیاری اور غیر ارادی حصہ ہے۔ اسلام کا پیغام یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے اختیاری و ارادی حصوں میں بھی خدا کے رسولوں کے احکام کی پابندی کی جائے۔ اور ساری زندگی کو شریعت الٰہی کا پابند بنایا جائے۔ تاکہ انسان اپنے انفرادی و اجتماعی وجود میں ساری کائنات کے مطابق ہو جائے۔ اور خود اس کی زندگی کا اختیاری حصہ اس کے وجود کے غیر اختیاری حصے کے مطابق ہو جائے۔ جب یہ صورت پیدا ہو تو "فساد" (بگاڑ) تبھی دور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے برخلاف دوسری صورت میں کائنات کا رخ کسی طرف ہوگا اور انسان کا کسی اور طرف۔ بلکہ خود انسان کے اندر اس کے غیر ارادی اور ارادی وجود میں بھی تضاد ہوگا۔ پہلا وجود تو خدا کا "مسلم" ہوگا اور دوسرا "کافر"۔

لیکن جاہلیت جو انسان کے لئے انسان کی حاکمیت کے نظریئے پر قائم ہوتی ہے۔ وہ انسان کو اس کائنات سے الگ تھلگ کر دیتی ہے۔ وہ انسان کے ارادی وجود اور اختیاری وجود میں تصادم اور تضاد پیدا کرتی ہے۔ یہی وہ جاہلیت ہے جس کا مقابلہ ہر رسول نے کیا اور اسی کا مقابلہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ یہ جاہلیت محض ایک نظریہ کی صورت میں نہ پائی جاتی تھی بلکہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اس کا کوئی "نظریہ" ہی نہ تھا۔ بلکہ جاہلیت ہمیشہ ایک تحریکی اجتماع کی صورت میں وجود پذیر ہوتی رہی ہے۔ یہ اجتماع ایک قیادت کے ماتحت ہوا کیا ہے۔ یہ اجتماع جاہلیت کی اس اجتماعی شکل کا تصورات و قیم میں، مفاہیم و مشاعر میں اور تقالید و عادات میں ماتحت ہوتا

Marfat.com

رہا ہے۔ یہ اجتماع ایک رواں دواں اجتماع ہوتا تھا جس کے افراد میں جماعتی تفاعل و تکافل، تناسق و موالات اور جماعتی تعاون و تناصر ہوتا رہا ہے۔ یہ چیزیں اس اجتماع کے متحرک ہونے کا باعث تھیں اور لوگ ارادۃً یا غیرارادی طور پر (یعنی سمجھے سوچے ارادے سے نہیں!) اس کے ساتھ چلتے رہتے ہیں) تاکہ اس کا وجود برقرار رہے، اس کا دفاع کیا جائے اور اُس کو ان عناصر سے بچایا جائے جو اس کے وجود کے لئے خطرہ کا باعث ہوں۔

چونکہ جاہلیت محض ایک نظریہ کی شکل میں صورت پذیر نہیں ہوتی بلکہ اوپر بیان کردہ طریقے پر ایک اجتماعی تحریک کا روپ دھارتی ہے۔ لہٰذا اس جاہلیت کی نفی کرنے اور اسے لغو قرار دینے کی کوشش بھی محض ایک مجرد نظریہ نہیں ہو سکتا، نہ یہ جائز ہے نہ اس کا کچھ فائدہ ہے۔ کیونکہ محض ایک نظریہ ہونے کی صورت میں وہ اس رواں دواں جاہلی تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ اس پر غالب آجائے۔ ہر قائم و موجود تحریک کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مثبت تحریک، چلانا پڑتی ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور اب بھی ایسا ہی ہے تحریکوں کا مقابلہ تحریکیں ہی کر سکتی ہیں۔ سیلابوں کا رخ سیلاب اور طوفان ہی موڑ سکتے ہیں۔ پس پہلی تاریک کو ختم کرنے کے لئے لازم ہے کہ ایک تحریک اٹھے جو بنیادی طور پر اس کے بالمقابل اور متخالف اصولوں پر قائم ہو۔ عقیدہ سے لے کر طور طریقوں اور ساری کلیات و جزئیات میں اس بالفعل قائم ہونے والی تحریک سے متضاد ہو۔ بلکہ اس نئی قائم ہونے والی تحریک کے لئے لازم ہے کہ وہ بالفعل قائم تحریک سے بہتر بنیادوں پر استوار ہو۔ اس کی تنظیم پہلی سے بہتر ہو، اس کے ارکان پہلی تحریک کی نسبت زیادہ روشن دماغ اور زیادہ مضبوط اور فعّال ہوں۔ اس کا نظریہ پہلی سے زیادہ جاندار ہو، اس کے روابط و علاقات اور تعلقات سب اس پہلی بالفعل قائم جاہلی تحریک سے زیادہ قوی اور زیادہ با اثر ہوں۔

Marfat.com

انسانی تاریخ کے مدار پر وہ نظری قاعدہ جس پر اسلام قائم ہوتا ہے وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی کی بنیاد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو الوہیت و ربوبیت تسلّط و اقتدار اور حاکمیت و قوامیت میں اکیلا ماننا اپنی ضمیر کے عقیدہ میں رسوم عبادت میں اور عملی زندگی کے قانون میں صرف اُسی کو الٰہ ہونے کا حقدار سمجھنا اور ماننا۔ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت عملاً صرف اسی صورت میں پائی جا سکتی ہے شرعاً اس کا وجود صرف اسی صورت میں معتبر مانا جا سکتا ہے اور وہ فقط اسی طریقے سے "مسلم" اور "غیر مسلم" میں باعث امتیاز بنتی ہے۔

نظری لحاظ سے اس بنیاد کو ثابت کرنے کا معنی یہ ہے کہ ساری انسانی زندگی خدا کی طرف لوٹ آئے۔ لوگ زندگی کے احوال میں سے کسی حالت میں اور اس کے اطراف میں سے کسی جانب میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز نہ ہوں۔ بلکہ وہ ساری زندگی میں خدا کے حکم کی طرف لوٹیں۔ اور واجب ہے کہ اس حکم خداوندی کو اس کے صرف ایک ہی مصدر و منبع سے حاصل کریں یعنی رسول اللہ کے منبع و مصدر سے۔ یہی چیز کلمۂ اسلام کا دوسرا جزو بنتی ہے یعنی اس بات کی شہادت دینا کہ محمد رسول اللہ ہیں۔

اسلام کا بنیادی و اساسی قاعدہ یہی ہے جس پر وہ قائم اور صورت پذیر ہوتا ہے وہ ایک کامل نظامِ حیات بنتا ہے جب کہ زندگی کی تمام شئون داخوال پر منطبق ہوتا ہے۔ فردِ مسلم اسی قاعدہ کو لے کر زندگی کی تمام انفرادی و اجتماعی فروع کا مقابلہ کرتا ہے۔ دارالاسلام کے اندر بھی اور باہر بھی۔ اسلامی معاشرہ کے داخلی تعلقات میں بھی اور خارجی تعلقات میں بھی۔

لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، اسلام صرف اس پر اکتفاء نہ کر سکتا تھا کہ لوگ اسے عقیدہ اور رسوم عبادت کے طور پر اختیار کر لیں اور بس! اور پھر اس کے ارکان اسی جاہلیت کے معاشرہ و جمعیت کا جزو بنے رہیں جو اس وقت بالفعل قائم تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کا اس طرح کا وجود۔۔۔ چاہے کتنی بڑی

تعداد میں ہوں ۔ کبھی عملاً "اسلام" کو ایک فعلی وجود نہیں دے سکتا۔ ایسے "نظری مسلمانوں" کے افراد جو جاہلی معاشرے کی اجتماعی ترکیب کے رکن ہوں وہ بالیقین عنقریب اس اجتماعی وعضوی تحریک کے مطالبات ماننے پر مجبور ہو جائیں گے اور طوعاً وکرہاً اسی کے ساتھ متحرک ہوں گے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر اس اجتماعی ترکیب کی بنیادی ضروریات وحاجات کو پورا کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، وہ اسی کا دفاع کریں گے، اسی کے لئے زندہ رہیں گے اور اسی کے لئے ان کی موت واقع ہو گی۔ وہ ان خطرات کو دور کرنے کا کام بھی سرانجام دیں گے جو اس ترکیب کے وجود وحیات کو توڑنے اور فنا کرنے میں کوشاں ہوں۔ کیونکہ ایک اجتماعی وجود اپنے تمام افراد واعضاء سمیت یہ کام سرانجام دیتا ہے چاہے افراد ایسا چاہیں یا نہ چاہیں۔ اس کا نتیجہ عملاً یہ ہو گا کہ "نظری مسلمان" جس جاہلی معاشرے کو "نظری طور" پر زائل کرنا چاہتے ہیں وہ عملاً اس کی تقویت کا باعث بنیں گے۔ وہ ایسے زندہ خلیئے بن جائیں گے جو اس جاہلی معاشرہ کے لئے عملاً اس کی بقاء واقدار کا "فریضہ" انجام دیں گے۔ اپنی تمام قوتیں اس کی زندگی وقوت میں صرف کریں گے اور عملی لحاظ سے اس جاہلی معاشرے کو توڑنے اور مٹانے کے بجائے اسے قائم کرتے اور تقویت پہنچانے کا باعث بنیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی عقیدہ وبنیادی نظریہ کو اپنے وجود کے پہلے ہی لحظہ سے ایک اجتماعی تحریک وترکیب کا رنگ اختیار کرنا ناگزیر ہے تاکہ وہ جاہلی معاشرے اور اس کی تحریک کا مقابلہ کر سکے۔ جاہلی اجتماع کا مقصد اسلام کی نفی والغاء ہے، اس نئی اسلامی تحریک کا مقصد حیات ومقصد وجود اسلام کا قیام اور جاہلیت کی نفی والغاء ہو گا۔ اسی طرح یہ بھی ناگزیر ہے کہ اس نئی اجتماعی تحریک کا محور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہو۔ اور آپ کے بعد ہر زمانے میں انہی بنیادوں پر اٹھنے والی قیادت ہو، جس کا مقصد زمین میں خدا کی الوہیت وربوبیت، قوامت وحاکمیت اور اقتدار وشریعت عملاً قائم

Marfat.com

کرنا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ناگزیر ہے کہ ہر لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینے والا اپنی موالات کو جاہلی معاشرے سے قطع کرے اور اس کی قیادت سے کاٹ لے، چاہے وہ قیادت کسی صورت و شکل میں ہو۔ مثلاً چاہے وہ کاہنوں، پجاریوں، مجاوروں، سیانوں اور جادوگروں کی "دینی قیادت" ہو، چاہے وہ سیاسی یا اقتصادی یا اجتماعی قیادت ہو جیسی کہ قریش کی تھی۔ ہر مسلم کا فرض ہے کہ اپنی موالات کو اس جدید اسلامی تحریک اور اس کی قیادت کے ساتھ منحصر کرلے۔

یہ موالات ایک مسلم کے دخول اسلام کے پہلے ہی لحظہ سے اسلام اور اہل اسلام کے لئے ہونی ناگزیر ہے۔ جونہی وہ زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرے اسی وقت اس کی ولاء کا رخ بدل جاتا ہے۔ اور ایک اسلامی معاشرے و جمعیت کا وجود اس کے بغیر ثابت و موجود ہی نہیں ہو سکتا۔ اسلامی تحریک اور اس کی اجتماعی تحریک کا وجود محض "نظری عقیدہ" پر مبنی نہیں ہے۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے چاہے کتنی کثیر تعداد میں ہوں، کبھی ایک اسلامی تحریک و معاشرے کو جنم نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اس معاشرے کا اپنا ایک الگ مستقل ذاتی وجود ہے۔ اس کے ارکان و افراد ایک الگ جماعت بناتے ہیں جس طرح کہ ہر زندہ چیز کا اپنا ایک الگ مستقل وجود ہوتا ہے۔ یہ سب افراد مل کر اور جڑ کر اس تحریک کا وجود بناتے اور اس کی توسیع و دفاع کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔ ان کے اپنے الگ نظریات، عقائد، اعمال ہوتے ہیں۔ الگ قیادت ہوتی ہے جس کی تنظیم و تنسیق جاہلی قیادتوں سے بالکل جداگانہ اور الگ تھلگ ہوتی ہے۔

اسلام کا وجود جب متحقق ہوا تھا تو اسی طرح ہوا تھا۔ اس کا اپنا ایک الگ نظریہ و بنیادی عقیدہ تھا۔ ایک مستقل تحریک و ترکیب تھی۔ الگ تھلگ اجتماعی وجود تھا اور ایک مستقل قیادت تھی۔ اس کا وجود محض ایک خالی خولی نظریئے کی شکل میں بالکل نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح اسلام جب

Marfat.com

کبھی پھر ابھرے گا اس وقت بھی یہی صورت حال پیش آئے گی۔ جاہلی معاشرے کے ماتحت اور اس کے ضمن میں اس کا وجود کسی جگہ اور کسی زمانے میں بھی ممکن نہیں ہے۔ نیز اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اسلام کی فطرت و طبیعت اور اس کی تحریک و اجتماعی حیثیت کو اچھی طرح جاننا لازم ہے۔

جب ہم اسلام کی فطرت و طبیعت اور اس کی نشاۃ کی فطرت کا ادراک کر لیں۔ اس کی اجتماعی تحریک کی فطرت کو جان لیں، جیسا کہ ہم نے سورۃ الانفال کے مقدمہ میں تفصیل سے بتایا تھا، تبھی ہم ان نصوص و احکام اور ان کی مدلولات کو سمجھ سکتے ہیں جو سورۃ الانفال کے اختتام پر دئے گئے ہیں۔ ان احکام میں بتایا گیا ہے کہ مسلم جماعت کی ترکیب و تنظیم کیا ہے؟ اس کے داخلی عناصر کیا ہیں؟ مہاجرین و انصار کی کیا صفات تھیں؟ ان کے باہمی تعلقات کیا تھے؟ پھر اس مسلم جماعت کے ساتھ غیر مہاجر مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ مسلم جماعت کی کافروں سے تعلقات کی کیا نوعیت تھی؟ ان مضامین میں سے ہر ایک اسلامی معاشرے کی نشوونما اور اجتماعی تحریک کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اس مضمون کو کچھ بیان کرنے کے بعد ہم ان آیات کو سمجھ سکیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا ...... فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ: ہر وہ شخص جس نے مکہ میں کلمہ شہادت پڑھ کر توحید و رسالت کی گواہی دے دی تھی وہ اپنے خاندان، قبیلہ اور جاہلی قیادت کی — جو اس وقت قریش کے وجود میں متمثّل تھی! — ولاء سے الگ تھلگ ہو کر اپنی موالات اور باگ ڈور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قیادت میں اٹھنے والے اس نئے مجمع و معاشرہ کے ہاتھ میں دے چکا تھا۔ اس وقت جاہلی معاشرہ اپنے ذاتی وجود سے اس نئے معاشرے کے خطرے کو ہٹانے میں مصروف تھا۔ وہ لوگ اس جدید تحریک کو اپنے لئے ایک چیلنج جانتے تھے۔

Marfat.com

حتیٰ کہ سب سے پہلے جنگی معرکے میں اس نئی جماعت سے ٹکرانے تک وہ اسے مٹانے کی پوری سعی کرتے رہے اور اسے جاہلی معاشرے کے وجود کے خلاف سب سے بڑا خطرہ جانتے رہے۔

اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جدید اور نومولود جماعت کے افراد میں اخوّت قائم فرمائی اور جاہلی معاشرے سے نکل کر آنے والے سب افراد کو ایک جماعت اور معاشرہ کی شکل دے دی۔ اس نئے معاشرہ میں خون و نسب کی جگہ عقیدہ کا رابطہ اصل بنیاد ٹھہرایا گیا۔ اس نئی قیادت کی ولاء کو پرانی جاہلی قیادت کی ولاء کا قائم مقام بنایا گیا۔ اور اس نئے معاشرے کی موالات ہر سابق ولاء کی قائم مقام ہو گئی۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مدینہ میں دار الہجرت قائم فرمادیا وہاں کے رہنے والے مسلمانوں نے اسلامی قیادت کی مطلق موالات پر بیعت کر لی، اور پسند و ناپسند ہر حالت میں سمع و طاعت پر بیعت کر لی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا پکا وعدہ کر لیا کہ جس طرح وہ اپنے اموال و اولاد اور عورتوں کی حمایت و دفاع کرتے ہیں اسی طرح اور ان سب چیزوں سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حمایت و دفاع کریں گے اور مدینہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت و امارت میں ایک حکومت قائم ہو گئی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان عقدِ مواخات (بھائی چارہ) قائم کیا جو رنگ و خون اور نسب کے رابطوں کے سب تقاضوں سمیت ان کا قائم مقام ہو گیا۔ ان تقاضوں میں وراثت، دیتیں اور وہ سب معاہدے اور التزامات بھی داخل تھے جن پر کہ خون اور نسب کا رابطہ قائم ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نافذ ہوا کہ مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے "اولیاء" ہیں۔ یعنی ان میں نصرت، وراثت، دیتوں اور ان سب

معاوضوں اور التزامات کی ولاء قائم ہے جو خون و نسب پر قائم ہوتے ہیں۔

پھر کچھ اور لوگ پائے گئے جو بطورِ عقیدہ تو دینِ اسلام میں داخل ہو گئے مگر عملاً اسلامی معاشرہ میں آکر نہ ملے، انہوں نے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کی جس کے معاملات کی تدبیر خدا کی شریعت اور مسلم قیادت کے ہاتھ میں تھی اور اسلامی قانون اس میں بالفعل نافذ تھا۔ وہ اس جمعیت کے عملی و فعلی ارکان نہ بنے جو خدا کے قوانین کو قائم کر رہی تھی۔ گویا وہ عقیدہ کے لحاظ سے تو مسلم تھے مگر ولاء کے لحاظ سے ابھی بالفعل مسلم جماعت کا حصّہ نہ بن سکے تھے۔ ان لوگوں کو اسلامی معاشرے اور اسلامی جماعت کا حصّہ "بالفعل" شمار نہ کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے "ولایت" کے تمام انواع و اقسام کے لحاظ سے انہیں مسلم معاشرے کی ولایت کا حقدار نہ ٹھہرایا۔ ہاں یہ فرمایا گیا کہ اگر "دین" میں وہ تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرو بشرطیکہ یہ مدد کسی معاہد قوم کے خلاف نہ ہو۔

یہ حکم اسلام کی فطرت اور اس کی تحریکی و واقعی طبیعت کے لحاظ سے بالکل منطقی اور واضح ہے۔ کیونکہ ہجرت نہ کرنے والے بالفعل اسلامی معاشرے کے اعضا نہیں بنے تھے اسی لئے اس معاشرے میں اور ان میں ولایت کا رابطہ نہ ہو سکتا تھا گو عقیدہ کا رابطہ موجود تھا لیکن اسلامی جمعیت و معاشرہ پر صرف یہ عقیدہ ان افراد کی ذمہ داریاں مرتب نہ کر سکتا تھا۔ ہاں اگر ان پر دین کے معاملے میں تعدّی ہو، انہیں عقیدہ سے پھیرنے کی کوشش کی جائے، تو اگر وہ مسلمانوں سے مدد کے طالب ہوں تو دارالاسلام کے مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ صرف اس معاملے میں ان کی مدد کریں بشرطیکہ یہ مدد مسلمانوں کے کسی معاہدے پر اثر انداز نہ ہو اگرچہ یہی معاہدے کرنے والے ان پر تعدّی کرنے والے ہوں! اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل حیثیت اور بنیادی اعتبار مسلم جماعت، اس کی تحریک اور اس کے معاملات و عہد و میثاق کو

Marfat.com

حاصل ہے۔ اوّلین رعایت اسی چیز کی ہوگی (اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ بلاوجہ شرعی اور بلا عذر دار الاسلام میں نہ آنا اور دار الکفر یا دار الحرب میں بیٹھے رہنا کس قدر مضر اور خود ان بیٹھے رہنے والوں کے وجود کے حق میں کتنا مہلک ہے!) اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اسلام تحریکی تنظیم کو کتنی اہمیّت دیتا ہے کہ دراصل یہی چیز اس کے حقیقی وجود کو متمثل کرنے کا باعث ہے۔

جس طرح مسلمان ایک تحریک و تنظیم کے اعضاء و ارکان ہیں اور ان میں باہم موالات ہے اسی طرح کافر بھی جاہلی معاشرے میں ایک تحریک کے ارکان ہیں اور ان میں باہم "موالات" ہے۔ جاہلی معاشرہ بھی ایک اجتماعی ترکیب و تنظیم ہے۔ وہ افراد کی مانند الگ الگ نہیں بلکہ ایک عضوی متحرک اور زندہ وجود کی مانند ہے۔ اس کے اعضاء و ارکان اس کے وجود و طبیعت کی فطرت سے ہی اپنے دفاع و حیات کے لئے متحرک ہوتے ہیں۔ پس کافر بھی طبعاً اور حکماً ایک دوسرے کے "اولیاء" ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی ایک اجتماعی ترکیب بن کر جاہلیت کا مقابلہ کرنا ہوگا، بلکہ جاہلیّت کی نسبت ایک درجہ زیادہ عمیق، زیادہ مضبوط اور زیادہ قوی طور پر اپنی جمعیّت قائم کرنی چاہیئے اگر ایسا نہ ہوگا تو جاہلی معاشرہ کی طرف سے "فتنہ" واقع ہوگا۔ کیونکہ مسلمان اکیلے اکیلے جاہلی معاشرہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح عام طور پر زمین میں اسلام پر جاہلیت کے غلبے کی وجہ سے فتنہ واقع ہو جائے گا۔ جاہلیت اسلام پر چڑھ دوڑے گی اور زمین میں فساد پڑ جائے گا۔ خدا کی الوہیت پر بندوں کی الوہیت کی طغیانی آجائے گی۔ بندگانِ خدا دوبارہ بندوں کے غلام بن جائیں گے اور یہ سب سے بڑا فساد ہوگا۔

پس جو مسلمان اپنے وجود کو ایک ولاء اور ایک قیادت کے تحت

Marfat.com

میں اجتماعی بنیاد پر قائم نہیں کرتے، وہ نہ صرف اپنے اوپر بلکہ خدا کی طرف سے بھی "فساد فی الارض" اور فتنہ کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا: یہی برحق مومن ہیں کیونکہ یہی وہ صورت ہے جس میں ایمان متمثل ہوتا ہے۔ اس دین کی نشاۃ اور اس کے حقیقی وجود کی صرف یہی صورت ہے۔ دین کا وجود محض ایک نظری عقیدہ کے اعلان سے نہیں ہوتا، نہ صرف اس کے قبول واعتراف سے ہوتا ہے، بلکہ صرف اس کے عباداتی شعائر کو قائم کر لینے سے بھی نہیں ہوتا۔ اسلام ایک نظامِ زندگی ہے۔ وہ اس وقت تک فعلی وجود اختیار نہیں کرتا جب تک کہ ایک اجتماعی تحریک نہ بنے۔ اس کا محض نظریاتی اعلان اور اعتقادی وجود ایک حکمی وجود ہے، وہ اس وقت تک حق نہیں بنتا جب تک کہ عملاً اور واقعۃً ایک تحریکی صورت قبول نہ کرلے۔

ان مومنوں کے لئے مغفرت و رزقِ کریم کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ رزق کا ذکر یہاں جہاد و انفاق اور مسلمانوں کو پناہ دینے کی مناسبت سے ہوا ہے۔ مغفرت بھی ایک قسم کا رزقِ کریم ہی ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجے کا رزقِ کریم یہی ہے۔

قرآنی نصوص نے مہاجرین اولین وانصار کا درجہ سب سے بلند بیان فرمایا ہے۔ مگر ان آیات میں بعد میں ہجرت و جہاد میں شامل ہونے والوں کو بھی ان کے ساتھ ملحق فرمایا ہے۔ یہ الحاق موالات اور اسلامی جمعیّت کی رکنیت کا الحاق ہے، درجے اور مرتبے کا نہیں۔

ہجرت کی شرط فتح مکہ تک قائم رہی، اس وقت سارا عرب اسلام اور اس کی قیادت کا مطیع ہو گیا اور لوگ اس کے معاشرہ میں پروئے گئے۔ پس فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہ رہی ہاں جہاد و عمل باقی تھا۔ جیسا کہ حضور

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن یہ چیز اسلام کی پہلی لہر اور پہلے حصہ میں تھی جب کہ اسلام نے تقریباً ایک ہزار دو سو برس زمین میں حکومت کی اور اس میں شریعتِ اسلام کا حکم منقطع نہ ہوا تھا، مسلم قیادت کا خدا کی شرع واقتدار پر قیام منقطع نہ ہوا تھا۔ لیکن آج زمین پھر جاہلیت کی طرف لوٹ چکی ہے اور لوگوں کی زندگیوں میں سے خدا کا حکم اٹھ چکا ہے۔ ساری زمین میں پھر طاغوت کی حاکمیت لوٹ آئی ہے۔ اسلام نے لوگوں کو بندوں کی جس بندگی سے نکالا تھا لوگ پھر اسی میں داخل ہو چکے ہیں۔ اب اسلام کی ایک دوسری لہر، ایک جدید دور اور نئی جدوجہد ازسرِ نو شروع ہو رہی ہے۔ جو پہلے تنظیم کا کام کرے گی، پھر ہر مرحلہ کے احکام میں سے گزرتی ہوئی دار الاسلام اور دار الہجرت کے قائم کرنے پر منتہی ہوگی۔ پھر اسلام کے سائے ازسرِ نو پہلی مرتبہ کی مانند پھیلیں گے اور ہجرت نہ ہوگی۔ بلکہ جہاد وعمل ہوگا، جیسا کہ اس تحریک کی پہلی لہر میں ہو چکا ہے۔

اسلامی وجود کے قیام وبناء کے پہلے موقع پر چند خاص احکام دیئے گئے تھے جو اسی وقت کے لئے مخصوص تھے۔ جیسا کہ اس موقع کی اپنی مخصوص تکلیفات تھیں جن کا مومنین کو مکلّف بنایا گیا تھا۔ اس زمانے میں عقیدہ کی ولاء خون کی ولاء کے قائم مقام ہو گئی تھی ــــ موالات کی ساری صورتوں میں ــــ حتّیٰ کہ اس ولاء میں وراثت اور دیات ومغارم میں اجتماعی ذمہ داری بھی داخل تھی، غرض ولاء اپنے سب التزامات اور تقاضوں سمیت موجود تھی۔ جب بدر کے دن فیصلہ کن جنگ کی وجہ سے اسلامی وجود ثابت ومتحقق ہو گیا تو اس کی استثنائی مرحلہ کے احکام بھی بدل گئے، کیونکہ وہ احکام تو اسلامی تحریک کی پہلی بناء کے لئے لازم تھے اور اس مرحلہ کی استثنائی صورت کی تکالیف کا مقابلہ کرنے کے لئے تھے۔ اب جو تبدیلیاں ہوئیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ توارث اور دیتوں وغیرہ کی باہمی ذمہ داری قرابت کی طرف لوٹ آئی۔ لیکن یہ چیز دار الاسلام میں اسلامی معاشرہ کیلئے ہے۔

Marfat.com

چونکہ اسلام کا فعلی و عملی وجود قائم ہو چکا تھا لہذا اب اس میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا کہ مسلمانوں کے عام اجتماعی وجود میں قرابت داروں کو بعض احکام میں اولی قرار دیا جائے۔ یہ چیز انسانی فطرت کے ایک قدرتی و فطری تقاضے کا جواب ہے۔ جب تک وجودِ اسلامی کے عام احکام سے تصادم و تعارض نہ ہو، نفسِ انسانی کے بعض فطری مشاعر و محسوسات کے تقاضوں کو مدِّ نظر رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسلام فطری احساسات کو ختم نہیں کرتا، بلکہ وہ انہیں نظم و ضبط کے تحت میں لے آتا ہے تاکہ وہ اسلامی وجود کی اعلیٰ تر حاجات کے ساتھ متوازن و مستقیم ہو جائیں۔ جب یہ حاجات ختم ہو جائیں تو وہ ان احساسات کو پھر عام حدود میں لے آتا ہے۔ یہی راز ہے کہ اسلامی تحریک کے بعض استثنائی مرحلوں میں کچھ خاص احکام تھے جو اسلام کے آخری و انتہائی احکام میں وارد نہیں ہیں۔ پس ان احکام کو انہی مرحلوں کی استثنائی حاجات کی روشنی میں دیکھنا لازم ہے۔

اسلام جو اپنی جماعتی زندگی اور اجتماعی تحریک میں اصل واسطہ و رابطہ عقیدہ کو ٹھہراتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان کی انسانیت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اس کے تمام احکام و قوانین میں یہ چیز مدِّ نظر رکھی گئی ہے۔ وہ انسان کو صرف ایک حیوانی یا مادّی وجود قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے نزدیک انسان بعض صفات و خصائص میں حیوانات اور مادی چیزوں کے ساتھ شریک ہونے کے باوجود کچھ خاص صفات و خصائص بھی رکھتا ہے۔ جن کی وجہ سے وہ باقی سب چیزوں سے ممتاز ہے۔ موجودہ "علمی جہالت" والے بھی اب دبے لفظوں میں اس کا اعتراف و اعلان کرتے ہیں جیساکہ جولیان ہکسلے نے "جدید ڈارونزم" میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

Marfat.com

اسلام جو ایک ربّانی نظام ہے وہ انسان کو امتیاز اور بلندی بخشتا ہے
پس اسلام جب اپنی اجتماعی تحریک اور جماعتی زندگی کی بنیاد عقیدہ پر رکھتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدہ انسان کے اعلیٰ خصائص سے متعلق ہے۔ اسلام اپنی تحریک کا رابطہ و واسطہ نسب، زبان، زمین، جنس، رنگ، مشترک مصالح اور مشترک وطن کو نہیں ٹھہراتا کیونکہ یہ وہ روابط ہیں جن میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں۔ یہ تعلقات اسی قسم کے ہیں جیسے کہ حیوانات کے ریوڑیں باہم تعلقات ہوتے ہیں، ریوڑ کے اہتمام و انتظام میں ہوتے ہیں، چراگاہ اور میدان میں ہوتے ہیں، باہم خاص قسم کی آوازیں نکال کر گفتگو اور بات سمجھنے سمجھانے میں ہوتے ہیں۔ لیکن عقیدہ ایسی چیز ہے جو انسانی وجود، اس کے گرد و پیش کی کائنات، اس کی ابتداء و انتہا اور باہمی ذمہ داریوں کی تفسیر کرتا ہے۔ یہ چیز انسان کو مادّہ اور حیوانیت سے اوپر لے جاتی ہے۔ یہ مادّی چیزوں سے ماوراء ہے جو اس کی روح و ادراک سے متعلق ہے اور اسی ادراک کی بناء پر وہ ساری کائنات سے ممتاز و ممیّز ہوتا ہے۔ یہی چیز اسے کائنات کی دوسری چیزوں سے بلند و بالا لے جاتی ہے۔

پھر اس عقیدے میں حریت و آزادی ہے جو انسان کے آزاد اختیار اور اسے کنٹرول کرنے والے ارادے پر مبنی ہے۔ ریوڑ کے تعلقات تو اس پر تھوپے جاتے ہیں جن میں اس کا آزاد ارادہ و اختیار کام نہیں کرتا۔ مثلاً وہ اختیار و ارادہ سے اپنے نسب کو نہیں بدل سکتا، اپنی جنس و نوع میں تبدیلی نہیں کر سکتا، جو رنگ لے کر پیدا ہوا ہے اسے بدل نہیں سکتا۔ یہ سب چیزیں اس کی ولادت سے بھی پہلے

Marfat.com

اس کی حیات میں ثابت و مقرر ہو چکی تھیں، ان میں اُسے کوئی اختیار و حیلہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا کسی خاص زمین میں پیدا ہونا ہے، اور ایک خاص زبان بولنا ہے جس پر وہ اپنی پیدائش کے باعث مجبور ہے۔ اس کے کچھ معیّن مادی مصالح ہیں جن کے ساتھ اس کا ربط و ضبط ہے اسی طرح کسی خاص سرزمین میں اس کا دفن ہونا ہے۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن میں اس کا اپنا کوئی اختیار و ارادہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام جو حریّت و آزادی کا دین ہے، ان چیزوں کو جن میں انسان کا اختیار و ارادہ کچھ نہیں کر سکتا، اپنی جماعتی زندگی اور تحریکی ترکیب کے روابط نہیں ٹھہراتا۔ لیکن عقیدہ، تصوّر، فکر و نظر اور طریق زندگی ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ انسانی اختیار و ارادہ کے سامنے کھلی ہیں۔ وہ ہر وقت ان میں اپنے آزاد ارادے کو بروئے کار لا سکتا ہے اسلام چاہتا ہے کہ انسان ایک اجتماعی تحریک کا رکن سوچ سمجھ کر اپنے اختیار و ارادہ سے بنے۔ اس چیز میں رنگ، زبان، جنس و نسب، جائے پیدائش اور مادی مصلحتیں حائل نہ ہوں۔

اس سے اسلامی تصوّر میں انسان کی شرف و کرامت واضح ہو جاتی ہے۔

چونکہ اسلامی روابط کی بنیاد عقیدہ پر تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ دنیا بھر کی تمام اقوام و اجناس اور الوان و لغات کے لئے مفتوح رہا۔ اس میں داخل ہونے سے کوئی "حیوانی" یا "مادی" تعلق و ربط روک نہ بن سکا۔ اسلامی معاشرہ میں انسانی اجناس کی سب خصوصیات آ داخل ہوئیں۔ یہاں وہ آپس میں مل جل گئیں اور انہوں نے اپنے اندر

Marfat.com

سے ایک اعلیٰ و بلند تر اجتماعی ترکیب باہر نکالی۔ اس عجیب و غریب امت نے ایک پُر رونق اور تازہ بتازہ تمدّن و حضارت کو جنم دیا جو اپنے زمانے میں ساری انسانی طاقت کی اجتماعی قوّت پر چلتی تھی۔ باوجودیکہ اس زمانے میں نام و نسب کے بت پُوجے جاتے تھے اور لوگوں کی باہمی مسافتیں بہت بعید تھیں، اس کے ساتھ ذرائع نقل و حمل نہایت سُست رَو تھے۔

اسلام کے بلند تر معاشرہ میں عربی، فارسی، شامی، مصری، مغربی، ترکی، چینی، ہندی، رومی، یونانی، انڈونیشی، افریقی وغیرہ وغیرہ اقوام واجناس جمع ہو گئیں۔ ان سب کی خصوصیات یکجا ہو گئیں تا کہ یہ مل جل کر باہمی تعاون و تناصر سے اسلامی معاشرے اور اسلامی حضارت و تمدّن کی بنیاد رکھیں۔ یہ عظیم ترین حضارت و تہذیب نہ کبھی عربی تھی نہ عجمی بلکہ ہمیشہ اسلامی تھی۔ یہ کبھی قومی نہ تھی ہاں ہمیشہ عقیدہ پر مبنی تھی۔

یہ سب لوگ مساوات کے قدم پر، محبت کے روابط سے اور ایک ہی منزل کی طرف مارچ کرنے کے شعور سے اکٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی انتہائی توتیں صرف کیں، اپنی اجناس کی عمیق تر خصائص ظاہر کیں، اور اپنے شخصی و قومی تجربات کا نچوڑ اس ایک اجتماعی ترکیب کی بنیاد میں صرف کر دیا جس کی طرف یہ سب مساوات کے ساتھ منسوب تھے۔ ان سب کو باہم جوڑنے والا رابطہ محض ربِّ واحد پر ایمان کا رابطہ تھا۔ اسی میں ان سب کی انسانیّت بلا روک ٹوک ظاہر و باہر اور واضح ہوتی تھی۔ یہ سب چیزیں انسانی تاریخ میں کسی اور انسانی جمعیّت

کے لئے اکٹھی نہیں ہوئیں۔

مثلاً تاریخ قدیم میں مشہور ترین انسانی معاشرہ رومی شہنشاہی کا معاشرہ تھا۔ اس نے بھی بالفعل تو متعدد اجناس، متعدد لغات، کئی رنگوں اور کئی سرزمینوں کو ملا دیا تھا لیکن یہ سب کچھ انسانیت کے تعلق و رابطہ پر قائم نہ تھا، نہ اس کی اساس کسی اعلیٰ انسانی قدر مثلاً عقیدہ پر تھی۔ یہ طبقوں کا اکٹھ تھا۔ اس میں ایک طرف تو اشراف اور غلاموں کے طبقے تھے، اور دوسری طرف اس کی بنیاد رومی جنس کی باقی سب اجناس پر فوقیت و سرداری پر رکھی گئی تھی۔ باقی سب اجناس اس جنس کے بندے اور غلام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تہذیب اس مقام تک نہ اٹھ سکی جہاں تک اسلامی تہذیب بلند ہوئی تھی، نہ اس نے وہ نتائج و فوائد پیدا کئے جو اسلامی معاشرے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی پیداوار تھے۔

اسی طرح جدید تاریخ میں اور کئی تہذیبیں اٹھیں، مثلاً انگریزی شہنشاہیت کی تہذیب و تمدن۔ لیکن وہ اپنی پیش رو رومی تہذیب ہی کی مانند ہے ایک قومی، استبدادی تہذیب ہے جو تمام مال کی منڈیاں تلاش کرنے اور لوٹ کھسوٹ کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس کی بنیاد انگریز قوم کی سرداری پر ہے۔ جو نوآبادیاں اس کے ماتحت ہیں ان میں لوٹ کھسوٹ کرنا اس کی بنیادی صفت ہے۔ اسی طرح یورپ کی شہنشاہیتوں کا حال ہے مثلاً ہسپانوی شہنشاہیت، پرتگالی امپریلزم، فرانسیسی امپیریلزم، یہ سب ان گھٹیا صفات میں ایک دوسری پر بڑھ چڑھ کر

ہیں

اشتراکیت نے چاہا کہ ایک اور نوع کا معاشرہ قائم کرے، جو جنس و قوم، ارض و وطن اور رنگ و زبان کی رکاوٹوں کو پار کر جائے۔ لیکن اس نے یہ معاشرہ "انسانیت" پر قائم نہیں کیا بلکہ اس کی بنیاد طبقاتی امتیاز پر رکھی۔ یہ تہذیب قدیم رومی تہذیب کا دوسرا چہرہ یا دوسرا رخ ہے رومی تہذیب کی بنیاد "طبقۂ اشراف" پر تھی مگر اشتراکی معاشرے کی بنیاد "طبقۂ غربا" پر ہے۔ اس طبقے کو وہ پرولتاریہ کا نام دیتی ہے اور وہ رابطہ جو اس کی رہنمائی کرتا ہے وہ بدترین حسد و بغض کا احساس ہے جو دوسرے تمام طبقات کے خلاف ہے۔

اس تہذیب کا نتیجہ یہی نکل سکتا تھا کہ وہ انسانی وجود کی بدترین چیزوں کو نکال کر باہر رکھ دے۔ کیونکہ وہ ابتداءً ہی صرف حیوانی صفات کو ظاہر کرنے، انہیں نشو و نما دینے اور رچا دینے پر قائم ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی بنیادی ضروریات صرف کھانا، مکان اور جنس ہے — ظاہر ہے کہ یہی بالکل حیوانیت کے اولین مطالب و ضروریات ہیں۔ پھر اس تہذیب نے اعلان کیا کہ انسان کی ساری تاریخ صرف کھانے کو تلاش کرنے کے گرد گھومتی ہے اور بس!

اسلام اپنے ربانی نظام کے ساتھ اس معاملے میں بالکل منفرد ہے کہ اس کے پیش نظر انسان کے بہترین خصائص کو ظاہر کرنا اور انہیں نشو و نما دینا ہے، پھر وہ ان خصائص کو بلند کر کے انسانی تہذیب و معاشرے کی بناء کا کام دیتا ہے۔ اب تک وہ اس سلسلے میں منفرد ہے۔ جو لوگ اس سے منہ پھیر کر دوسرے دساتیر حیات کو اختیار کرتے ہیں جو جنس یا قوم یا زمین یا طبقہ کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہ انسان کے

Marfat.com

دشمن ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان اس کائنات میں اپنی فطرت کے مطابق منفرد و ممتاز نہ ہو۔ نہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تمام انسانی اجناس مل کر اپنے خصائص سے انسانیت کو فائدہ پہنچائیں۔ وہ دراصل پانی کے رخ کے خلاف تیرنا چاہتے ہیں۔ انسانی بلندی کے خط کے برخلاف عمل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ انسان کو اسی طرح جمع کرنا چاہتے ہیں جس طرح حیوانات گھاس اور چراگاہ میں محض مادی و حیوانی ضروریات کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ حالانکہ خدا نے تو انسان کو اعلیٰ و اشرف مقام بخشا تھا!

سب سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ انسان کے اعلیٰ خصائص پر تہذیب کی بنیاد رکھنے کو تعصب، جمود اور رجعت پسندی کا نام دیا جائے اور حیوانی خصوصیات پر قائم ہونے والے تمدن و معاشرے کو ترقی، تقدم اور بلندی خیال کیا جائے! اور اس طرح تمام قیم و اعتبارات کو الٹ دیا جائے۔ محض اس چیز سے بھاگنے کے لئے کہ انسان کی بلند ترین خصوصیت یعنی عقیدہ پر تہذیب کی بنیاد ہو!

اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے، انسانی زندگی میں یہ جاہلی حیوانی بستیاں ہرگز باقی و دائم نہ رہیں گی۔ خدا کا ارادہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ عنقریب انسانیت اپنے معاشرے اور تہذیب و تمدن کو اس بنیاد پر قائم کرے گی جس سے اللہ نے انسان کو مشرف و مکرم بنایا ہے۔ جس پر پہلا اسلامی معاشرہ قائم ہوا تھا جسے تاریخ میں ایک بلند اور منفرد مقام حاصل ہے۔ اس تہذیب کی تصویر آفاق پر چمکتی رہے گی اور بشریت اسے دیکھ کر پھر اس راہ پر چلے گی جس نے انسانیت کو پہلی مرتبہ بلند ترین مقام پر پہنچا دیا تھا۔

Marfat.com

مکّی اور مدنی سورتوں کے موضوعات[1]

مکّی سورتوں میں جو بنیادی مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) اصولِ ایمان یعنی اللہ کی وحدانیّت کا عقیدہ، وحی و رسالت کی تصدیق اور بعث و جزاء کی تصدیق۔

(۲) پیغمبروں کے واقعات جو ان کی قوموں کے ساتھ پیش آئے۔

(۳) عام تشریع کے اصول اور ثابت شدہ آداب و فضائل کے قوانین۔

(۴) مشرکوں کو اصولِ ایمانی کی دعوت، ان پر حجت تمام کرنا اور ان کے شبہات کا جواب دینا، ان کی گمراہیوں کا ابطال اور ان کی خرافات کی قباحت کا بیان کرنا۔

مدنی سورتوں میں واقع ہونے والے بنیادی مسائل یہ ہوتے ہیں۔

(۱) شریعتِ اسلامیہ کے تفصیلی قواعد

(۲) اہل کتاب پر حجّت تمام کرنا اور ان کا پیغمبروں کی ہدایت اور کتابوں کی رہنمائی سے منحرف ہو کر بھٹک جانے کا بیان۔ سورۂ البقرہ میں زیادہ تر یہود پر اتمام حجت ہے، سورۂ آل عمران میں زیادہ تر نصاریٰ پر اور سورۂ آل عمران میں یہود و نصاریٰ دونوں پر۔ اور سورۂ نساء میں منافقین

---

[1] تفسیر المراغی ج ۱ ص ۴۶-۴۹

Marfat.com

کے متعلق بہت سے احکام آئے ہیں اور سورۂ توبہ میں ان کی فضیحتیں بیان کی گئی ہیں۔

سورۂ انفال کے اہم احکام و مباحث کا خلاصہ

(۱) اللہ تعالیٰ کے احکام و افعال بندوں کی مصلحت کے لئے ہیں۔

(۲) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہلِ مکہ کے خفیہ مشورہ کے وقت خدا تعالیٰ نے ان کے مشورے کے نتائج سے حضور کو بچا لیا۔

(۳) جب تک پیغمبر مکہ میں موجود تھے انہیں (مکہ والوں کو) عذاب نہ دیا جا سکتا تھا۔

(۴) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکۂ بدر میں خدا سے فریاد کی اور اللہ نے ملائکہ سے آپ کی مدد فرمائی۔

(۵) پیغمبر جو حکم دیں اور دینی امور میں یا مسلمانوں کی مصلحت میں جو ترغیب دیں، حق کے واضح ہو جانے کے بعد آپ کے ساتھ جھگڑا کرنا حرام ہے۔ لیکن جنگی اور سیاسی مصلحتوں میں فیصلہ سے پہلے پہلے گفتگو، مجادلہ اور مراجعت پسندیدہ چیز ہے، کیونکہ اسی طرح سے مشورہ مکمل ہو سکتا ہے اور حضور نے بارہا ایسے مشورہ پر عمل فرمایا ہے۔

(۶) صادق الایمان مومن کا یہ کام ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرے اور اپنے معاملات کو صرف اسی کے سپرد کرے۔ کسی مخلوق پر بھروسہ اور توکل جائز

Marfat.com

نہیں، کیونکہ ساری مخلوق خدا کی سُنن کے تابع ہونے میں برابر ہے ۔ مومن کی شان یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کے سبب کے ذریعہ سے طلب کرے کیونکہ خدا نے اپنی مخلوق کا نظام اسباب پر قائم فرمایا ہے ۔ جب اسباب سے بے خبر ہو یا عاجز ہو تو معاملہ خدا کے سپرد کر دے اور خدا سے دعا کرے کہ جس چیز سے وہ جاہل ہے اللہ اسے بتا دے اور جن اسباب سے عاجز تھا خدا اس کیلئے مسخّر کر دے چاہے وہ جمادات ہو اور چاہے حیوانات یا انسان ہوں ۔

(۷) ظلم کے نتیجہ میں قوموں کو دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے، ان میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ بارہا زوال اور آزادی کا فقدان ہوتا ہے یہ عذاب ساری قوم پر واقع ہوتا ہے صرف ظالموں پر نہیں ۔

(۸) اموال و اولاد کے فتنہ میں پڑ جانا کئی قسم کے فساد کا سبب ہے ۔ کیونکہ مال و اولاد کی محبّت ان طبعی غرائز میں سے ہے جن میں لوگ اسراف کر جاتے ہیں، جب کہ ان غرائز و احساسات کو دین کی رہنمائی اور حُسنِ تربیت و تعلیم سے مہذّب نہ کیا جائے ۔

(۹) خاص و عام اعمال میں خدا کا تقویٰ ایسی چیز ہے جو اپنے اختیار کرنے والے کو حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز کرنے کا ملکہ بخش دیتا ہے ۔

(۱۰) قوموں کے احوال کا بدلنا اور نعمت سے نقمت یا اس کے برعکس تغیر واقع ہونا قوموں کے عقائد و اخلاق اور آداب و فضائل کے بدل دینے کا طبیعی نتیجہ ہوتا ہے ۔

(۱۱) امتِ اسلامیہ کے لئے حسبِ استطاعت ہر قسم کی تیاری کفار کے قتال کے لئے فرض ہے ۔ اس میں اسلحہ بھی شامل ہے جو زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے ۔ اس کی برّی، بحری اور ہوائی کئی قسمیں ہیں ۔

Marfat.com

سورۂ انفال

خلاصہ مندرجہ ذیل تفاسیر مع حوالہ جات و اقتباسات:

(۱) تفسیر ابن کثیر (۲) تفسیر حقانی (۳) تفسیر المنار (۴) تفسیر المراغی،
(۵) تفسیر فی ظلال القرآن (۶) تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی (۷) تفہیم القرآن مودودی

از

میاں منظور احمد ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ
ایم اے اسلامیات گولڈ میڈلسٹ،
پروفیسر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

علمی کتاب خانہ اردو بازار۔ لاہور

62833

Marfat.com